خلاصہ(Abstract)

امتداد زمانہ نے جن بہت ساری شخصیات کو پردہ اخفا میں رکھا ہے ان میں سے ایک شخصیت سید سلیمان اشرف بہاری کی بھی ہے۔ آپ ندوۃ العلماء سے پڑھے، علی گڑھ میں پڑھاتے رہے بریلوی مدارس میں پڑھایا، علماء دیوبند اوراہل حدیث اور اہل تشیع سے قریبی تعلق رکھتے تھے، اس لیے یہ ان ہستیوں میں سے ہیں جن پر برصغیر کے تمام مسالک متفق ہیں، اوران کی کتب میں بھی یہ اثر جھلکتا ہے۔ اتحادامت مسلمہ کے لیے ان کی کوششیں ثمر آور رہیں۔ اپنے دور کے نامور اور ممتاز عالم ہونے کے باوجود مولانا محترم پر محققین نے اتنی توجہ نہیں دی جس کے وہ مستحق تھے۔ اس وجہ سے مسلم امہ ان کے کارناموں سے واقف نہ ہو سکی۔

آپ کے قلم سے ایسی ایسی تحریریں نکلیں جنہوں نے ہزاروں زندگیوں میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ آپ نے دینی علوم تاریخ، فقہ، سیاست، تصوف اور شاعری کے کسی گوشے کو تشنہ نہ چھوڑا آپ کی تمام تصانیف اصلاحی مقاصد کے لیے لکھی گئیں۔ ہر تصنیف کو پڑھ کر ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کی تمنا کا اظہار نظر آتا ہے۔ تحریک علی گڑھ نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں جو عظیم کردار ادا کیا اس کی ایک کڑی سید سلیمان اشرف کی تصانیف کی صورت میں بھی ہے۔

اور جداگانہ ملی وحدت کا احساس جگا کر مسلمانان ہند میں دو قومی نظریہ کے تصور کو اجاگر کیا۔ آپ نے ساری زندگی اشاعت دین ومذہب میں گزار دی بد مذہبوں اور گمراہوں کارد بلیغ کیا اور کئی شاہکار کتابیں تصنیف کیں اور تحریر و تقریر اور وعظ ونصیحت بلکہ اپنے کردار و عمل معمولات وتعلیمات کے ذریعے مذہب اسلام کی بیش بہا خدمات پیش کیں۔ ہمیشہ امت کی فکر میں لگے رہے آپ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مذہب حق کی ترویج و تبلیغ اور قوم وملت کی صلاح و فلاح سے عبارت ہے سید سلیمان ایک بالغ نظر، روشن خیال، معتدل مزاج اور مکالمے پر یقین رکھنے والے انسان تھے انہوں نے جس جس بات کے بارے میں مسلمانوں کو پہلے سے خبر دار کی اوہ سب سچ ثابت ہوا مثلاً تحریک خلافت ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد کے نتائج کے بارے میں جو کچھ آپ نے فرمایا تھا وہ حرف بحرف درست ثابت ہوا۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا اور اصل مقصد اسلام کی سربلندی اور احیاء تھا جس کی خاطر انہوں نے تن من دھن سے جہد مسلسل کی وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ایک تحریک اور ایک بہترین اسلامی سپاہی تھے۔

آپ دین اسلام کے بنیادی احکام میں کسی سمجھوتے کے قائل نہ تھے اور اس سلسلے میں بڑی سے بڑی مخالفت مول لیتے تھے جیسے کہ آپ نے جماعت رضائے مصطفیٰ کی تحریک میں مولانا ابو الکلام آزاد سے مناظرہ کیا۔ اس کے علاوہ تحریک خلافت میں بھی آپ نے سر پر کفن باندھ کر مسلمانوں کو گاندھی کے فریب اور اس کے مکار عزائم سے آگاہ کیا اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے مسلمانان ہند کو اس کی عیاریوں سے بچانے کی کوشش کی۔

مولانا نے اپنی تمام زندگی علی گڑھ کے لئے مختص کر دی اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ اپ نے اپنی پوری زندگی علی گڑھ کے لئے وقف کر دی اس دوران حالات نے نہ جانے کتنے ہچکولے کھائے آہ کے خلاف سازشیں کی گئیں اخبارات میں ناروا جملے کہے گئے بہتان پرستی کی گئی آپ کو قدامت پسندی کے طعنے دیئے گئے لیکن

آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر جنبش نہیں آئی کبھی بھی بلکہ آپ نے تن تنہا ہر مشکل اور آزمائش کا مقابلہ کیا اور کسی کی طرف توجہ دیئے بغیر اپنے کام میں مصروف رہے۔

ان تحاریک کو گزرے آج ایک صدی گزرنے کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سید سلیمان اشرف نے بر اعظم کی سیاست کو بڑے پیمانے پر متاثر کیا اور جس تواتر اور تسلسل سے اپنا کام جاری رکھا اس کو "البلاغ"، "الخطاب"، "الرشاد"، "النور" اور "السبیل" کی روشنی میں بہتر انداز میں دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ سید سلیمان اشرف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے ایمان و ایقان کی شمعیں روشن کیں اور مسلمانوں میں جذبہ حریت آزادی بیدار کیا آپ نے مغربی اور ہندووانہ تہذیب کا سحر ہی نہیں توڑا بلکہ اس میں مدغم ہونے کے نقصانات اور تباہ کاریوں پر سے بھی پردہ اٹھایا

(اقراء نبی احمد)

مقدمہ

برصغیر پاک وہند میں لسانی اور جغرافیائی بنیادوں پر جو صوبے وجود میں آئے ان میں سے ہر ایک کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی جداگانہ خصوصیات کی حامل ہے۔ اسی طرح بھارت کا صوبہ بہار اپنی تاریخ کے ہر دور میں برصغیر کا ایک اہم خطہ رہا ہے۔ مقامی لوگوں نے صوفیاء کرام کی توجہ سے اسلام قبول کیا مقامی لوگوں اور باہر سے آنے والوں نے، جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں تھے، اس سے جو کلچر وجود میں آیا اس کو بہار کلچر کا نام دیا گیا۔ صوبہ بہار کا اصلی نام "ویہارہ "ہے۔ اس کے لفظی معنی مدرسہ، دارالعلوم، خانقاہ اور مسلم مرکز کے ہیں ان ویہاروں میں سب سے بڑے ویہار کا نام "نالندہ" تھا یہ دنیا کی قدیم درسگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ صدیوں تک ایشاء کا سب سے بڑا قبلہ علم شمار ہوتا رہا۔ اس میں بہت سے علمائے کرام اور بزرگ ہستیاں رہی ہیں جیسے کہ شیخ شرف الدین احمد منیری، قاضی محب اللہ بہاری، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، علامہ شمس الدین الحق عظیم آبادی، سر سید علی امام اور علامہ سید سلمان ندوی جیسے بزرگان دین، عالم، دنیائے علم و فضل کے تاجدار میدان تحقیق و تدقیق کے مشہور شہسوار مولانا محمد سلیمان اشرف بہاری ابن مولانا حکیم محمد سید عبداللہ سرہ ہما 1878ء میں محلہ میر داد بہار ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد مدرسہ حنفیہ جونپور میں استاد مولانا محمد ہدایت اللہ راجپوری سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی۔ ان کے علاوہ استاد مولانا یار محمد بندیالوی قدسی سے بھی استفادہ کیا۔ سید سلیمان اشرف کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اپنے ان مٹ کارناموں کی بدولت حیات جاودانی اختیار کر لیتے ہیں۔ سید سلیمان بہاری براعظم ایشیاء کے ان ممتاز علمائے ذی وقار میں سے ہیں جنہیں قدرت نے سیاسی بصیرت و بصارت دونوں سے نوازا تھا جن کا دل ملت بیضاء کی فکری بیداری اور اس کے روشن مستقبل کے لئے آشنائے درد تھا۔ سید صاحب ہماری تاریخ کے ان قابل فخر شخصیات میں سے ایک ہیں جن کی جدوجہد نے براعظم پاک وہند میں جذبہ اسلامی اور ملی تشخص کو قائم رکھا۔ آپ نے براعظم پاک وہند میں جذبہ اسلامی اور ترک گاؤکشی اور سنگھٹن و شدھی جیسی تحریکیں اور تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات و ہجرت جیسی تحاریک کے اثرات و مضمرات سے مسلمانوں کو نہ صرف بروقت آگاہ کیا بلکہ اپنی سیاسی بصیرت و آگہی سے مستقبل کا لائحہ عمل بھی متعین کیا۔

آپ نے پژمردہ قلوب میں عشق نبوی ﷺ کے چراغ جلائے اور شعائر اسلامی کے تحفظ و بقاء کی خاطر علمی و قلمی جہاد کیا۔ امت مسلمہ کے عقائد و نظریات کو استحکام عطا کیا۔ خدا اور رسول ﷺ کی ذات اور اسلام کے مسلمہ عقائد پر ہونے والے حملوں کا بھرپور دفاع کیا اور دلائل و شواہد کی روشنی میں حقائق اور ابطال باطل کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ زندگی بھر مسلمانان ہند کے لئے اور عالم اسلام کے تحفظ اور بقاء کے لئے آواز بلند کرتے رہے وحدت ملی کا درس دیتے رہے اور مسلم قومیت کا جداگانہ احساس جگا کر مسلمانان ہند میں دو قومی نظریہ کے تصور کو بھی اجاگر کیا۔ سید سلیمان اشرف نے امت کو اس وقت بچانے کا لائحہ عمل پیش کیا جب سلطنت اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی آپ مسلمانوں کے علیحدہ ملی تشخص کو متحدہ قومیت میں مدغم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

آپ نے اس ہیجانی اور طوفانی دور میں گاندھی اور گاندھی نوازوں کی منافقانہ سیاست اور گاندھی کی مہاتمائیت کا طلسم توڑ کر مسلمانان ہند کو سیاسی خودکشی سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ نے ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں کی لغزشوں پر سخت گرفت کی قومی وملی وحدت کا شعور اجاگر کیا اور برصغیر کے مسلمانوں میں مسلم قومیت کے جداگانہ تصور کی آبیاری کر کے تحریک آزادی کی راہ ہموار کی۔

ان تحاریک کو گزرے آج ایک صدی گزرنے کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سید سلیمان اشرف نے براعظم کی سیاست کو بڑے پیمانے پر متاثر کیا اور جس تواتر اور تسلسل سے اپنا کام جاری رکھا اس کو "البلاغ"، "الخطاب"، "الرشاد"، "النور" اور "السبیل" کی روشنی میں بہتر انداز میں دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے۔ سید سلیمان اشرف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے ایمان وایقان کی شمعیں روشن کیں اور مسلمانوں میں جذبہ حریت آزادی بیدار کیا آپ نے مغربی اور ہندووانہ تہذیب کا سحر ہی نہیں توڑا بلکہ اس میں مدغم ہونے کے نقصانات اور تباہ کاریوں پر سے بھی پردہ اٹھایا

کام کی روشنی میں موضوع ہذا کی افادیت:

سید سلیمان اشرف بہاری کا شمار ان نابغہ ءروزگار افراد میں ہوتا ہے جنہوں نے بیداری امت کے لیے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ مگر انہیں قرطاس ہائے تاریخ میں وہ مقام نہیں ملا جس کے وہ حق دار و سزاوار تھے۔ یہ وہی شخص تھے جنہوں نے علی گڑھ کے "مسلم تشخص" کو اجاگر کرنے کے لیے اپنی زندگی کے انتہائی قیمتی برس وقف کر دیئے۔ مگر افسوس لوگ ان کے کام تو کیا ان کے نام سے ہی واقف نہیں۔ تحریک پاکستان، تحریک ندوۃ العلماء، اور تحریک رضائے مصطفیٰ میں نمایاں کردار ادا کرنے والے پروفیسر سلیمان اشرف بہاری کی تصنیفی اور تحریکی خدمات بلاشبہ مسلمانوں کے لئے عظیم قابل فخر کارنامے کی صورت میں موجود ہیں۔ محمد علی اعظم خان قادری نے "حیات وکارنامے سید سلیمان اشرف بہاری" اور سید قمر السلام نے "سید سلیمان اشرف احوال و آثار" کے نام سے تصانیف لکھیں اس کے علاوہ معارف رضا کراچی کے فروری ۱۹۷۶ء الحاج محمد زبیر نے "پروفیسر علامہ محمد سلیمان اشرف کی شخصیت اور علمی مقام" کے نام سے تحقیقی مضمون شائع کیا۔ "معارف لکھنؤ" کے ۱۳۷۵ھ کے شمارے میں سید سلیمان اشرف بہاری کے سوانح حیات پر آرٹیکل لکھا گیا۔ محمد اعظم خان قادری اور سید قمر الاسلام کی تصانیف معارف میں چھپنے والے اخبارات میں پروفیسر صاحب کی تصانیف پر شائع ہونے والے تبصرے موضوع تحقیق سے متعلق بالواسطہ اور جزوی معلومات پیش کرتے ہیں۔ تاہم ان میں موضوع کو براہ راست اور جامع انداز میں زیر بحث نہیں لایا گیا۔ اس طرح یہ بھی بیان درست ہے کہ ابھی تک موضوع ہذا پر کوئی تحقیقی مقالہ پیش نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس موضوع کا بنیادی مواد منتشر حالات میں موجود ہے اس لئے معروضی حالات کا تقاضا یہ کہ مولانا کی تصنیفی اور تحقیقی خدمات کو منظر عام پر لانے کے لئے تاریخی مواد کو یکجا کیا جائے۔ اور اس کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تاکہ نوجوان نسل اس عظیم مصنف کی تحریکی اور تصنیفی کاوشوں سے آگاہ ہو کر اپنے شاندار ماضی پر فخر کرتے ہوئے اس سلسلہ کو آگے بڑھاسکیں۔ انہیں اسباب اور محرکات کی بنا پر موضوع ہذا کا انتخاب کیا گیا ہے۔

اہداف تحقیق:

1. سید سلیمان کے حالات زندگی اور تعارف کو پیش کرنا۔
2. سید سلیمان کے مختلف تحریکوں میں کردار کو اجاگر کرنا۔
3. بہاری صاحب کی تصنیفی وسیاسی جہات کا جائزہ پیش کرنا۔
4. وطن عزیز میں دعوت کے کام کو فروغ دینے والے لٹریچر میں اضافے کی ایک کوشش۔
5. ایک ایسی دستاویز کی تیاری جس سے عہد حاضر کی دعوتی تحریکیں مستفید ہو سکیں۔

اسلوب تحقیق

1. مقالہ میں اسلوب تحقیق بیانیہ اور تجزیاتی اختیار کیا گیا ہے۔
2. اس تحقیقی مقالہ میں مولانا عزیز الحق کوثر ندوی صاحب کی تصانیف کے منہج واسلوب کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔
3. اس مقالہ میں مصادر اصلیہ سے استفادہ کیا گیا ہے مگر بوقت ضرورت ثانوی مصادر سے بھی کام لیا گیا ہے۔
4. اس مقالے کی بنیاد تحقیقی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔
5. تحقیقی سلسلہ میں جدید طرز تحقیق اور مواد سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
6. مقالہ میں موجود ہر صفحہ کے حوالے ترتیب سے حواشی میں نقل کیے گئے ہیں۔
7. عربی عبارات واوین کے درمیان ذکر کی گئیں ہیں۔
8. آیات کے حوالہ کے لیے سورت کا نام نمبر اور آیت کا نمبر بھی دیا گیا ہے۔
9. حوالہ پہلی بار مکمل کوائف کے ساتھ جبکہ بعد ازاں صرف مصنف کے مختصر نام اور کتاب کے نام کے ساتھ دیا گیا ہے۔
10. مقالہ کی عبارت آسان اور بامحاورہ اردو میں ہے۔
11. مقالہ کے شروع میں مقدمہ اور آخر میں خلاصۂ بحث، نتائج مقالہ اور سفارشات کو تحریر کیا گیا ہے۔
12. مقالہ کے آخر میں مصادر مراجع اور فہارس کو درج کیا گیا ہے
13. ال، ابن، ابو کا خیال نہیں رکھا گیا ہے

ابواب بندی

باب اول: تعارف: اس باب کو تین فصول میں تقسیم کیا گیا ہے پہلی فصل میں صوبہ بہار کی مختصر تاریخ ہے دوسرے میں علمائے بہار کا مختصر تعارف ہے جبکہ تیسری فصل میں سید سلیمان اشرف بہاری کا مختصر تعارف ہے۔

باب دوم: تصنیفی خدمات کا تنقیدی جائزہ: اس فصل کو بھی چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے پہلی فصل میں فقہی تصانیف کا تعارف کرایا گیا ہے دوسری فصل میں تاریخ پر تصانیف کو بیان کیا گیا ہے تیسری فصل میں سیاسی تصانیف کا تعارف کرایا گیا ہے چوتھی فصل میں سید سلیمان اشرف بہاری کی متفرق تصانیف کا تعارف کرایا گیا ہے۔

باب سوم: تحریکی خدمات: اس باب کو بھی چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے پہلی فصل میں سید سلیمان اشرف کی تحریک علی گڑھ میں خدمات کو بیان کیا گیا ہے دوسری فصل میں تحریک خلافت میں ان خدمات کو بیان کیا گیا ہے اور تیسری فصل میں سید سلیمان کی خدمات کو جماعت رضائے مصطفٰی میں بیان کیا گیا ہے جبکہ چوتھی فصل میں سید سلیمان کی متفرق تحریکی خدمات کو بیان کیا گیا ہے

وقت اور ممکنہ وسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے موضوع سے متعلقہ تحقیق کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے لیکن وسعت موضوع کے سامنے اپنی کم علمی اور وقت کی کمی کا شدت سے احساس ہوتا رہا۔ اس مقالہ پر خوب سے خوب تر کی گنجائش رہے گی کیونکہ جس شخصیت پر کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ ایک بہت ہی عظیم ہستی ہے اور ایک مقالہ میں ان کی تصنیفی خدمات کو مکمل طور پر پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس موضوع سے متعلقہ کام کرنے والوں کے لیے اسے زادِ راہ بنائے آمین!

مقالہ نگار

اقراء نبی احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

فصل اوّل

صوبہ بہار ایک تعارف

صوبہ بہار علمی، ادبی تہذیب اور ثقافتی میدان میں اپنی ایک حیثیت رکھتا ہے۔ شروع ہی سے یہاں بڑی بڑی نامور اور اہم شخصیات جنم لیتی رہی ہیں اس کثیر الاضلاع صوبہ کو ترقی کی سمت بڑھنے میں ہر جانب سے مدد ملی کیونکہ تقریباً اس کے ہر شہر ہر ضلع میں کسی نہ کسی ایسی شخصیت کا وجود ہوا جس نے اپنے وطن مالوف کے عظیم گلشن کو سجانے کے لئے بڑھ چڑھ کہ حصہ لیا۔ اگرچہ یہ صوبہ مختلف المذاہب لوگوں کا مسکن ہے لیکن اس کے باوجود اس کے ماضی کا اتحاد قابل رشک ہے۔ درحقیقت بہار کو پر امن بنانے میں اسی اتحاد کا ہاتھ ہے۔ اور اس اتحاد کے پس پشت علماء اور صوفیائے عظام کی تعلیمی خدمات اور روحانی فیوض وبرکات کار فرماہیں۔ شروع میں یہاں دور دراز سے پہاڑوں، جنگلوں اور لق ودق میدانوں کے سینے چیرتی ہوئی صوفیاء کرام کی متبرک جماعت اترتی رہی اور دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ایک دل کو دوسرے دل سے جوڑنے کا کام انجام دینے میں مشغول رہی۔ اس لئے بہار کو ترقی دلانے میں صوفیاء کرام کی جو خدمات ہیں انہیں بھلایا نہیں جاسکتا۔ خاص کر اس گلہائے رنگ سے مزین چمنستان کو سینچنے اور سنوارنے میں منیر شریف اور بہار شریف کی نابعہ روزگار شخصیتوں کا بڑا ہاتھ ہے کیونکہ ہمیشہ ان سرزمین پر صوفیاء، علماء، فضلاء کی اچھی خاصی تعداد موجود رہی ہے اور دلوں کو جوڑنے اور تبلیغ و تلقین کے ذریعے نسل انسانی کو انسانیت سے آراستہ اور پیراستہ کر کے مقصد حیات سے روشناس کرانے میں سرگرم عمل رہی ہیں۔[1]

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتاہے کہ ۵۷۶ھ سے قبل اس شیر از ہند یعنی اس زمین ہند پر جہالت اور تاریکی کے مینار روشن تھے لیکن حکم خداوندی سے یہ دیار توحید اور علم و عرفان کے نور سے منّور ہونے لگا۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ سرزمین اسلام اور علم دین کا مرکز بن گئی۔ بہار کے روشن مینار کی ضیاپاشیوں نے بنگال کی سرزمین سے لیکر برما کے سنگلاخ خطوں کو بھی منّور کیا۔ اس شیر از ہند میں منیر کی سرزمین کو شرف حاصل ہے کہ جہاں مجاہدین اسلام کا پہلا کارواں اترا تھا جس دیس کا ماضی شاندار ہو وہ بلا شبہ نا قابل شکست معلوم ہوتا ہے۔ اس کا چپہ چپہ تاریخ تھا۔[2] مردم خیز تھا۔ شان سکندری اور سروری تھا لیکن ہر چیز فانی ہے سوائے اللہ سبحان تعالیٰ کی ذات کے۔ صاف ظاہر ہے کہ قندیل ربانی کو فروزاں کرنے کے لئے اسلام کی تہذیب ایک نئی تہذیب کی تشکیل ہے بہار کا ظلمت کدہ

---

[1] حقانی، عبد الرقیب، ارض بہار اور مسلمان، علمی اکیڈمی فاؤنڈیشن، کراچی، 2004، ص 7

[2] قادری، محمد علی اعظم، خاں، حیات وکارنامے سید سلمان اشرف بہاری، رضوی کتاب گھر، دہلی 2004۔ ایضاً، ص 66

کفر و شرک بقعہ نور ایمان بنا۔ منیر کے علاقے سے صرف دین کے چشمے ہی نہیں پھوٹے بلکہ یہ تو غازیان اور مجاہدین اسلام کے نقش پا کی بھی امین ہے۔ کلمۂ حق اور تعلیم رسالت کے علم برداروں نے سرزمین بہار کے ایک حصے یعنی خطہ منیر کو جانچا اور اسے مسخر کیا اور ان کی ایمانی قوت، بے لوثی اور جہاد کے ذریعے منیر اسلامی تصرف میں آیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔۱۱۸۷ء میں مسلمان مبلغین کے ایک جہادی قافلے کا ورود مسعود منیر میں ہوا۔ یہ مجاہدین صدیوں تک بڑے بڑے حوادث سے دوچار ہوئے مگر اسلام کا سچا اور زندگی بخش پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ اسی سرچشمۂ علم نور سے اس پورے خطے کو درس اسلام و عرفان نصیب ہوا۔ حق کو باطل پر فتح اور نصرت نصیب ہوئی۔[1]

صوبہ بہار کے ابتدائی حالات اور پس منظر

برصغیر پاک و ہند میں لسانی اور جغرافیائی بنیادوں پر جو صوبے وجود میں آئے ان میں سے ہر ایک کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی جداگانہ خصوصیات کی حامل ہے۔ ان خصوصیات کی نقش گری میں مذہب کو بڑا دخل حاصل رہا ہے۔ مذہب کی مخصوص تعلیمات اور رسومات سے ہر طبقہ کو ایک جداگانہ تشخص ملتا ہے۔ اس لئے کسی بھی صوبے کے معاشرتی تاریخ دراصل اس صوبے کی طبقاتی اکائیوں کی مجموعی تاریخ بھی ہوتی ہے -[2]بھارت کا صوبہ بہار بھی اپنی تاریخ کے ہر دور میں برصغیر کا ایک اہم خطہ رہا ہے۔ برہمنیت کے غلبے کے خلاف برصغیر کے دو بڑے مذاہب جین مت اور بدھ مت اسی خطے میں وجود میں آئے ور جب برصغیر میں مسلمانوں کی آمد شروع ہوئی تو یہ خطہ اپنی زمین اور زرخیزی اور اہل زمین کے باثروت تمدن کی وجہ سے ان کے لئے کشش کا باعث ہوا۔ یہاں مسلمان باہر سے بھی آئے اور مقامی لوگوں نے بھی صوفیاء کرام کی وجہ سے اسلام قبول کیا۔ باہر سے آنے والوں اور مقامی لوگوں نیز غیر مسلموں کے میل جول سے جو کلچر وجود میں آیا اُسے "بہار کلچر" کا نام دیا گیا۔

وجہ تسمیہ

صوبہ بہار کا اصلی نام "ویہارہ" ہے اور یہ لفظ بگڑتے بگڑتے صرف "بہار" رہ گیا ویہارہ بدھ مذہب کے علمی مرکزوں کا نام تھا بہار کے کھنڈرات میں اب تک سینکڑوں ویہاروں کی نشانیاں ملتی ہیں۔ ویہارہ کے لغوی معنی مدرسہ، کلیہ، دارالعلوم، خانقاہ یا دبستان کے ہیں۔ ان ویہاروں میں سب سے بڑا ویہارہ "نالندہ" تھا یہ دنیا کی قدیم درسگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ صدیوں تک ایشیاء کا قبلہ علم ہونے کا شرف حاصل رہا ہے[3]۔ یہاں طلباء ایران، عراق، چین اور جاپان وغیرہ سے آکر درس لیا کرتے تھے یہ ایک اقامتی درس گاہ ہونے کے علاوہ صوبوں تک اس کو اس کو ایشیاء کا قبلہ علم شمار کیا جاتا رہا ہے اس جامع میں تقریباً بارہ ہزار

---

[1]حقانی، عبد الرقیب، ارض بہار اور مسلمان، علمی اکیڈمی فاؤنڈیشن، کراچی، 2004ء، ص19

[2]۔ حقانی، عبد الرقیب، ارض بہار اور مسلمان، ص20

[3]۔ انور بیگ اعوان، بہاری مسلمان تاریخ کے آیئنہ میں، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور،، 1973ء ص40

طلباء علم حاصل کیا کرتے تھے اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ اس دنیا میں بہار ایک ایسا خطہ ہے جو کہ علم و معرفت کے خصوصی انتساب سے مشہور ہے اس زمانہ میں بہار میں سینکڑوں علمی ادارے یعنی ویہارے قائم تھے اس کا ثبوت چینی سیاحوں کے روزنامچے بھی ہیں جن جن ویہاروں میں وہ گئے وہاں اپنے تاثرات قلمبند کئے اب بہت سے ویہارے پیوند زمین ہو گئے ہیں خود نالندہ بھی ان میں مدفون ہے جسے اب کھدائی کے بعد نکالا جارہا ہے۔

جغرافیائی حیثیت

جغرافیائی لحاظ سے بہار کے زمینی علاقے کو دریائے گنگا دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے یہ ہندوستان کے مشرق میں واقع ہے۔ اسکی سرحدیں شمال میں صوبہ بنگال سے اور مغرب میں صوبہ اتر پردیش سے مشرق میں نیپال اور بھوٹان سے اور مغرب میں صوبہ اڑیسہ سے ملتی ہیں موجودہ صوبہ بہار اصلاً ارض بہار کا ایک حصہ ہے۔[1] تاریخ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ مسلم عہد حکومت میں صوبہ بہار کا پہلا دارالخلافہ "بہار شریف" تھا یہ ایک تاریخی شہر ہے جسے بختیار خلجی سے شیر شاہ سوری تک صوبہ بہار کا صدر مقام ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔

دارالخلافہ پاٹلی پتر

۱۵۴۱ء سے دارالخلافہ بہار شریف سے پاٹلی پتر منتقل ہو گیا۔ شیر شاہ سوری نے اس میں ایک قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام "پٹنہ" مشہور ہو گیا ۱۸۸۷ء میں جب اورنگزیب عالمگیر نے اپنے پوتے "عظیم الشان" کو صوبے کا صوبہ دار مقرر کیا اسی نے اس شہر کا نام "پاٹلی پتر" یا "پٹنہ" سے تبدیل کر کے "عظیم آباد" رکھ دیا برطانوی دور حکومت میں اس شہر کا نام پٹنہ رکھا گیا اور اسی نام سے یہ شہر آج بھی مشہور ہے۔ صوبہ بہار معدنی وسائل سے مالامال ہے یہاں پر کئی تہذیبوں نے جنم لیا۔ محمد تغلق کے دور حکومت میں جب سید ابراہیم نے ۱۳۵۳ء میں بہار شریف کے بعض علاقوں کو فتح کیا۔ جب ہندو راجہ "ہنس کمار" کو شکست دی تو اس وقت بھی بہار شریف کو مرکزی حیثیت حاصل تھی[2]۔

صوبہ بہار کی سیاحی حیثیت

زمانہ قدیم سے سرزمین بہار مرکز ثقافت و تمدن اور سرسبز اور سرچشمہ علم و عرفان کی گہوارہ رہی ہے۔ صوبہ بہار کا صدر مقام پٹنہ ہے جو دریائے گنگا کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس جگہ (پاٹلی پتر) کو دارالحکومت بنانے کے لیئے صرف اس کے خوبصورت محل وقوع کی بناء پر منتخب کیا گیا تھا۔ صوبہ بہار کا رقبہ ۶۷۱۱۹۸ مربع میل ہے۔ اس مجوزہ شہر کے چاروں طرف دریاؤں نے اسے سرسبز بنا رکھا تھا۔ چنانچہ قدیم دور میں اس کو پھولوں کی سرزمین کہا جاتا تھا۔ اس شہر کو کئی ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ کسی دور میں اس کو "پشپاپور" بھی کہا جاتا

---

[1] آبادی، شمس الحق عظیم، مولانا، حیات و خدمات از محمد عزیر، علمی اکیڈمی، کراچی، 1984ء، ص87

[2]۔ حقانی، عبد الرقیب، ارض بہار اور مسلمان، ص82

ہے۔[1] یہ دو دریاؤں کے درمیان آباد ایک شہر تھا شمال میں دریائے گنگا اور جنوب میں دریائے سون تھا۔ شیر شاہ سوری کے زمانے میں اس کا نام پٹانایا پٹنہ رکھا گیا ہے اور شہزادہ عظیم پر عظیم آباد رکھا۔

عرصہ دراز تک اسی نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے اب بھی بہار کے سارے مسلمان مشاہیر، زعماء، دانشور، ادیب اور شعراء اپنے نام کے آخر میں عظیم آبادی لکھتے ہیں۔ ایک چینی افسر نے اس کی خوبصورتی کے بارے میں کہا ہے کہ پاٹلی پتر ایک عظیم حکومت کا بارونق پایہ تخت تھا"[2]"

چینی سیاح فاہیان لکھتا ہے کہ:

"محلات اب تک قائم ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عظیم گپتا خاندان کے زوال کے بعد یہ شہر بے رونق ہو گیا ہے۔ پاٹلی پتر نہایت شاندار شہر ہے شاہی محل اور اس کے ایوان شہر کے وسط میں ہیں جو اب پرانے ہو گئے ہیں"

"فن معماری سے متاثر ہو کر لکھتا ہے کہ اس کو جنوں نے تعمیر کیا ہوگا اتنے وزنی پتھروں کو اک دوسرے پر رکھ کر دیواریں کھڑی کرنا اور دروازے بنانا پھر ان کے نقش و نگار اور کمال سنگ تراشی و مجسمہ سازی کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اس دنیا کے انسانوں کے ہاتھ میں تو یہ قدرت نہیں ہے کہ ایسی عمارت تعمیر کر سکیں"۔[3]

پاٹلی پتر کی تباہی وزوال

اس کی تباہی و بربادی کا باعث "ہن قوم" کا حملہ تھا دراصل پانچویں صدی کے آخر میں اور چھٹی صدی کے شروع میں وحشی ہن قوم نے ہندوستان پر پے درپے حملے کیئے بعض مورخوں کا خیال ہے کہ پاٹلی پتر ۴۷۰ میں تباہ ہوا۔ بعض نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہا اس کی تباہی کسی بڑے پیمانے پر آگ لگنے سے ہوئی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تباہی میں سیاسی و قدرتی دونوں طرح کے واقعات کا دخل ہے۔

ڈاکٹر اسپونر نے لکھا ہے کہ:

"میرے دل میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں کمہرار کے المیہ کو بیان کر سکوں اس وحشت اور درندگی کی مثال جو ہن قوم کے ہاتھوں ہوئی ہے نہ یورپ میں ملتی ہے نہ ہی ہندوستان میں"۔[4]

اس کے علاوہ تاریخی پس منظر پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تباہی و بربادی میں تعصب، مذہبی دشمنی اور جنون کو بھی دخل ہے دشمنی میں آکر "سانسکا "جو کہ بنگال کا حکمران تھا اس نے "بدھ گیا" کے اس پیپل کے درخت کو بھی کٹوا دیا تھا جس کے نیچے بیٹھ کر" گوتم بدھ "امن اور شانتی کا درس دیا کرتے

---

[1]۔ندوی، احمد اللہ، حکیم سید، تذکرہ مسلم شعرائے بہار، انٹرنیشنل پریس، کراچی 1922ء، ص54
[2]ندوی، احمد اللہ، حکیم سید، تذکرہ مسلم شعرائے بہار، ص69
[3]۔خواجہ پوری، عبد الحلیم، تاریخ ملک ابراہیمی، حلیمی پریس، کلکتہ 1952ء، ص52
[4]عبد الشکور ندوی، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، 1936ء، ص79

تھے "مگدھ "میں وہ درخت موجود تھا جس پر " گوتم بدھ "عبادت کیا کرتے تھے۔ اس پتھر پہ کثرت عبادت کی وجہ سے ان کے پیروں کے نشان بن گئے تھے اس کو بھی توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ بدھ مذہب کے راہبوں کو بھی ملک بدر کر دیا ان کی خانقاہوں کو بھی برباد کیا عمارات کو مسمار کیا اور پورے شہر کو آگ لگا دی۔ [1]

صوبہ بہار کی طبعی حالت

طبعی یا جغرافیائی حالات پر انسانوں کی نشو نماء کا دارو مدار ہوتا ہے تہذیب و تمدن کی فکر و نظر کا ادراک اور معاش و روزگار کا انحصار بھی ماحول پر منحصر ہوتا ہے۔ کسی بھی عہد کی طبعی حالت اس عہد کی تاریخ مرتب کر سکتی ہے۔ اس لیئے ان کی تاریخی حقائق کا جائزہ لینا از حد ضروری ہے جن کے اثرات نے وادی گنگا میں "مگدھ "اوور "متھلا" کی ریاستوں کی تہذیب و تمدن اور نا قابل تسخیر مملکت کی بنیاد رکھی۔

قدرتی ساخت کے اعتبار سے صوبہ بہار دو حصوں میں منقسم ہے اور دونوں اپنے طبعی حالات آب و ہوا، پیداوار، نسل اور زبان کے لحاظ سے قطعی مختلف ہیں۔ پہلا حصہ دریائے گنگا کا زرخیز میدانی علاقہ ہے اور چھوٹا ناگپور کا سطح مرتفع ہے۔ بہار کے زرخیز میدانی علاقے کو دریائے گنگا نے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک کو شمالی بہار کہتے ہیں دوسرے کو جنوبی بہار کہتے ہیں۔ صوبہ بہار کا موجودہ رقبہ 69348 مربع میل ہے اور گنجان آبادی کے لحاظ سے اس کا دوسرا مقام ہے یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ صوبہ بہار کی 70 فیصد آبادی گنگا کے میدانی علاقے میں اور 30 فیصد آبادی چھوٹا ناگپور کے علاقے میں ہے۔ بہار کا پورا شمالی علاقہ ایک زرخیز میدان ہے جو دریائے گنگا اور اسکی معاون ندیوں کے سیلاب سے آنے والی مٹی سے بنا ہے بھارت کے اہم ترین معدنی ذخائر صوبہ بہار میں پائے جاتے ہیں۔

صوبہ بہار کی آب وہوا

صوبہ کی مجموعی بارش کا 90 فیصد موسم گرما کے مون سون سے جون اور اکتوبر کی درمیانی مدت میں حاصل ہوتا ہے۔ صوبہ بہار میں 40 اور 60 انچ کے درمیان بارش ہوتی ہے۔ آب پاشی کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بہار کے میدانی علاقے میں درجہ حرارت کبھی کبھی نقطہ انجماد سے گر جاتا ہے اور کبھی کبھی 10 ڈگری فیرن ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن مجموعی طور پر آب وہوا معتدل ہے یعنی نہ تو زیادہ سردی ہے اور نہ ہی انتہائی گرمی ہے [2]

ارض بہار کے وسائل

قدرت نے ارض بہار کو اپنی بیش بہا معدنی دولت سے نوازا ہے اسی لئے "دھنباد "میں "دھنباد سکول آف مائنز" عرصہ دراز سے قائم ہے اس کا شمار دنیا کے اعلیٰ ترین مائنگ انجینئرنگ یونیورسٹی میں ہوتا ہے ہندوستان کے مجموعی کوئلے کی پیداوار میں فیصد کوئلہ بہار سے حاصل ہوتا ہے۔ کوئلہ کی سب سے بڑی

---

[1] انیس، محمد انیس ارحمان، بہار کی بہار، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی، 1992ء، ص 45

[2]۔ علی مرتضیٰ پرویز، سید، تاریخ کے گمشدہ اوراق، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی، 2000ء، ص 23

کان "جھریا" میں ہے۔ جدید دنیاابرک کو ایک اہم معدنی دولت شمار کرتی ہے ساری دنیا میں جتنا بھی ابرک دستیاب ہوتا ہے اس کا کئی فیصد صرف بہار سے حاصل کیا جاتا ہے۔ "گیا" ضلع کی سرحد سے لیکر ہزاری باغ تک ابرک کا طویل سلسلہ ہے سب سے بڑی ابرک کی کان بلکہ اس کا مرکز کوڈرما" ضلع ہزاری باغ میں واقع ہے۔ بہار کی ابرک کا رنگ سرخی مائل ہے اس لئے اس کو "روبی مائیکا" کہتے ہیں۔ خام لوہے کا کافی ذخیرہ "سنگھ بوم" ضلع میں ہے۔ ہندوستان کے تمام لوہے کے ذخائر کا ۹۵ فیصد ذخیرہ بہار اور اڑیسہ میں ہے۔ کام تانبے کا سلسلہ سنگھ بھوم ضلع میں ۸۰ میل کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے۔ "گھاٹ شیلا" کے مقام پر ایک بڑا کارخانہ بھی ہے جس کا نام "انڈین کوپر کارپوریشن" شورہ دریائے گنگا کے میدانی علاقے میں کئی مقامات پر پایا جاتا ہے [1] "میگنیز دھات" وافر مقدار میں سنگھ بوم میں پائی جاتی ہے۔ سونا بہت ہی کم مقدار میں پایا جاتا ہے یہ دریاؤں کی ریت میں بھی پایا جاتا ہے سونے کے ذرات کسی جگہ کی کان سے نکل کر پانی کے بہاؤ میں آتے ہیں۔ [2]

ارض بہار کی صنعتیں

کوئلے کی کانیں صنعتی اداروں کے طور پر جگہ قائم ہیں جن میں "جھریا" بہت مشہور ہے "ٹاٹا آئرن اینڈ سٹیل کمپنی" کا شمار ایشیاء کے بعد دوسرے نمبر پر ہوتا ہے۔ دوسرے نمبر پر ابرک کے کئی کارخانے ہیں جس میں کوڈرماء سب سے بڑا مرکز ہے۔ تانبے کا مشہور کارخانہ "انڈین کوپر کارپوریشن" گھاٹ شیلا میں ہے۔ روہتاس اور ڈہری میں چونے اور سیمنٹ کے کارخانے ہیں "ڈالمیا" اور " جپلا " کی سیمنٹ کی فیکٹریاں بہت مشہور ہیں۔ شکر کی پیداوار کے لحاظ سے بہار کی ہندوستان میں دوسری پوزیشن ہے۔ ڈہری میں شکر کا بہت بڑا کارخانہ ہے اس کے علاوہ شمالی بہار میں تمباکو کی کاشت بہت زیادہ ہوتی ہے مونگیر میں ہندوستان کا سب سے بڑا تمباکو کا کارخانہ ہے۔ پٹ سن کا کارخانہ "گیا" ہے۔ سلک کی کھڈیاں بھاگلپور میں ہیں جو کہ پورے ہندوستان میں مشہور ہیں۔ "مونگیر" میں ہندوستان کا سب سے بڑا تمباکو کا کارخانہ ہے۔

ارض بہار کی زمینی مٹی

بہار کی ساخت کے لحاظ سے تین اقسام ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

سرخ مٹی

کالی مٹی

زرخیز مٹی

---

[1] انیس، محمد انیس الرحمان، بہار اور دکن کے آفتاب و مہتاب اور ایک چراغ علم بھی، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی 1995ء، ص48

[2] ایضاً، ص60

شمالی ہندوستان کی لائی ہوئی مٹیوں کا علاقہ ہے جس کی زرخیزی ہندوستان کی حیات بہار کے طبعی حالات کا مختصر ذکر ان محرکات کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے کیا گیا ہے جن کی قدرتی اساس پر بہار کی عظیم اور قدیم ترین تاریخ مرتب ہوتی ہے۔[1] اگر معدنی دولت زرخیز زمین اور مناسب و معتدل آب و ہوا کا جائزہ لیا جائے تو برصغیر میں بہار کی ایک منفرد شخصیت دکھائی دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے سرمائے قدرتی ہیں زمانہ قدیم سے یہاں کے لوگ آج کی طرح پہلے بھی ان دولتوں کو استعمال کرتے رہے ہوں گے بلا شبہ انہی عناصر نے بہار کی عظیم حکومت کو توانائی بخشی چنانچہ یہ سرزمین مدبر، مفکر، زعماء، ادیب، شاعر، حکماء، فلسفی، مشاہیر اور سائنس دانوں کی جولانگاہ بنی رہی ہے، یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ سرزمین بہار میں لوگ کب سے آباد ہیں اور کتنی قومیں فنا وبقاء سے دوچار ہوئی ہیں۔ اس کے لئے کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہ امر اس لئے بھی مشکل ہے کہ بہار کی سرزمین یا تو کسی بڑے زلزلے کی وجہ سے تہہ وبالا ہو گئی یا دریاؤں کی سمت کی تبدیلی کی وجہ سے پامال ہو گئی[2]

صوبہ بہار میں جو کھنڈرات محکمہ آثار قدیمہ کی کھدائی کے نتیجے میں نکل رہے ہیں وہ عیش و عشرت کی آماجگاہ یا رنگ محل کی بجائے علم وفضل کے گہوارے خانقاہ یا ان کے پر شکوہ محلات ہیں۔ اس حقیقت کو کس طرح جھٹلایا جا سکتا ہے کہ سرزمین بہار کی عروج وزوال کی داستان اور اس کی مدفون عمارتیں ہزاروں سال کی گردش زمین اور اس کی حرارتوں سے مسخ ہو کر بھی خلقت عام کے سامنے نمودار ہو کر اپنی تہذیب رفتہ کی داستانیں سنا رہی ہیں۔

ارض بہار کی زبانیں

صوبہ بہار میں دونوں سرکاری زبانوں یعنی ہندی اور اردو کے علاوہ دوسری مقامی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں ان میں تین اہم ہیں بہار کے مشرقی حصے میں میتھلی "یاترہتی اور مگھدی بولی جاتی ہے اور مغربی حصے میں بھوجپوری عام ہے لہجہ کی شرافت، نزاکت، شرینی اور غنایت کے اعتبار سے میتھلی فرانسیسی زبان سے بہت مشابہ ہے۔

ارض بہار کی قدیم نسلیں

بہار کے جغرافیہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ "ڈاروڈی" قوم سے پہلے بھی یہاں ایک بہت قدیم نسل آباد تھی جیسے "نگریٹوس" کہتے ہیں اس نسل کی یادگار اور باقیات کارڈس قوم ہے جو کہ انامالی پہاڑ پر پناہ گزیں ہے۔ "انگامی ناگا" اور بگدش نامی نسلیں بھی ہیں جو کہ راج نامی محل کے پہاڑی سلسلوں میں ہنوز مسکن پذیر ہیں۔ نگریٹوس کے علاوہ ڈاروڈی قوم کی آمد سے پہلے چھوٹا ناگپور کی سطح مرتفع میں ایک اور نسل آباد تھی جسے "پروٹو آسٹرالوائڈ" نسل کہتے

---

[1]۔ نوشہروی، ابویحییٰ خان، امام، ہندوستان میں اہل حدیث کی خدمات، مکتبہ نذیریہ، چیچہ وطنی، 1391ھ، ص 21

[2] انیس، محمد انیس الرحمان، عزیز ملت اور کارنامے، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی، 1995ء، ص 46

ہیں۔ڈاروڑی قوم جب ہندوستان آئی تو اس قدیم نسل کو اس نے جنگلوں اور پہاڑوں میں دھکیل دیا قدرت کا نظام بھی عجیب ہے کہ ڈاروڑی قوم کا حشر وہی کیا جو انہوں نے اپنے پیش رو کے ساتھ کیا تھا۔[1]

تمدنی ارتقاء

قدیم ہندوستان کے متعلق جدید تحقیقات کی روشنی میں جس تمدنی اور عمرانی حالات کے نقشے سامنے آرہے ہیں۔اس سے ہندوستان کے متعلق یہ گمان بے وقعت ہوتا جارہا ہے کہ تین چار ہزار برس قبل یہ خطہ ارض ایک تاریک اور گمنام علاقہ تھا آریوں کی روایت بھی جھوٹی ثابت ہو رہی ہے دراصل ہندوستانی تمدن ایک بہت قدیمی سلسلہ وار تشکیلی قوت ہے۔یہ کہنا کہ آریوں سے قبل ہندوستان کے باشندے جنگلی اور وحشی تھے سراسر جھوٹ ہے جدید تحقیق نے اس کو لغو قرار دیا ہے۔بلکہ یہ بات آریوں نے اپنے ظلم وستم کو چھپانے کے لئے متواتر جھوٹے پروپیگنڈے وتعصب سے کام لیا اس قوم کا اپنا معاشرہ،تمدن اور اپنی تہذیب تھی۔اور بے شک اس نے اپنے دور میں ایک خوشحال معاشرہ کو جنم دیا جس کے آثار وخزائن آج بھی دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے[2] کے لئے کافی ہیں۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا کی ساری تہذیبیں دریاؤں کی وادیوں میں پھلی پھولی ہیں۔دجلہ ونیل اور فرات کی وادیاں اس کی شاہد ہیں ڈاروڑی قوم نے بھی دریائے سندھ اور گنگ وجمن کی آغوش میں پناہ لی۔

ایشیاء کی قدیم درسگاہیں

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان دارالعلوم یعنی ویہاروں کی شاخیں ہر قصبے،ہر شہر،ہر قریئے اور ہر گاؤں میں قائم تھیں۔ان میں سے چار مہتمم بالشان تعلیمی اداروں کے نام مندرجہ ذیل ہیں

وکرم شیلا　　قصبہ پہل گاؤں کے قریب

نالندہ　　بہار شریف کے قریب

جراسن　　گیا

ادویان اودندپور　　بہار شریف

بیرونی ممالک سے طلباء اپنے شکوک کے ازالے کے لئے یہاں آتے تھے۔جن کی لیاقت اور صلاحیت نمایاں ہوتی اور یہ لوگوں کے لئے نمونہ سمجھے جاتے تھے پھر ان کی شہرت پھیل جاتی۔"ای تسانگ" ایک جگہ لکھتا ہے

---

[1]۔مختار الدین احمد،ڈاکٹر،حیات ملک العلماء،ادارہ معارف نعمانیہ،شاد باغ،لاہور،س۔ن،ص 21

کہ وہ مشہور اور سربر آوردہ ہستیوں کا مجمع ہوتا تھا اور ممکن اور ناممکن موضوعات پر بحث و تمحیص ہوا کرتی اور جب حکماء کسی مسئلہ پر متفق ہو جاتے تو ان کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل جاتی تھی"[1]

ارض بہار اور برہمنی فلسفہ

غیر تاریخی عہد سے یہ سراغ ملتا ہے کہ بہار کی سرزمین نے ہندوستان کو گمنامی اور تاریکی سے نکال کر مقام فکر و منزلت اور بام عروج پر کھڑا کر دیا۔ پھر اس کا مائل بہ زوال ہو جانا کچھ عجیب ہے جو انسانی فکر کو دعوت دیتی ہے کہ ان عناصر کی چھان بین کی جائے۔[2]

کچھ بھی ہو یہ بات ماننی پڑے گی کہ برہمنوں کی ذہنیت اور اس کا جذبہ انتقام قابل داد ہے اور یہ اس آگ کی مانند ہے جس میں ٹھنڈی ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔ جس دیس میں مہابیر اور گوتم بدھ جیسے انسان دوست پیدا ہوئے جن کے اصولوں نے انسانوں کو ان کا جائز مقام دلایا اور ملک کو کامرانی کے افق پر پہنچایا وہاں ایک فکر برہمن کی بھی تھی جس نے ہزار سال چپکی سادھ کر جین اور بودھ مذہب کے راہبوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ان کے مذہب اور نظریات کا ایسا بیڑا غرق کیا کہ اس کے کچھ زندہ نشانات لنکا، برما، چین، تبت اور جاپان وغیرہ میں تو ملتے ہیں مگر جس دیش میں یہ سحر طلوع ہوئی وہاں کچھ بھی نہیں ہے سوائے چند مندروں اور کھنڈرات کے جہاں ہزاروں انسان علم کی پیاس بجھانے آتے ہیں۔[3]

ارض بہار کے غیر مسلموں کی ذاتیں اور برادریاں

خطہ بہار میں غیر مسلموں کی انسانی گروہ بندیاں نسل، قوم، قبیلہ، خاندان اور ذات کی بنیاد پر قائم ہے اور اسی طرح ان کی پہچان ہوتی ہے۔ بہار میں غیر آریہ لوگ بشمول قدیم انسانی آبادی اور ڈارویڈی لوگ نسل، قوم یا قبیلوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ جبکہ آریائی لوگ مختلف ذاتوں اور خاندانوں کے ناموں سے پکارے جاتے ہیں مثلاً برہمن، راجپوت، بابھن، کھتری، جاٹ اور کائستھ وغیرہ[4]

سرزمین بہار پر مسلمانوں کی آمد

سرزمین بہار میں مسلمانوں کی آمد کچھ اس طرح ہوئی کہ ہاشمی خاندان کے ایک عالم جن کا نام محمد اور لقب فقیہ تھا بیت المقدس کے مشہور زمانہ قصبہ خلیل میں اقامت پذیر تھے محمد فقیہ جو کہ تاج محمد فقیہ کے نام سے مشہور تھے اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ جہاد کی مہم پر بلاد ہند کی طرف روانہ ہو گئے۔ شیخ عبد

---

[1] بدر الدرین احمد، سوانح اعلیٰ حضرت، نوریہ بکڈپو برائوں، سدارتھ نگر، یوپی، 2001ء، ص45

[2]۔ پیرزادہ، سید، اصغر علی شاہ علیگ، معارف رضا، کراچی، 2011ء، ص78

[3] گنگوہی، رشید احمد، فتاویٰ رشیدیہ کامل، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، س۔ن، ص19

[4]۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، شیخ، مکتوبات امام ربانی، مدینہ پبلشنگ، کراچی، س۔ن، ص36

القادر جیلانی کے خواہر زادے سید خطیر الدین ابدالی بھی اس جہاد میں شریک تھے اور تادم آخر حیات میں ہی رہ گئے۔ اس جہاد میں سطان محمود کے خاندان کے ایک مجاہد تاج الدین کھاند گاہ نے بھی شرکت کی یہ بھی سرزمین منیر میں ہی پیوند خاک ہیں ارض فلسطین سے یہ چھوٹا سا قافلہ رواں دواں، مصائب و آلام کا مقابلہ کرتا ہوا ہندوستان تک پہنچ کر فوج کی شکل اختیار کر گیا منیر کے راجہ کے قلعوں کو مسمار کر دیا راجہ کو شکست ہوئی اور رجب 28 576ء میں محمد فقیہ معروف بہ تاج فقیہ کی سربراہی میں ریاست منیر فتح ہوا۔ بہار میں مسلمانوں کی آمد جنگ اور فتح جیسی مثالیں قرون اولی میں تو بھری پڑی ہیں مگر برصغیر میں اس کی نوعیت ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔[1]

ارض بہار کا اردو ادب

موجودہ ہندوستان میں صوبہ بہار کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اردو زبان کو اس صوبہ میں ہندی زبان کی طرح سرکاری اور مساوی ہونے کا حق حاصل ہے دبستان عظیم آباد کی زبان اردو میں جو شرینی، مٹھاس، حلاوت اور چاشنی موجود ہے وہ کسی اور جگہ کی زبان کو کہاں نصیب اس گلشن ادب کی زبان اردو انفرادیت کی حامل ہے اس کے تیور نرالے اور انداز بیان اچھوتا ہے عظیم آباد کی زبان اردو لکھنؤ اور دلی کی اردو سے بہتر ہے۔

صوبہ بہار کے لوگوں کی آداب وخصائل

صوبہ بہار کے مسلمانوں کی اخلاقی روایات بڑی شاندار ہیں۔ یہ لوگ اکثر اسلامی اخلاق وعادات اور خصائل حسنہ کے حامل رہے ہیں۔ ان کے مجاہدین اور زعماء، محدثین، علماء، فضلاء، مبلغین، مشاہیر اور دوسرے عظام کرام اور عبقری تاریخ ساز شخصیتوں کی ایک بڑی جماعت بے حد سادگی پسند، مستغنی نمود و نمائش سے عاری تھی ان لوگوں میں تواضع انکساری بدرجہ اتم موجود تھا۔ ان کے مزاج میں ٹھہراؤ، نرمی، تحمل، وبردباری اور قوت باداشت کا مادہ کثرت سے پایا گیا ہے۔ خود کو دوسروں کے غیر ضروری معاملات سے دور رکھنا اور گوشہ نرمی اختیار کرنا زیادہ مرغوب تھا۔ ایسے لوگوں کے صد آفریں حالات اس خطے میں بہت ہمہ گیر ہیں اور پورے شہر اور علاقے پر بہت اہم اور گہرے ہیں۔[2]

سربراہان ہند اور ارض بہار

جب برِ اعظم ہند کا مرکز بہار تھا تو تاج بہار کے سپوتوں کے سروں کی زینت رہا ہے۔ اس دور کو تاریخ ہند کے زریں یا سنہرے دور سے تعبیر کیا جاتا ہے مسلم دور حکومت میں ہند کے دو شہنشاہ شیر شاہ سوری اور اس کے جانشین اسلام شاہ سوری کے فرزند تھے۔ اور صوبہ بہار کے علاقہ سہسرام کے متوطن تھے

[1] حقانی، عبدالرقیب، ارض بہار اور مسلمان، ص69

[2] جعفری، رئیس احمد، قائد اعظم اور ان کا عہد، شاہ اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور، س۔ن، ص12

برطانوی عہد میں پہلے اور آخری وائسرائے ہند ہونے کا اعزاز صوبہ بہار سر سید علی امام بارایٹ لاء کو حاصل ہوا۔ ہند کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد تھے۔ پارلیمنٹ کے پہلے سپیکر ڈاکٹر سر سچتانند سنہا اور بھارت کے پہلے چیف جسٹس جعفر امام تھے۔[1]

ارض بہار میں قابل دید عمارات و آثار

صوبہ بہار میں کے قابل دید اور مشہور و معروف آثار و عمارات میں دنیا کے سیاحوں کے لئے بڑی کشش کے سامان پائے جاتے ہیں۔ پٹنہ نالندہ، راجگیر، بودھ گیا، دربھنگہ، منیر، سہسرام، روہتاس، چھوٹاناگپور، پاس ناتھ، رانچی وہزاری باغ،[2]

موجودہ ارض بہار

صوبہ بہار بھارت کا ایک شہر ہے جس کا دالخلافہ یاسب سے بڑا شہر پٹنہ ہے۔ بہار کے شمال میں نیپال ہے تین جانب باقی ریاستیں ہیں جن میں مغرب کی جانب اتر پردیش ہے جنوب میں جاڑ کھنڈ ہے۔ اور مشرق میں مغربی بنگال ہے۔ ریاست بہار گنگا کے پہاڑوں میں پھیلی ہوئی ہے یہ بھارت کے پہلے صدر راجندر پرساد اور مظہر الحق کی جائے پیدائش ہے۔

آبادیات

2001 کے سروے کے مطابق ریاست کی آبادی ہے 82878797 اور فی 880 کلومیٹر پر افراد بستے ہیں

جغرافیہ

صوبہ بہار کا رقبہ 94164 ہے۔ جس میں 37 اضلاع ہیں یہ صوبہ 1991ء میں قائم ہوا۔ صوبہ بہار کے 2011ء میں جو وزیر اعظم منتخب ہوئے ان کا نام نتیش کمار 2011ء کے سروے کے مطابق صوبہ بہار کی آبادی 103804237 ہے

صوبہ بہار کی شرح خواندگی

صوبہ بہار کی شرح خواندگی 63-82

---

[1] عثمانی، شبیر احمد، فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ الحجاز، کراچی، س۔ن، ص 24

[2]۔ قادری۔ محمد علی اعظم، خاں، تجلیات شرف، کوہ نور آرٹ پریس، کلکتہ، 1984ء، ص 67

فصل دوم

علمائے بہار کا مختصر تعارف

صوبہ بہار دو ہزار سال تک علم و ادب کا گہوارا رہا ہے یہاں علما اور فضلاء کی کثیر تعداد رہی ہے جس سے نہ صرف بر اعظم ایشیاء سیر اب ہوا بلکہ دوسرے بر اعظموں کے علماء بھی یہاں سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ تاریخ کے ہر دور میں خواہ بودھ ہوں یا جین ہوں یا وید شاستروں کے پجاری ہوں خواہ مسلمان ہوں اس مردم خیز صوبے نے ان میں سے ہزاروں سینکڑوں اہل علم کو جنم دیا ہے۔

سرزمین بہار کے مسلمان مشاہیر علماء فضلاء، زعماء، محدثین، مجاہدین، مبلغین، ماہر قانون، اطباء، شعراء، حکمراں، مخلص سیاسی کارکن، دانشور اور ماہر تعلیم کی فہرست طویل ہے۔ چنانچہ ان شخصیات کے اوصاف حمیدہ حالات زندگی اور ان کے کارناموں کا مطالعہ ناگزیر ہے اور ان سب کو احاطہ میں لانا ایک مشکل امر ہے جس کے لئے شاید ایک پورا مقالہ بھی کم پڑ سکتا ہے۔ ذیل میں کچھ چیدہ چیدہ شخصیات کا تعارف کرایا جارہا ہے۔

1۔ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری ملعقب بہ مخدوم الملک

آپ ۲۶ شعبان ۶۶۱ھ میں منیر میں پیدا ہوئے شعراء اور اہل قلم نے ان کی پیدائش کی تاریخ "شرف آگین" نکالا ہے۔ آپ نے چار سو تیس سال تک تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کی تصانیف اسلامی تاریخ کا سرمایہ ہیں آپ نے اپنی تحاریر کے ذریعے تبلیغ اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا آپ فقیہ بھی تھے اور شاعر بھی تھے۔ اور آپ کا تخلص "مشرف" تھا۔ آپ کا وصال ۶ شوال ۷۸۲ھ بروز جمعرات بوقت نماز عشاء ہوا۔ [1]

2۔ قاضی ملک مُلّا محبّ اللہ ملقعب بہ فاضل خاں

آپ ۱۶۴۲ھ میں بہار شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ دیار ہند کے نامور علماء اور ممتاز فقہاء میں سے تھے۔ آپ حیدر آباد، لکھنوء اور کابل کے منصب قضاء پر فائز رہے آپ کی شہرت بر صغیر سے پھیلتی ہوئی ایران، افغانستان، عراق، مصر اور شام تک پہنچی۔ آپکی تصانیف میں فن منطق پر "سلم العلوم" اور اصول فقہ میں "مسلم الثبوت" دو بیش بہا اور نادر کتابیں ہیں جو آج دنیائے اسلام میں پڑھائی جاتی ہیں۔ آپ نے ۱۱۱۹ھ میں عالم جاودانی کے لئے رخت سفر باندھا [2]

---

[1] حقانی، عبد الرقیب، ارض بہار اور مسلمان، ص 109۔

3۔ مولاناسید ولائت علی زبیری

آپ ۱۲۰۵ھ ۱۷۹۰ میں پیدا ہوئے۔ مولانا کو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل کی صحبت اور تعلیم نے اطاعت خدا اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا دیوانہ بنایا دیا تھا آپ دعوت کی غرض سے حیدر آباد تشریف لے گئے اور اسی زمانے میں سید احمد کی شہادت کا واقعہ بالا کوٹ میں پیش آیا۔ مولانا نے شیخ عبد اللہ سراج محدث سے حدیث کی سند حاصل کی۔ آپ کی وفات ۲۲ محرم الحرام ۱۲۶۹ھ ہوئی۔[1]

4۔ مولاناسید محمد نذیر حسین محدث دہلوی

مولانا ۱۲۲۰ھ بمطابق ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کو فن حدیث میں خاص مہارت حاصل تھی فقہ حنفی میں آپ کو عدیم النظیر سمجھا جاتا تھا آپ ایک جید فاضل اور مسلم الثبوت محدث تھے آپ ۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

5۔ علامہ ابو طیب محمد شمس الحق

علامہ عظیم آبادی ۲۸ ذی قعد ۱۲۷۳ھ پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے میاں صاحب سے ترجمہ قرآن مجید، تفسیر جلالین، صحاح ستہ، موطا امام مالک، سنن دارمی، دار قطنی اور شرح نخبتہ الفکر پڑھی اور فتوے بھی قلمبند کئے۔ آپ عقائد و اعمال میں صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کا مسلک اختیار کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ میں ۵۲ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔[2]

6۔ نواب موئد الملک بیرسٹر سر سید علی امام

سر سید علی امام کی پیدائش ۱۱ فروری کو ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ مارچ ۱۹۰۸ میں آنڈیا مسلم لیگ کا جلسہ علی گڑھ میں منعقد ہوا تو آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کا ممبر منتخب کیا گیا۔ سر زمین پاک و ہند میں آپ نے ایسے تاریخ ساز کارنامے انجام دئے کہ تاریخ کا ہر ماہر اس کی گواہی دے رہا ہے ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

---

[1] حقانی، عبد الرقیب، ارض بہار اور مسلمان، ص 55

[2] ایضاً، ص 89

7۔ علامہ سید سلیمان ندوی

سید سلیمان ندوی بہار کے ضلع پٹنہ میں ۲۳صفر ۱۳۰۲ھ کو پیدا ہوئے۔ مولانا ۱۹۱۵ میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات مقرر ہوئے اور یہ خدمت ۱۹۵۰ تک سر انجام دیتے رہے۔ اور اپنے استاد مرحوم کی تصنیف سیرت النبی کی جلد اول کو مرتب کر کے شائع کیا۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ کو وہ عالم جاودانی کو سدھارے۔

8. مخدوم سید یحیٰ منیری

سید یحیٰ منیری محمد تاج فقیہ کے بڑے فرزند اسرائیل کے صاحبزادے تھے۔ ان کی عمر جب چار سال کی تھی تو شہر الخلیل سے اپنے دادا محمد تاج فقیہ کی جمعیت کے ساتھ منیر آئے آپ نے صوبہ بہار میں اسلام کے جھنڈے کو بڑی شان سے عرصہ دراز تک بلندر کھا۔ آپ ۱۱ شعبان المعظم ۶۹۰ھ میں انتقال کیا۔

9۔ سید شہاب الدین

آپ کاشغر میں پیدا ہوئے اور حسینی سادات میں سے ہیں۔ سید شہاب الدین اور ان کے خاندان نے دین مصطفیٰ کی پیروی، تبلیغ اور اشاعت اسلام کا فریضہ بخوبی انجام دیا۔ ان کے ایک نواسے مخدوم سید احمد چرمپوش تھے۔ یہ اپنے وقت کے مشہور صوفی اور بزرگ تھے۔ سید شہاب الدین جگجوت نے ۲۱ ذی قعد ۶۶۶ھ میں وفات پائی۔

۱۰۔ سید محمد ابراہیم

سید ابراہیم کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں سید عبد القادر جیلانیؒ سے جاملتا ہے۔ سید ابراہیم کے آباؤاجداد بغداد سے نقل مکانی کر کے افغانستان آئے آپ بہت شجاع ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بزرگ بھی تھے۔ آپ روہتاس گڑھ کی فتح سے ہمکنار ہوئے۔ روہتاس گڑھ کے قلعہ کی فتح یابی کے بعد جب سید ابراہیم کو ہر طرح سے اطمینان ہو گیا تو وہ قلعہ سے باہر آتے ہوئے دشمن کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے۔ اس طرح انہوں نے ۱۳ ذی الحج ۷۵۳ کو جام شہادت نوش کیا۔[1]

11۔ مولانا محی الدین

مولانا مناظر احسن گیلانی اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ

---

[1] حقانی، عبد الرقیب، ارض بہار اور مسلمان، ص78

مغل خاندان کے شہزادوں کی تعلیم کے سلسلے میں شاہجہاں کو جب عالمگیر کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو دہلی کی بجائے بہار سے ملاّ موہن طلب کئے جاتے اور انہی سے تعلیم حاصل کر کے اورنگ زیب بنتا ہے۔ مولانا گیلانی لکھتے ہیں

ملا موہن سے عالمگیر تعلیم حاصل کر کے اورنگزیب بنتا ہے۔

12۔ سلطان فرید خاں عرف شیر شاہ سوری

آپ ۸۸۴ ھ میں سہسرام میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ سے ابتدائی فارسی کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد جون پور میں دوسری درسی کتابیں پڑھیں۔ قاضی شہاب الدین سے صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے باپ کی جائیداد کو سنبھالنے میں لگ گئے۔ ۱۶ ربیع الاول میں گولہ لگنے سے انتقال کر گئے۔[1]

13۔ ملاّ جیون

ملا جیون کا اصل نام مولانا سید وجیہہ الدین تھا۔ وہ مغل بادشاہ عالمگیر کی بیٹی زیب النساء کے استاد تھے۔ جو خد بھی ایک باکمال شاعرہ تھی اور مخفی تخلص کرتی تھی۔ ملا جیون کے نام پر آج بھی دربھنگہ میں ایک محلہ آباد ہے۔ جو اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ ملا جیون دربھنگہ کے متوطن تھے۔[2]

14۔ ملا ابوالحسن

ملا ابوالحسن مخدوم شاہ برکت اللہ قتال اہل مزار مخدوم گنج متعلقہ دربھنگہ کی اولاد میں سے تھے۔ ملا ابوالحسن ایک بہت بڑے عالم تھے عالمگیر بادشاہ دہلی کے دربار میں کسی خاص خدمت پر سرفراز تھے۔ ان کے بیٹے قاضی جار اللہ کو ایک سو مواضع میں ضلع ترہت میں بطور جاگیر ملے تھے جس کے باعث ان کے گھر میں دولت واقبال ہمیشہ رہا۔

15 مولانا شہباز بھاگلپوری

مولانا شہباز بھاگلپوری کی پیدائش ۹۵۶ھ میں ویورہ کے علاقہ ماقم پور میں ہوئی تھی ان کے والد کا نام مولانا شاہ محمد خطاب تھا۔ ان کے بزرگوں کا اصل وطن بخارا تھا۔ ان کا سلسلہ نسب پچیسویں پشت میں حضرت امام حسین سے جاملتا ہے۔ آپ ۱۶ صفر ۱۰۵۰ھ میں خالق حقیقی سے جاملے۔

---

[1]۔احمد بدر الدین، سید، حقیقت بھی کہانی بھی، بہار اردو اکادمی، پٹنہ، 1988ء، ص76

[2]ایضاً، ص89

16۔ ملا سعید مونگیری

آپ ایک جلیل القدر عالم اور استاد تھے۔ شاہجہاں بہار کے علماء سے بہت متاثر تھا۔ اپنے زمانہ شہزادگی میں خود بھی بہار آیا اور تخت نشینی کے بعد اپنے منجھلے بیٹے شجاع کو بہار کا صوبہ دار بنا کر بھیجا۔ بعد میں یہ قربتیں اور بھی بڑھتی گئیں۔

17۔ مولانا محمد عارف

مولانا محمد اپنے وقت کے بہت بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ وہ سلاطین تیموریہ کے زمانے میں اکثر جگہوں میں قاضی و مفتی کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ مولانا محمد عارف محمد تاج فقیہ کی بارہویں پشت میں گزرے ہیں۔

18۔ مرزا رحیم اللہ بیگ

شیخ خالد نے مرزا رحیم اللہ بیگ کے متعلق لکھا ہے کہ

مرزا رحیم اللہ بیگ مسمی محمد درویش عظیم آبادی ترک خلائق روزگار نمودہ اکثر بلاد اسلام مثل روم و شام و حجاز و عراق و مغرب و ماوراء النہر و خراسان و ہندوستان کی سیر کی ہے۔

19۔ شیخ تاج الدین بہاری

عجیب المیہ ہے کہ ان شخصیتوں کے متعلق اہل بہار تاریکی میں مبتلا ہیں۔ یہ کیسے پختہ کار بزرگ تھے علمی صحبت کی تلاش اور دشت پیمائی میں عمر گزار دی گمان ہے کہ محفلوں اور مجالس میں علمائے وقت سے بحث و مباحثہ اور نظریوں پر بصیرت افروز مقالے اور تحقیقی کاموں کا جائزہ اور تبادلہ بھی پیش کیا جاتا ہو گا۔ ان کے کارناموں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ غیر ملکوں کی تاریخ میں جگہ پا کر حیات جاوداں حاصل کی۔[1]

20۔ ملا مبارک

ملا مبارک شہزادیوں کی تعلیم پر مامور تھے اور خصوصاً نجیب النساء بیگم نے انہیں کی زیر سرپرستی تعلیم حاصل کی۔ مغلیہ دور میں شہزادیوں کی تعلیم کے سلسلے میں بہت سے شاہی نظامات تھے ایک معلم کے علاوہ انتخاب اس استاد کا کیا جاتا جو ایک پرہیز گار عالم بھی ہو۔

---

[1]۔ انیس، انیس الرحمان، بہار کی بہار، ص 45

ملا فصیح الدین جعفری

ملا فصیح الدین جعفری ملا عوض وجیہہ دہلوی کے شاگرد تھے۔ یہ بہت بڑے عالم تھے عہد عالمگیری میں برابر دہلی میں رہے اور "فتاویٰ عالمگیری" کی جمع وترتیب میں شریک رہے۔ ملا فصیح الدین کے انتقال کے بعد ۱۱۲۰ھ میں ان کے صاحبزادگان کے نام اس سند کی تجدید ہوئی۔[1]

22۔ مخدوم شاہ بڑھ یا بڑن منیری

تاریخ میں ان کو کئی ناموں سے یاد کیا گیا۔ کسی نے شیخ بڑھ یا بڈھ اور کسی نے بڑن لکھا ہے۔ یہ بزرگ سلیم شاہ کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ شیر شاہ سوری کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ انہوں نے ملک العلماء دولت آبادی کی تصنیف ارشاد قاضی کی ایک شرح لکھی۔

۲۳۔ مولانا آیت اللہ عرف ملا دلیل

مولانا آیت اللہ صاحب سیف و قلم تھے۔ ان کے خاندان کو فرامین شاہی وقتاً فوقتاً شاہان دہلی سے ملے۔ مد معاش کے لئے محمد شاہ بادشاہ نے ۲ جمادی الاول ۱۱۳۶ھ میں سنگرام پور بگھا کول پرگنہ منیر، ضلع پٹنہ مقدار رقبہ ایک ہزار بگھہ عطا کیا۔

24۔ مولانا شیخ گوہر علی صدیقی

مولانا گوہر علی صدیقی کی ولادت ضلع پٹنہ میں ۱۲۱۳ھ میں ہوئی۔ آپ کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا علوم متنوعہ مثل تفاسیر واحادیث صرف و نحو فقہ، بلاغت، معانی، ادب تاریخ لغت منطق اور فلسفہ کی کتب خریدتے۔ آپ کی سخاوت بہت مشہور تھی۔ آپ تقریباً ۱۲۶۷ھ میں وفات پاگئے

24۔ مولانا سید محمد علی مونگیری

آپ ۳ شعبان ۲۶ جولائی ۱۸۴۶ء کو کانپور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایک انجمن "انجمن تہذیب" کے نام سے قائم کی جس کا مقصد علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلامی افکار کی اشاعت تھا۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں ظہر کی نماز کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔[2]

---

[1] انیس، محمد انیس الرحمان، بہار اور دکن کے آفتاب وماہتاب اور ایک علم چراغ بھی، ص46

[2] انیس، محمد انیس الرحمان، بہار اور دکن کے آفتاب وماہتاب اور ایک علم چراغ بھی، ص47

خاں بہادر جسٹس خدا بخش

خاں بہادر جسٹس کی پیدائش ۱۲ اگست ۱۸۴۲ء کو چھپرہ ضلع سارن میں پیدا ہوئے۔ آپ نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا آپ اسلامی ببلیو گرافی کے بڑے ماہر اور شاعر بھی تھے۔ آپ نے ۱۸۹۱ء میں ۱۴۰۰ اسلامی مخطوطات کے ساتھ "اورینٹیل پبلک لائبریری" قائم کی۔ آپ کی وفات ۱۳ اگست ۱۹۰۸ میں ہوئی اور اپنی عالمی شہرت یافتہ لائبریری کے احاطہ میں سپرد خاک کئے گئے۔

25۔ مولانا مسعود عالم ندوی

آپ ریاست بہار کے اگاواں نامی گاؤں میں ۱۹۱۰ء پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۲۸ء میں ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ مولانا صاحب ایک انقلابی فکر و خیال کے حامی تھے وہ اندھی تقلید کے حامی نہ تھے وہ خود بھی آزادی رائے سے کام لیتے۔ ان کی عمر ۴۴ سے زیادہ نہیں ہوئی اور خالق حقیقی سے جا ملے۔[1]

26۔ سید علی محمد شاد عظیم آبادی

سید علی کی پیدائش ۱۸۴۶ء میں ہوئی۔ آپ نے مختلف موضوعات پر کتب تحریر فرمائیں اور ابتدائی تعلیم مولوی فرحت حسین سے حاصل کی۔ آپ کو شروع ہی سے شاعری سے بہت لگاؤ تھا۔ آپ کا انتقال ۸ جنوری ۱۹۲۷ء میں ہوا۔

۲۷۔ مولانا سید عبد القدوس ہاشمی

مولانا صاحب صوبہ بہار میں پیدا ہوئے ۲۶ جون ۱۹۱۱ء میں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور بعد ازاں ندوۃ العلماء سے علوم فقہ حدیث و تفسیر اور ادب عربی میں سند فراغت حاصل کیا اور ۱۹۸۹ء میں کراچی میں وفات پا گئے[2]

28۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی

مولانا احسن ۹ ربیع الاول کو ۱۳۱۰ھ میں استھانواں میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۳۲۴ھ میں ٹونک میں جا کر درس نظامی کی ابتدائی کتابیں مولانا برکات احمد سے پڑھیں ۱۹۲۰ء میں عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے استاد مقرر ہوئے۔ آپ نے ۵ جون ۱۹۵۶ کی شب میں انتقال کر گئے۔

---

[1] حقانی، عبد الرقیب، ارض بہار اور مسلمان، ص 77

[2] ایضاً، ص 56

29۔ڈاکٹر سید عظیم الدین احمد

آپ کی پیدائش پٹنہ میں ۲۵ جون ۱۸۸۰ ء میں ہوئی۔ آپ نے جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی پانچ سال تک پنجاب یو نیورسٹی میں ملازمت کرتے رہے۔۱۸ مئی ۱۹۴۹ءمیں آپ کا انتقال ہو گیا۔

30۔سید کلیم الدین احمد

آپ کے والد کا نام عظیم الدین احمد تھا محنت و شوق کی وجہ سے کلیم الدین پٹنہ یونیورسٹی میں بی۔اے آنرز اور ایم۔اے انگریزی میں اول آئے ۔اردو کے بہت بڑے نقاد گزرے ہیں وہ صاحب علم اور علم دوست تھے۔

31۔پروفیسر ابو بکر احمد حلیم

آپ نے ۱۹۳۰ھ میں میٹرک کیا اور انٹر کا امتحان پٹنہ یونیورسٹی سے پاس کر کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان چلے گئے۔۱۹۳۱ء میں وطن واپس لوٹے اور درس و تدریس کا انتخاب کر کے اس شعبہ میں بہت ترقی حاصل کی اور ۱۹۵۸ء میں اپنے فرائض منصبی سے سبکدوش ہو گئے

32۔مولانا محی الدین تمنا عمادی

مولانا محی الدین ۱۴ شوال ۱۳۰۵ھ میں پھلواری شریف میں پیدا ہوئے ابتداء میں اپنے والد سے اول تا آخر کتب درسیہ تمام کیں علم و فضل کی بلندیوں کو سرعت سے طے کیا گر دو پیش کے علماء، صوفیاء اور شعراء کی صحبت اختیار کی وہ ایک مورخ اور عالم بھی تھے قرآن کریم کے متعلق ان کی دو کتابیں طبع ہو ئیں "جمع القرآن" "اعجاز القرآن"

33۔بیرسٹر سید عبد العزیز

۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے ۱۹۲۶ء میں بہار قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔۱۹۳۴ء میں بہار کے وزیر بنے انہوں نے ایک کمیٹی "یونائیٹڈ پارٹی" کے نام سے بنائی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں انہوں نے محمد علی جناح کو قائداعظم کے لقب سے مخاطب کیا۔

34۔بیرسٹر سید حسن امام

سید حسن کو ان کے والد نے بیرسٹری پڑھنے کے لئے باہر بھیجا ان کی ذہانت، فراست، عقل قانون فہمی اور قانون دانی کی ہندوستان میں دھوم مچ گئی آپ کلکتہ ہائی کورٹ کے جج بھی مقرر ہوئے اور جلیانوالہ باغ کے کیس کی پیروی بھی انہوں نے کی۔

35۔ مولاناشائق احمد عثمانی

مولاناشائق احمد عثمانی صوبہ بہار کے مشہور شہر بھاگلپور میں ۱۸۹۴ءپیدا ہوئے۔۱۹۰۹ء میں علم کی تشنگی انہیں دارلعلوم دیوبند لے آئی مولانا نے اپنا ایک اخبار "عصر جدید"کلکتہ سے نکالا تحریک خلافت کے سلسلے میں ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ءکو دوسرے سیاسی حریف کے ساتھ گرفتار ہوگئے انہوں نے کئی ناول بھی لکھے ہیں ان کے ناول کی روح فکر کی ہے اور ان میں بڑی تازگی ہے۔

36۔ سید محمد عثمان

سید محمد عثمان اگست ۱۹۰۵ء میں موضع اگانواں ضلع پٹنہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے ۱۹۳۲ء میں محمد عثمان کو کلکتہ مسلم لیگ کا سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ان کے اندر لوگوں کے لئے ہمدردی اور پیار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھاان کی موت سے پاکستان ایک بہادر سپاہی سے محروم ہوگیا

37۔ مولاناراغب احسن

مولاناراغب کا آبائی وطن موضع کانپور ضلع گیاصوبہ بہار تھا۔۱۹۳۵ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کی ابتداء ہوئی تو اس کی بھاگ دوڑ قدرت کاملہ نے مولانااحسن راغب کے ہاتھوں میں دے دی۔مولاناصاحب کا قائداعظم سے بہت حد تک لگاؤ تھااور اور علامہ اقبال سے بھی خط وکتابت کا سلسلہ بہت حد تک وسیع تھا۔مولانا نے ۱۹۳۶ میں مسلم لیگ کے احیاء کی ابتداء کی ۱۴ اگست کو آل انڈیا مسلم لیگ نے "یوم راست" منانے کا فیصلہ کیاتو یہ ترغیب بھی مولاناکی ہی تھی۔[1]

38۔ ابوالبرکات عبد الرؤف قادری

مولاناصاحب ۱۸۵۶ء میں شاہ ٹولی میں پیدا ہوئے۔انہوں نے "اصح السیر" لکھی جس کو مولانا شبلی نعمانی کی سیرت النبی سے زیادہ جامع اور بہتر قرار دیا گیاہے۔آپ برابر انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں شریک رہے ۱۹۴۸ء میں حکیم صاحب نے وفات پائی۔

39۔ سید عنائیت علی صادق پوری

آپ کی ولادت ۱۲۰۷ھ میں ہوئی۔آپ کی زندگی کے دو جزہیں تبلیغ اور مغاذی۔آپ نے اپنی والدہ کی اجازت سے افغانستان ہجرت کی وہاں خوانین سرکش وغدار کو مطیع وفرماں بردار کی اور ۱۸۵۸ء میں خالق حقیقی سے جاملے

[1]۔ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، امام، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مطبعہ مہیمنہ، مصر، ص6

40۔ مولانا ابو محمد ابراہیم آروی

آپ ۱۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے مولانا کی زندگی کا مقصد ترویج سنت استیصال بدعت اشاعت دین اور نشر علم و ادب تھا۔ آپ نے بہت بڑے پیمانے پر مدرسہ احمدیہ کے نام سے ایک جامعہ دینیہ کی بنیاد رکھی آپ نے عربی اور فارسی کی بہت سی کتب لکھی ہیں۔

41۔ مولانا شاہ حسین

آپ ۲۶ صفر ۱۲۸۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ شریعت کے سخت پابند تھے۔ آپ نے تمام عمر اتباع سنت و اتقاء اور بڑے استقلال کے ساتھ بسر کی۔ آپ نے ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ میں وفات پائی

42۔ مولانا شاہ محمد بدر الدین پھلواری

آپ ۲۷ جمادی الاخری ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے ۱۹۱۵ء میں شاہ محمد بدر الدین کو حکومت برطانیہ سے شمس العلماء کا خطاب ملا جسے آپ نے ۱۹۱۹ء میں واپس کر دیا۔ ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ کی بنیاد رکھی تو شاہ بدرالدین اس کے پہلے امیر شریعت منتخب ہوئے آنے ۱۲ صفر ۱۳۴۳ھ میں وفات پائی

43۔ مولانا تلطف حسین عظیم آبادی

مولانا صاحب ۱۲۶۴ھ کو ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے آپ کا شمار مشہور علماء میں ہوتا ہے۔ مولانا کتابوں کے بہت بڑے تاجر تھے دہلی میں سب سے بڑا تجارتی مکتبہ قائم کیا ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ میں وفات پائی۔

44۔ حکیم ابو محمد عبد اللہ چھپراوی

آپ ہندوستان کے کبار کے علماء سلفین میں سے تھے۔ مولانا عربی، فارسی اور اردو زبان کے ادیب اور شاعر تھے مولانا کو مسیحی جھوٹے دعوں کے رد اور ان کی اسلام و مسلم دشمن تحریروں اور کتابوں پر ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کا انتقال ا رمضان ۱۳۴۸ھ میں ہوا۔

45۔ مولانا عبد العزیز رحیم آبادی

آپ دربھنگہ کی ایک مشہور بستی رحیم آباد میں ۱۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایک ہی سال میں پورا قرآن مجید یاد کر کے اگلے سال تراویح میں سناڈالا مولانا ایک کامیاب استاد عمدہ اہل قلم اور بہترین مناظر بھی تھے۔ آپ اپریل ۱۹۱۸ء جمادی لآخر کو وفات پا گئے [1]

---

[1] رضا، مصطفیٰ، الملفوظ، رضا اکیڈمی، ممبئ، 2004

46۔ مولانا رفیع الدین شکرانوی

مولانا صاحب بلند پایہ کبار علماء سلفین میں سے تھے وہ قصبہ شہرانواں میں سے تھے اور بہت بڑے رئیس تھے آپ نے علمی استفادہ مولانا سید عبداللہ غزنوی سے کیا اس کے علاوہ سید نذیر حسین محدث دہلوی سے کیا۔ آپ کے کتب خانے کا شمار دوسرے بڑے کتب خانوں میں ہوتا ہے آپ تفسیر قرآن میں بڑے ماہر تھے آپ کا انتقال ۱۳۳۸ھ میں ہوا۔

47۔ مولانا عبداللہ غازی صادق پوری

آپ کی پیدائش ۱۲۴۶ھ میں حیدر آباد میں ہوئی۔ آپ درس قرآن میں قاری ہوئے اور نو آموز لوگوں کو تعلیم فرماتے ۱۲۷۴ھ کے عرصہ میں ہجرت کے ارادے سے آپ مکہ معظمہ میں عازم ہوئے اور ۲۷ شعبان ۱۳۳۰ھ کو رحلت فرمائی۔[1]

48۔ شیخ غلام علی راسخ عظیم آبادی

آپ ۱۱۱۲ ھ میں پیدا ہوئے اپنے وطن مین تعلیم حاصل کی ۔استادالشعراء میر تقی میر نے بھی راسخ کی عظمت کو تسلیم کیا ہے اور ان کی شعری اصلاحیتوں اور فنی نکتہ سنجیوں پر مہر صادق ثبت کی ہے۔

49۔ مولانا قاری سید شاہ محمد سلیمان پھلواروی

آپ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ کو پیدا ہوئے، حاجی امداداللہ چشتی مہاجر مکی اور مولانا شاہ مضل الرحمن گنج مراد آبادی آپ کے مرشدین میں سے تھے ندوۃ العلماء کی ابتداء سے لے کر اپنے آخری دور حیات تک مولانا سید شاہ سلیمان نے خدمت کی۔ آپ نے ۵۰ سال کی عمر پائی اور ۱۳۵۴ھ میں وفات پائی۔

50۔ مولانا فضل حق آزاد عظیم آبادی

مولانا صاحب حافظ قرآن تھے۔ نہایت ذہین اور طباع واقع ہوئے۔ آپ کو فارسی اور اردو میں خاص ملکہ حاصل تھا پر گو اور قادرالکلام تھے۔ فضل حق آزاد کی ایک بڑی تاریخی نظم "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آپ شعبان ۱۳۶۲ھ میں فوت ہوگئے۔

51۔ مولانا محمد حسن ذبیح صادق پوری

آپ کی پیدائش ۱۲۶۴ھ میں ہوئی آپ نہایت ذکی تھے۔ مسائل فقہی اور اصول وحدیث نہایت عمدگی سے جانتے تھے آپ نے یکم مارچ ۱۸۸۷ء میں ایک سکول محمڈن اینگلو عربیک کے نام سے انگریزی، عربی اور دینیات کی تعلیم کے لیئے قائم کیا ۱۸۸۸ء میں آپ کو شمس العلماء کا خطاب دیا گیا[1]۔

---

[1]۔ قادری، عطاء الرحمن، حیات مخدوم الاولیاء محبوب ربانی، امین شریف ٹرسٹ، مظفرپور، بہار، 2001، ص44

52۔ مولاناشاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی

مولانا کی تاریخ ولادت ۳۰ ذی الحج ۱۲۹۶ھ ہے۔ آپ کو ۱۱ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ میں دستار فضیلت باندھی گئی۔ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ میں آپ کو سجادہ مجیبیہ کے سجادہ نشین ہوئے ۱۳ شعبان کو حج و زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ ۲۹ جمادی الا اول ۱۳۲۲ھ کو رحلت فرمائی۔

53۔ مولانا احمد اللہ صادق پوری

مولانا صاحب ۱۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے آپ جامع معقول و منقول تھے۔ مولانا کو ۱۸۲۷ میں اعانت باغیان کے جھوٹے مقدمے میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور قید کے دوران ہی جنت الفردوس کے راہی ہوئے چنانچہ ۲۸ ذی الحج ۱۲۹۸ھ کو آپ نے اس دنیا سے رہائی پائی۔

54۔ مولانا یحیٰ علی صادق پوری

مولانا ۱۲۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو مقدمہ ابنالہ کے کیس میں گرفتار کر لیا گیا ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء میں کو آپ کو جزیرہ انڈمان میں پہنچے اور ۲۰ فروری ۱۸۶۸ کو خلد بریں ہوئے۔

55۔ مولانا محمد یوسف رنجور صادق پوری

مولانا یوسف ۲۶ ذی قعد ۱۲۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۰۱ھ میں مولانا محمڈن سکول کے ہیڈ مولوی مقرر ہوئے ۱۸۰۹ء میں کلکتہ کے چیف مولوی بورڈ آف اگزامنرس کے عہدے پر فائز ہوئے جون ۱۹۱۰ء میں خاں بہادر کا لقب ملا۔ مولانا نے اس دار فانی سے ۲۲ شوال ۱۳۲۱ھ کو انتقال کیا۔[2]

56۔ مولانا ابو عبدالرحمن شرف الحق محمد اشرف ڈیانوی

مولانا صاحب ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا بہت عمدہ اخلاق کے مالک تھے اور صاف اوصاف کے مالک تھے۔ آپ شمس الحق کے تحقیقی و علمی کاموں میں بہت معاون و مدد ثابت ہوئے اس لئے انہوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "عون المعبود" کے جلد اول و دوم کا انتساب آپ کی جانب سے ہی کروایا آپ نے ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ میں وفات پائی[3]۔

---

[1]۔ رئیس احمد جعفری، قائد اعظم اور ان کا عہد، شاہ اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور، س،ن، ص59

[2] اعظمی، امجد علی، علامہ، م ۱۳۷۶ھ، بہار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، س۔ن، ص51

[3]۔ جلال الدین قادری، محمد، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۴۷ تا ۱۹۴۷ پرنٹکس دربار مارکیٹ، لاہور، 1987ء، ص21

57۔ مولانا اشرف علی صادق پوری

آپ کا اصل نام عبد القدیر تھا بعد میں ان کا یہ ہی نام مشہور ہو گیا۔ آپ ہندوستان کے مختلف اساتذہ سے علمی رجوع کرتے رہے۔ وہ مفتی صدر الدین کی خدمت میں دہلی پہنچے اور ان سے سبق پڑھنے لگے اس کے بعد مہابت کالج کے کچھ دن پرنسپل بھی رہے۔

58۔ مولانا امجد علی صادق پوری

مولانا کی ولادت ۱۲۶۳ھ میں ہوئی آپ نے ابتدائی کتب مولانا اشرف علی سے پڑھیں۔ لکھنوء میں اودھ اخبار کے دفتر میں کچھ دیر مترجم بھی رہے آپ کو گورنمنٹ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔ آپ نے ۲ شوال ۱۳۴۱ء میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔

59۔ مولانا عبد الحمید صادق پوری

آپ کی پیدائش ۸ شوال ۱۲۴۵ کو ہوئی، طلب علمی سے ہی آپ نے طب پڑھایا ۱۸۵۷ء کی شورش زمانہ میں آپ لکھنو میں تھے آپ کا تخلص پریشان تھا مولانا کا انتقال جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ میں ہوا۔

60۔ مولانا حسن مثنیٰ ندوی

مولانا حسن کی پیدائش صوبہ بہار میں ہوئی۔ آپ نے ندوۃ العلماء سے سند فراغت حاصل کی۔ پاکستان کے سینکڑوں علمی رسائل میں ادب اور سیرت کے موضوع پر آپ کے متعدد مضامین ہیں آپ کا انتقال ا مارچ ۱۹۹۸ء میں ہوا

61۔ مخدوم شیخ مظفر شمس بلخی

آپ ایک بڑے عالم تھے احکام شرعیہ کو ضروری جانتے تھے آپ نے اپنی زندگی کا ذیادہ حصہ سفر میں گزارا۔ مولانا کی تصانیف میں ۱۲۲ مکاتیب کا مجموعہ رسالہ ہدایت درویشی شرح، عقائد نسفی شرح مشارق ایک دیوان مطبوعہ ہے۔ آپ کا انتقال ۳ رمضان ۷۸۸ء میں ہوا۔

62۔ شاہ فرزند علی منیری

آپ ۴ جنوری ۱۲۵۳ھ میں منیر کے علاقہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو خط و کتابت کا بہت شوق تھا۔ آپ کی اردو اور فارسی میں کتابیں موجود ہیں۔ آپ غزل گو اور بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ کا انتقال ۲ ذی قعد ۱۳۱۸ میں ہوا۔

63۔ مولاناسید حکیم برکات احمد بہاری

آپ ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے قاضی محمد ایوب پھلتی سے حدیث پڑھی۔ فن طب کی تحصیل حکیم غلام نجف خاں سے کیا اور یہی ان کا تمام عمر وسیلہ معاش رہا۔ آپ کی ۲۷ تصانیف ہیں۔ آپ کا ۱ ربیع الاول ۱۹۲۸ء میں انتقال ہو گیا۔

64۔ مولانا حکیم عبد الخبیر صادق پوری

آپ ۱۳ شعبان ۱۳۰۰ ھ میں پیدا ہوئے آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی۔ آپ جماعت اہلحدیث کے امیر تھے۔ آپ ندوۃ العلماء کی رکنیت کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ نے ۷ شوال ۱۳۹۳ھ میں وفات پائی۔

65۔ شاہ محمد اکبر داناپوری

آپ ۱۸ شعبان ۱۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو فن شاعری میں کمال حاصل تھا۔ آپ کا تخلص اکبر تھا۔ اردو شاعری آپ کی مستند اور متبوع خلائق تھی آپ کا انتقال ۱۵ رجب ۱۳۲۷ھ میں ہوا۔

66۔ مولاناشاہ محمد سعید حسرت عظیم آبادی

آپ کی پیدائش ۲۷ ذی قعد ۱۳۳۱ ھ میں شہر عظیم آباد میں ہوئی آپ کا سلسلہ نسب والد کی جانب سے جعفر طیار تک اور والدہ کی طرف سے عبداللہ ابن عباس تک پہنچتا ہے۔ آپ نے ۲۱ شعبان ۱۳۰۴ھ کو ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

٦٧۔ شاہ محمد حسین عظیم آبادی

آپ 1203 ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ بہت بڑے عابد وزاہد تھے۔ آپ کا وعظ سلیس اور عام فہم ہوتا کہ ہ ادمی اس سے مستفید ہوتا۔ آپ کا شعر اردو وفارسی نہایت فصیح اور ملیح ہوتا۔ آپ نے 1276ھ میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔

68۔ مولانا حافظ نذر الرحمٰن حفیظ عظیم آبادی

مولانا کی پیدائش ۱۲۷۹ھ میں ہوئی آپ ۲۱ برس میں حافظ قرآن ہوئے آپ عربی اردو فارسی تینوں زبانوں میں بہترین اشعار کہتے۔ آپ کا تخلص "حفیظ" ہے آپ نے ۲۵ صفر ۱۳۴۳ھ میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔

69۔ مولانا عبید الرحمان عاقل رحمانی

آپ ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوے۔ آپ اپنے دور کے مانے ہوئے عالم، مفسر، محدث اور فلسفی تھے۔ آپ بہت سی عربی اور فارسی کی کتابوں کے مترجم ہیں آپ سے لیکر ۱۹۶۶،۷ ۱۹۴ تک الہدیٰ کی مجلس ادارت میں رہے ہیں۔ آپ ۵ جولائی ۱۹۸۲ء میں وفات پا گئے۔

70۔ ڈاکٹر حافظ سید عبد الحفیظ سلفی

ڈاکٹر صاحب ۱۹۱۵ء میں در بھنگہ میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کو آپ کی ذات سے بہت تقویت حاصل تھی۔ آپ مدرسہ احمدیہ سلفیہ در بھنگہ کے روح رواں اور سلفیہ سکول کے مہتمم و منتظم تھے۔ آپ کا انتقال ۸ جون ۱۹۹۹ء کو ہوا۔

17۔ مولانا ابو الفضل عبد الحنان علوی

آپ ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا صاحب ایک بلند پایہ ادیب تھے۔ انہوں نے بے شمار گرانقدر مقالے مختلف موضوعات پر تحریر کئے وہ کئی کتا بوں کے مصنف ہیں۔ مولانا صاحب فلسفہ اور تاریخ پر بڑی دسترس رکھتے تھے۔ آپ بڑے پایہ کے مقرر تھے۔ ۳ جولائی ۱۹۸۷ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

72۔ شاہ محمد مجیب اللہ پھلواروی

آپ کی پیدائش ۱۰۹۵ھ کو ہوئی ۲۴ برسوں کی عمر میں پوری طرح علوم ظاہریہ سے فارغ ہو کر مقامات سلوک طے کر کے اور حضرت مولانا بنارسی سے خرقہ خلافت و طریقت حاصل کر کے واپس تشریف لے آئے آپ کی وفات ۲۰ جمادی الثانی ۱۱۹۱ھ میں ہوئی۔

73۔ خواجہ عماد الدین قلندر پھلواروی

آپ کی ولادت ۱۰۶۵ھ میں ہوئی۔ آپ دہلی سے فراغت کے بعد خواجہ صاحب لاہور کے ایک مدرسے تشریف لے گئے۔ آپ کا تخلص عماد تھا۔ آپ نے جمادی الاول ۱۱۲۴ھ میں دنیائے فانی سے کوچ کیا۔

74۔ شاہ محمد نور الحق تپاں پھلواروی

آپ جمادی الثانی ۱۱۵۲ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو فن شاعری سے ایک فطری لگائو تھا۔ وہ باکمال بزرگوں میں سے تھے ان کا شمار بڑے شعراء اور ادیبوں میں ہوتا ہے آپ نے ۴ شعبان ۱۲۳۳ھ کو وفات پائی۔

75۔ مولانا حافظ شاہ محمد ظہور الحق پھلواروی

آپ ۲۷ محرم ۱۱۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو علم مناظرہ کا بھی شوق تھا۔ آپ کو چونکہ اتباع شریعت و سنت کا خاص خیال تھا اس وجہ سے آپ نے اپنے عہد سجادہ نشینی میں خانقاہ عمادیہ سے سماع کا دستور تھا۔ آپ نے ۱۲۳۴ھ میں وفات پائی۔

76۔ مولانا سید عبد الرحیم صادق پوری

آپ ۱۴ شعبان کو پیدا ہوئے۔ آپ معروف بہ "تذکرہ صادقہ" کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں آپ کو باتفاق رائے امیر منتخب کیا گیا۔ آپ کی قیادت بنگال سے لیکر سرحد پر تک لوگوں نے تسلیم کی آپ نے ۱۳۴۱ھ میں وفات پائی۔

77۔ مولانا محمد ظفر الدین بہاری عظیم آبادی

آپ ۱۴ محرم ۱۳۰۳ھ کو پیدا ہوئے انہیں مدرس حدیث مقرر کیا گیا وہاں وہ فقہ اور تفسیر کا بھی درس دینے لگے پٹنہ میں وہ مدرس اول کے عہدہ پر فائز تھے۔ ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو وفات پا گئے

78۔ شاہ محمد رشید الحق عمادی پھلواروی

آپ نے ۲۶ جمادی الثانی کو اس دنیا میں آنکھ کھولی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں آپ کبھی کسی بات کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ اہل بدعت سے آپ کو طبعاً نفرت تھی۔ آپ نے ۲۲ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ کو وفات پائی۔

79۔ مولوی نور محمد انجم مانپوری

آپ کی پیدائش صوبہ بہار میں ۱۳۰۱ھ میں ہوئی۔ آپ رسالہ ندیم گیا کے بانی تھے اور کئی سالوں تک اس کے ایڈیٹر بھی رہے۔ وہ نظم و نثر میں خوب مہارت رکھتے تھے آپ اردو کے بہت بڑے قادرالکلام شاعر بھی تھے۔ آپ نے ۲۷ اگست ۱۹۵۸ء میں وفات پائی۔

80۔ مولانا شاہ محمد علی حبیب پھلواروی

مولانا صاحب ۱۲۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ فن حدیث اپنے چچا زاد بھائی سے حاصل کی۔ فن شاعری میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے۔ آپ کا تخلص "نصر" ہے۔ شعر و سخن میں اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ مولانا شاہ صاحب نے ۲۷ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ کو وفات پائی۔

۸۱۔ڈاکٹر اقبال احمد

آپ کی پیدائش ۱۹۳۳ھ میں ہوئی۔اپ ایک کثیر التعداد مصنف اور فعال رکن تھے دنیا بھر کے صحافی سر گرم لیڈر اور پالیسی ساز لوگ ان سے قریبی تعلق رکھتے تھے وہ "ریس اینڈ کلاس" کے ایڈیٹر تھے آپ ۱۱ مئی ۱۹۹۹ء کو جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

82۔ مولاناشاہ محمد نذیر الحق فائز عمادی

آپ کی پیدائش ۲ صفر ۱۲۵۹ھ میں ہوئی۔شاعری میں ابتداء میں اپنے نانا کو کلام دکھاتے تھے۔آپ کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ اکثر کتابوں کے کئی صفحے زبانی یاد ہوتے تھے صرف و نحو میں علماء آپ کالوہامانتے تھے۔آپ کی وفات ۱۳ محرم ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔

83۔ مولانا ظہیر احسن شوق نیموی

آپ کی پیدائش ۱۲۷۸ھ میں ہوئی آپ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنوء گئے اور مولاناعبد الباری فرنگی محلی سے تعلیم حاصل کی قدرت نے آپ کو فطری طور پر شعری وادبی ذوق عطا کیا تھا۔ آپ نے ۱۷ رمضان ۱۳۲۲ھ میں وفات پائی۔

84۔ قاضی عبد الودود

آپ کی ولادت پٹنہ میں ۱۸۷۸ء میں ہوئی۔ قاضی صاحب نے اردو ادب کا مطالعہ ۱۹۱۲ء میں شروع کیا ان کا پہلا مضمون "الناظر" میں شائع ہوا۔ ان کے بلند پایہ علمی ادب اور تحقیقی رسالوں نے لوگوں کو چونکا کر رکھ دیا اور ایک نیا اسلوب مہیا کیا۔ آپ نے خلافت و کانگریس میں بھی کام کیا۔

85۔ مولاناابو المحاسن محمد سجاد عظیم آبادی

مولانا جس دور میں پیدا ہوئے تو اس دور میں مسلکی اختلافات اپنے عروج پر تھے۔ آپ حنفی ہونے کے باوجود تنگ نظر نہ تھے۔ آپ نوجوانوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ نے ۱۸ نومبر ۱۹۴۰ء میں وفات پائی سید سلیمان ندوی کے بقول، وہ کیا مرے کہ پورا بہار مر گیا۔

86۔ مولاناعبد المالک آروی

آپ کی پیدائش ۱۵ جنوری ۱۹۰۳ء کو ہوئی۔ وہ بہت اچھے انشاء پرداز تھے اردو عربی اور انگریزی ادب پر یکساں عبور رکھتے تھے آپ نے "طاق بستاں" نام کا ایک خاص علمی ادارہ اور مکتبہ ملکی محلہ کے ایک گوشہ قائم کیا آپ کی وفات ۱۹ جنوری ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔

87۔ مولانا حسین نگر نہسوی عظیم آبادی

مولانا کی ولادت ۱۲٦۱ھ میں ہوئی آپ کے والد ماجد مولوی تصدق حسین المختص بخلاق نے ان کی ولادت میں ایک بیت لکھا ہے۔ مولانا صاحب کے ذریعے ہزاروں لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے علم سے فیض پہنچایا۔ فن طب میں بھی آپ بے مثال تھے۔ آپ نے ۲۰ محرم ۱۳۰٦ھ کو وفات پائی۔

88۔ مولانا امین اللہ نگر نہسوی عظیم آبادی

مولانا امین اللہ کا تعلق انصار عرب سے تھا اور وہ نسبًا انصاری تھے۔ آپ ایک بلند پایہ فقیہ، رفیع المرتبت عالم اور کثیر الدرس تھے۔ آپ کی تصانیف میں قصیدہ عظمیٰ بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں سلم الافلاک، فیضان العلم علی القلب سلیم، اور اس طرح کی دوسری تصانیف بہت مشہو ہوئیں۔ آپ نے ۲۷ ربیع الاول ۱۲۳۳ھ کو کلکتہ میں وفات پائی۔

89۔ مولانا مفتی انور علی یاس آوری

آپ ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے آپ بہت ذہین وفطین واقع ہوئے۔ تحصیل علم کے زمانہ میں شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا آپ اپنے زمانے کے جید عالم وسیع النظر عالم اور باکمال شاعر تھے۔ آپ فارسی کے بھی بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ نے فارسی کا ایک مجموعہ تیار کی اجس کا نام "دیوان انور علی یاس" رکھا آپ نے ۱۲۴۲ھ میں وفات پائی۔

90۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری

مولانا صاحب ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے صدر تھے۔ مولانا کا علم و عرفان مرجع خاس و عام تھا۔ آپ کے شا گردوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستان و پاکستان میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں النو، البلاغ، المبین، الحج الانہار وغیرہ قابل رشک رہی ہیں آپ نے ۱۹۳۹ء میں علی گڑھ میں انتقال کیا۔[1]

91۔ سید صباح الدین عبد الرحمان

آپ کی پیدائش ضلع پٹنہ میں ۱۹۱۱ء میں ہوئی۔ آپ دار المصنفین سے منسلک ہوئے دسمبر ۱۹۷۴ء ناظم اور اور رسالہ مدیر مقرر ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں بزم صوفیاء، بزم تیموریہ، بزم مملوکیہ۔ اسلام میں مذہبی رواداری، بزم رفتگاں، امیر خسرو، مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور اس کے علاوہ بھی تصنیفات نہایت اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ سید صباح الدین کا انتقال ایک ٹریفک حادثہ میں ۱۸ نومبر ۱۹۸۷ء کو لکھنوء میں ہوا۔

---

[1] شمسی، ابو الکلام قاسمی، تذکرہ علمائے بہار، جامعیہ اسلامیہ قاسمیہ بالاساتھ، مڑھی، س۔ن، ج،، اول، ص112

92۔ مولانا حکیم ارادت حسین صادق پوری

آپ کی پیدائش ۱۲۳۸ء میں ہوئی۔ آپ مولانا ولائت علی کے خلفاء، عظام تھے۔ علم ریاضی میں آپ کو خوب دخل تھا۔ امور تمدن اور سیاست میں بھی آپ کا فہم بلیغ تھا۔ آپ کا انتقال مکہ معظمہ میں ۵۳ سال کی عمر میں ہوا۔

93۔ مولانا عبد الغفار نشر مہدانوی

مولانا صاحب ایک جلیل القدر محدث تھے۔ آپ کا وطن میداں واں تھا۔ مولانا ابراہیم کی فرمائش پر آپ نے امام بخاری کی معتبر اور معروف کتاب ادب المفرد کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام "سلیقہ" رکھا۔

94۔ مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

آپ کی پیدائش ۱۳۲۰ھ میں ہوئی۔ آپ کو دینیات اور ادب میں اچھی مہارت حاصل تھی۔ اردو اور عربی تقریر و تحریر میں اپنے ہم چشموں میں ممتاز رہے تقسیم ہند کے بعد مغربی پاکستان چلے گئے اور لاہور میں اقامت گزیں ہوئے۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ نے بیعت و خلافت و اجازت اپنے والد مولانا شاہ سلیمان قادری سے حاصل کی۔ آپ نے ۱۹۸۹ء میں وفات پائی۔

95۔ مولانا امان اللہ

مولانا ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے اسلاف کے روایتی اصولوں پر ہمیشہ گامزن رہے۔ مولانا صاحب نے طویل عمر پائی اور سلاطین تیموریہ کے چار حکمرانوں کا دور دیکھا وہ بادشاہ اکبر کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بعد ازاں گوشہ نشینی اختیار کی۔ آپ نے آخری تین حکمرانوں کو پڑھای اور ان کے استاد رہے اورنگزیب کا بیٹا شہزادہ معظم ان کا شاگرد رشید تھا اور آپ کی بہت عزت کرتا تھا۔ آپ نے جہانگیر اور شاہجہان کا دور اپنی جوانی میں دیکھا اور عالمگیر کے عہد میں وفات پائی۔

96۔ مولانا حکیم حافظ ابو عامر عبد القیوم ڈیانوی عظیم آبادی

آپ کی پیدائش ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ آپ نے درسیات سے فراغت کے بعد لکھنؤ جا کر فن طب حاصل کیا۔ آپ نے پٹنہ کے نصاب میں طب کی کتب رکھوائیں اور خود استاد طب کی حیثیت سے تعلیم دیا کرتے تھے آپ قدیم وضع کے متشرع بزرگ اور عالم دین تھے اپ نے ۴ دسمبر ۱۹۵۷ء کو داعی اجل کو لبیک کہا

97۔ مولانا حکیم عبد الباری نگر نہسوی عظیم آبادی

آپ کی پیدائش قصبہ نگر نہسہ ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ کتب درسیہ علامہ عبد الحئ حنفی لکھنو سے طب حکیم عبد العلی سے اور حدیث مولانا نذیر حسین دہلوی سے پڑھی۔ آپ ایک بلند پایہ طبیب وعالی قدر فلسفی اور جید عالم دین تھے۔ وہ علوم عقلیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۳۱۸ء میں انتقال کیا۔

98۔ میر امن دہلوی

آپ کو سلیس اردو نویسی میں انہیں بلند مقام حاصل تھا۔ انہوں نے اپنی مشہور و معروف کتاب قصہ چہار درویش لکھی جس کا تاریخی نام "باغ و بہار" ہے یہ قصہ فارسی میں تھا اس کو امیر خسرو دہلوی نے تصنیف کیا۔ آپ کی مشہور تصنیفات میں قصہ چہار درویش، لکھی جس کا تاریخی نام باغ و بہار ہے۔ یہ کتاب فارسی میں تھی۔ اس کے علاوہ آپ کی تصنیف گنجینہ خوبی بھی بہت مشہور ہوئی۔ آپ نے کلکتہ میں وفات پائی۔

99۔ مولانا محمد ابراہیم نگر نہسوی عظیم آبادی

مولانا ابراہیم بہت قابل علماء میں سے تھے۔ آپ نے کتب حدیث مولانا اسحاق سے پڑھیں۔ آپ کے تلامذہ میں علامہ شمس الحق ڈیانوی اور مولانا نجابت احمد نگر نہسوی وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کی قابل ذکر تصنیفات میں مجی شعرح دیوان، دیوان متنبی، ضابطتہ الادباء اور حاشیہ علی شرح الشمسیہ للقطب ہیں۔

آپ کی وفات ۹ رمضان مبارک ۱۲۸۲ء کو ہو

100۔ میجر آفتاب حسن

میجر آفتاب صوبہ بہار کے ضلع گیا میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی اور بعد میں جامعہ عثمانیہ سے ایم۔ ایس سی کی ڈگری حاصل کی پاکستان میں ملٹری اکیڈمی کاکول میں شعبہ کیمیا کے پروفیسر کی حیثیت سے ملازمت ملی وہاں سے فراغت کے بعد اردو سائنس کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے اس کے بعد جامعیہ کراچی کے شعبہ تصنیف و تالیف کے ناظم بنے اس ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد جامعہ کراچی میں قائم انجمن کیمیا کی صدارت جاری رکھی۔ میجر آفتاب فروغ اردو بھی بہت سر گرم رکن رہے ہیں اور ملک بھر کے اردو کے اساتذہ کو ایک مقام پر اکٹھا کیا آپ نے ادارہ مقتدرہ قومی زبان کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیئے آپ نے سائنسی موضوعات پر چند کتابیں بھی شائع کیں ان کا شمار اعلیٰ منتظمین، اچھے مقرر اور معروف و مقبول علمی شخصیت میں ہوتا ہے آپ کا انتقال کراچی میں ۱۹۸۲ء میں ہوا

تبصرہ

سرزمین بہار کا اصل نام ویہارہ ہے جس کے لفظی معنی علم کے مرکز کے ہیں اور آج بگڑی ہوئی شکل میں اس کو بہار کہتے ہیں۔ صوبہ بہار دو ہزار سال تک گہوارہ علم و فضل رہا ہے دوسرے برعظموں کے لوگ بھی یہاں سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ اس صوبہ نے ہزاروں عظیم اہل علم و اہل فکر اور اہل قلم لوگوں کو جنم دیا ہے سرزمین بہار کے مسلمان مشاہیر، علماء و فضلاء زعماء محدثین مجاہدین مبلغین ماہر قانون دان حکمران سیاسی کارکن اور دانشوروں کی فہرست بہت ہی طویل ہے چنانچہ ان کے اوصاف حمیدہ اور علمی کارناموں کو احاطہ میں لانا مشکل امر ہے اور اس کے لئے شاید ایک پورا مقالہ بھی کم پڑ سکتا ہے مگر یہاں پر چیدہ چیدہ بزرگان دین کی خدمت کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ اہل بہار نام و نمود سے ہمیشہ گریز کرتے رہے ان کو پبلسٹی اور ظاہر داری بالکل بھی پسند نہ تھی یہ ان کے نفس کی پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاق کا اثر تھا۔ صوبہ بہار کو ترقی دلانے میں صوفیا کرام کا جو کردار ہے اسے بھلایا نہیں جا سکتا۔

فصل سوم

سید سلیمان اشرف بہاری کا مختصر تعارف

اشرف العلماء حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بہاری ایک ممتاز سادات خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد کا نام گرامی حکیم سید محمد عبید اللہ اصدقی تھا۔ جو ایک درویش صفت بزرگ تھے۔ ریاضت و مجاہدہ اور زہد و قناعت کے پیکر تھے۔ اپنی ساری عمر فقر و درویشی میں گزار دی۔

پیدائش

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری محلہ میر داد بہار شریف ضلع نالندہ میں ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت

بچپن میں ہی آپ کے سر سے والد کا سایہ اٹھ گیا۔ اس لئے آپ مکمل طور پہ والدہ ماجدہ کے زیر تربیت رہے۔ آپ کی والدہ نے آپ کی پرورش و پرداخت کے ساتھ ساتھ بہترین تربیت فرمائی اور اعلیٰ تعلیم کی رغبت دلائی [1]

1. حضرت مولانا محمد قاری نور محمد چشتی فخری اصدقی
2. مولانا محمد احسن استھانوی
3. حضرت علامہ مولانا وصی احمد نقشبندی محدث سوزئی
4. علامہ یار محمد چشتی بندیالوی

معاصرین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ڈاکٹر سید ظفر الحسن، سابق وائس چانسلر علی گڑھ

۲۔ سر محمد علی محمود خاں راجہ محمود آباد

۳۔ نواب مزمل اللہ خاں

۴۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں

---

[1]۔ قادری، محمد علی اعظم خاں، حیات و کارنامے سید سلیمان اشرف بہاری، رضوی کتاب گھر، دہلی، ۲۰۰۵، ط، اول، ص، ۲۶

۵۔ جسٹس سر شاہ سلیمان سر راس محمود

۶۔ڈاکٹر سر ضیاءالدین احمد زبیری

۷۔نواب محمد اسماعیل خاں[1]

مشہور تلامذہ

1. پروفیسر محمود احمد
2. ڈاکٹر ذاکر حسین
3. سید امیر االدین احمد قدوائی
4. پروفیسر رشید احمد صدیقی
5. ڈاکٹر سید عابد احمد
6. ڈاکٹر برہان احمد فاروقی
7. مولانا ابرار حسین گوپاموی

سیاسی حریف

1. مولانا ابو الکلام آزاد
2. مولانا عبد الماجد دریا آبادی
3. مولانا محمد علی جوہر
4. مولانا شوکت علی
5. عبد الباری فرنگی محلی
6. مفتی محمود الحسن دیوبندی

[1]۔غلام رسول سعیدی، مولانا، حیات استاذ العلماء مولانا یار محمد بندیالوی، دار الاسلام، لاہور، س۔ن، ص18

تعلیمی سفر

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے مادر وطن بہار شریف میں مولوی رمضان علی سے حاصل کی۔اس کے بعد بہار سکول میں داخلہ لیا۔یہاں آپ دسویں جماعت میں تھے کہ دل اچانک اچاٹ ہو گیا اور عربی تعلیم کی طرف طبیعت مائل ہو گئی۔ آپ نے حضرت مولانا نور محمد اصدقی سے باضابطہ عربی اور فارسی میں درس لینا شروع کر دیا۔ دوران تعلیم ہی آپ نے اپنے مشفق استاد سے شرف بیعت بھی حاصل کر لیا۔اس طرح آپ چشتیہ نظامیہ سے وابستہ ہو گئے اور علوم ظاہری و باطنی کے حصول میں بہ یک وقت مشغول ہو کر اپنے پیر و مرشد سے علم سینہ و سفینہ حاصل کیا۔جب پیر و مرشد کا وصال ہوا تو آپ بہت زیادہ مغموم ہوئے لیکن حصول تعلیم کا سلسلہ منقطع نہیں کیا اور مولانا ابوالحسن استھانوی کی خدمت میں رجوع فرما کر حصول تعلیم میں منہمک رہے۔ پھر بھی آپ کو سیر ابی نہیں ہوئی تو کانپور کا سفر کیا اور باضابطہ طور پہ احمد حسین کانپوری کے مدرسے میں درس دینے لگے۔وہاں پہ مختلف کتابوں میں درس لینے کے بعد آپ نے ندوۃ العلماء میں داخلہ لے لیا۔ لیکن وہاں کے ماحول میں آپ کی طبیعت نہیں لگی۔لہذا تھوڑے ہی دنوں میں آپ مدرسہ حنفیہ جونپور تشریف لے گئے۔وہاں بحر العلوم مولانا ہدایت اللہ خاں فاضل رام پوری کی مکمل شاگردی اختیار کر لی اور تفسیر، حدیث، فقہ منطق و فلسفہ کی سند سے سرفراز ہوئے بعد فراغت استاذ محترم کے پاس جون پور میں مقیم رہے اور جب ان کا وصال ہو گیا تو آپ نے جون پور کو چھوڑ دیا۔[1]

اساتذہ سے محبت

آپ کو اپنے تمام اساتذہ سے حد درجہ کی محبت اور عقیدت تھی۔اس لئے جب آپ اپنے کسی استاد کا ذکر فرماتے تو آپ پر کیف کا عالم طاری ہو جاتا آپ اپنے استاد کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کی بھی بہت عزت کرتے۔ جب آپ کے استاد گرامی حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری کا وصال ہوا تو آپ غم و آلام کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گئے۔ دل بالکل ہی ٹوٹ کر رہ گیا۔ ہر وقت بجھے بجھے سے رہنے لگے ان کے شہر میں رہ کر دل سے صدمہ نکالنا ممکن نہ ہوا تو بہار چلے آئے۔ آپ کی اساتذہ سے محبت کو سید سلیمان ندوی نے اس طرح بیان کیا ہے۔مولانا سید سلیمان اشرف بہاری صاحب کو اپنے اساتذہ سے اس قدر عقیدت تھی بلکہ عشق تھا کہ ان کے حالات جب سناتے تو ان کے طرز بیان اور گفتار کی ہر ادا سے ان کی والہانہ عقیدت تراوش کرتی۔

[1] طارق محمود اعوان،ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اور علم کلام کی تشکیل۔ فکر جدید، لاہور، س۔ن، ص29

امام اہل سنت سے عقیدت

آپ کو اساتذہ کے علاوہ جس دوسری عظیم شخصیت سے بے حد عقیدت تھی وہ ہے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی ذات گرامی آپ کو امام موصوف سے بے حد محبت تھی اعلیٰ حضرت سے جو آپ کو عشق تھا اور مسلک اہل سنت سے جو گہرا لگاو تھا اس کا تذکرہ سید سلیمان ندوی نے خود بھی بیان کیا ہے [1]

ان کے خیالات علمائے بریلی کے مطابق تھے اور ان کے بڑے بڑے مداح تھے صرف یہی نہیں بلکہ اپنے مذہبی معتقدات میں بڑے متعصب تھے اور جب مذہبی گفتگو ہوتی تو جلال میں آجاتے۔[2]

استاذ گرامی کی وفات کے بعد اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی تھی جو آپ کا ملجاو ماویٰ تھی۔ اعلیٰ حضرت کی وفات تک مولانا کے نیاز مندانہ تعلقات قائم رہے جبکہ اعلیٰ حضرت کے مرض الموت کے دنوں میں آپ بریلی شریف میں ہی رہے۔ اور اعلیٰ حضرت کی تجہیز و تکفین کا شرف بھی آپ کو نصیب ہوا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی آپ سے بے حد متاثر تھے ایک مرتبہ انہوں نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ سید سلیمان اشرف بہاری جب مناظرہ میں تنقیحات قائم کرتے ہیں تو مخالفین کو شکست ہو جاتی ہے۔

حلیہ مبارک

سید سلیمان اشرف بہاری وجیہہ شکل وصورت کے مالک تھے حلیہ مبارک کا تذکرہ اردو کے مشہور و معروف نقاد و ادیب پروفیسر رشید احمد صدیقی اپنی تصنیف "گنجہائے گرانمایہ" میں یوں کرتے ہیں [3]

قد میانہ، رنگ صاف، جلد روشن، اعضاء پتلے، نقشہ نرم و نازک آنکھیں چھوٹی جس میں جذبات کا اتار چڑھاؤ چھلکتا رہتا نظر تیز و پُر اعتماد انداز میں بانکپن انگلیاں ایسی جن میں قلم و شمشیر ورباب سب ہی زیب دیں۔ خواجہ حسن نظامی اس طرح لکھتے ہیں کہ:

گورا رنگ مضبوط جسم گنجان ڈاڑھی تیز اور چمکدار آنکھیں"

---

[1] عابد علی، سید، مقالات یوم رضا، لاہور، 1971ء، ص، 9

[2] محمد احمد ترازی، دو قومی نظریہ اور سید سلیمان اشرف، دارالنعمان پبلشرز، کراچی، پاکستان، 2017، ص85

[3] ۔ ایضاً، ص، 10

عادات واطوار

جب آپ کے حالات وکوائف اور روزمرہ کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ایک صاف طبیعت کے مالک تھے اور شرفاء کے جو اوصاف ہوتے ہیں ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ آپ کے شاگرد کو آپ کے ساتھ علی گڑھ میں کام کرنے کا شرف حاصل رہا ہے وہ آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

مرحوم کی زندگی کا ایک پہلو یہ تھا کہ جو چیز رکھتے تھے اس میں کوئی نہ کوئی کاس بات ضرور ہوتی اور دلکش ہوتی قیمتی ہوتی۔ لباس میں ہمیشہ پاکیزہ قیمتی اور مردانہ وضع کے لباس پہنتے گراں قیمت اور نادر قسم کے اونی کپڑوں کا بہت شوق تھا شیروانی یا اونی روئی دار اچکن کا کپڑا دلکش ہوتا۔ آپ کے معمولات بھی غیر معمولی تھے۔ جسے دوست رکھتے اس سے نہایت خوش ہو کر جی کھول کر ملتے اور کوئی نہ کوئی کوش دلی کا فقرہ ضرور کہتے۔ نوکروں کا بڑا پاس رکھتے تھے۔ مرعوب ہونا نہ جانتے تھے نہ کسی کے علم، سے نہ کسی کی دولت سے، نہ کسی کے اقتدار سے، مذہبی عقائد میں کٹر سلوک میں بے لوث جو جتنا چھوٹا ہوتا اس سے اتنی ہی فروتنی سے ملتے بڑا ہوتا تو اس سے کہیں بڑے ہو کر ملتے۔ علم کا وقار ان ہی کے دم سے تھا۔ سید سلیمان ندوی یوں رقمطراز ہیں [1]

مرحوم خوش اندام خوش لباس خوش طبع نفاست پسند سادہ مزاج اور بے تکلف تھے ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی خودداری اور اپنی عزت نفس کا پاس تھا۔

مسلم یونیورسٹی میں تقرر

مولانا حبیب الرحمان شیروانی علی گڑھ سے مولانا سید ضمیر الدین بہاری سے ملنے پٹنہ تشریف لائے اتفاق سے اسی درمیان مولانا سید سلیمان اشرف بہاری بھی مولانا سید ضمیر الدین سے ملاقات کی غرض سے تشریف لائے اور وہیں آپ کی ملاقات مولانا حبیب الرحمان شیروانی سے ہوئی مولانا حبیب الرحمان شیروانی نے پہلی ملاقات میں ہی آپ کے علم وفضل کو بھانپ لیا اور آپ کے اندر چھپے جوہر کا سراغ لگا لیا-لہذا مولانا شیروانی نے آپ کو علی گڑھ چلنے کو کہا آپ راضی ہو گئے اور علی گڑھ تشریف لے گئے وہاں پہنچے ہی تھے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۱۹۰۸ء میں شعبہ دینیات کے لئے ایک لیکچرر کی ضرورت پیش آئی آپ کو اطلاع ملی تو آپ نے اپنے آپ کو آپ نے بحثیت امیدوار پیش کیا آپ سے انٹرویو میں معجزہ پر مقالہ لکھنے کی فرمائش کی گئی اور کہا گیا کہ اگر کتابوں کی ضرورت ہو تو حبیب گنج تشریف لے جائیں آپ نے فرمایا بحمد اللہ مجھے کتابوں کی ضرورت نہیں صرف کاغذ اور قلم دیا جائے لہذا آپ بعد نماز عشاء کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گئے اور صبح کی نماز تک ایک ہی مجلس میں پر ایک مدلل ومفصل مضمون قلمبند کر دیا

---

[1] سید سلیمان ندوی، گنجہائے گراں مایہ، معارف اعظم گڑھ، 1939ء، ص، 34

جسے ارباب علم وفن نے بہت پسند کیا پھر نماز جمعہ کے بعد توحید پر خطاب کرنے کے لئے کہا گیا۔ آپ نے اس موضوع پر بہت ہی پر مغز تقریر فرمائی جسے سن کر سا معین مست ہو گئے۔سننے والوں میں نواب وقار الملک، مشتاق حسین اور مولانا حبیب الرحمان شیروانی کے ساتھ ساتھ تمام اراکین دینیات کمیٹی موجود تھے آپ کی علمی لیاقت کو دیکھ کر اور پر مغز تقریر سماعت فرما کر یہ لوگ بے حد متاثر ہوئے اور شعبہ دینیات میں پچاس روپے مشاہرہ پر آپ کا تقرر کر لیا۔

مومنانہ اوصاف

مولانا سید سلیمان اشرف نے درس و تدریس کے فرائض بہت ہی خوش اسلوبی اور مستقل مزاجی کے ساتھ انجام دیئے آپ نے اپنی پوری زندگی مسلم یونیورسٹی کے لئے ہی وقف کر دی۔ اس درمیان یونیورسٹی کے اندر نہ جانے حالات نے کتنے ہچکولے کھائے آپ کے خلاف سازشیں کی گئیں، رکیک حملے کیئے گئے ،اخبارات میں ناروا جملے آپ کے لئے کہے گئے، بہتان تراشی کی گئی، قدامت پرستی کے طعنے دیئے گئے اور تہمتوں کا طوفان برپا کیا گیا مگر آپ کے پائے استقلال میں لرزش نہ آنے پائی بلکہ آپ نے تنہا ان حالات کا مقابلہ کیا اور کسی بھی ہنگامے کی طرف بغیر توجہ کئے اپنے کام میں مگن رہے۔[1]

آپ کے عزم و استقلال کا تذکرہ پروفیسر رشید احمد صدیقی یوں کرتے ہیں:

"آج کم و بیش گیارہ سال ہو گئے ہو نیورسٹی پر تحقیقی کمیٹی بیٹھ چکی تھی بعض دوسرے لوگوں کی طرح مولانا خاص طور پر زد میں تھے ہر طرف سراسیمگی چھائی ہوئی تھی نفسا نفسی کا عالم تھا بڑے بڑے سرداروں کے پاوں لڑ کھڑانے لگے تھے اس وقت کا حال کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جن پر یہ عالم گزر چکا ہے اس زمانے میں مولانا کو دیکھا کہ کیا مجال جو روز مرہ کے معمولات میں ذرہ برابر بھی فرق آ جاتا۔ جن کے بارے میں جو رائے رکھتے تھے اس کا علی الاعلان اظہار کرتے شام کے وقت لوگ بر آمدہ میں بیٹھے ہوتے چائے نوشی کا اہتمام ہوتا اور ایسا لگتا کہ جیسے مصیبت کا نام ونشان نہیں۔ کسی کی مجال تک نہیں ہوتی تھی کہ کوئی آنے والی آفت کا تذکرہ کرتا۔ ایک شب میں حاضر ہوا مرحوم کے بارے میں ایسی باتیں بھی کہ جو دوسرے کے کہنے میں ہمیشہ تامل کرتے عرض کیا مولانا کیا ہونے والا ہے؟ خدا نخواستہ نوع دیگر ہوا تو کیا ہو گا؟ کہنے لگے رشید تم بھی ایسا کہتے ہو؟ مجھے خیال تھا کہ تم اس قسم کا تذکرہ نہ چھیڑو گے۔ "ہو گا کیا وہی ہو گا جو ازل سے تقدیر ہو چکا ہے۔ مومن کی شان یہ ہی ہے کہ اس پر ہراس طاری نہ ہو۔ تم ڈرو گے تو ان لوگوں کا کیا ہو گا جو تم کو اپنا سردار سمجھتے ہیں۔ جو ہونا ہے وہ تو ہو چکا ہے پھر ڈرنے جھجکنے ڈرنے کا کیا فائدہ؟ مرحوم پر اس وقت جلال سا طاری تھا شہنشاہیت روما کا وہ عہد یاد آ گیا جب گاکس نے روم پر قبضہ کیا تھا اور وحشیوں نے فتح کے نشے میں آکر سینٹ کا رخ کیا تھا جہاں کا ہر رکن اپنی اپنی جگہ متانت اور وقار کے ساتھ بیٹھا تھا"۔[2]

---

[1] سید سلیمان ندوی، گنجہائے گراں مایہ، ص،24۔27

[2] شیروانی، محمد مقتدیٰ خاں، مقتدرہ قومی زبان، کراچی 1926ء، ص 23

معمولاتِ زندگی

مولانا کے مزاج کو بے ضابطگی پسند نہ تھی آپ نے ہر کام کے لئے اصول وضابطے بنارکھے تھے اور اس پر سختی سے کاربند تھے۔ آپ نے اپنے علمی مجالس کے انعقاد کے اصول بھی مرتب کئے جن پر شرکاء مجلس سختی سے عمل کرتے ان اصولوں کا تذکرہ مولانا مقتدیٰ خاں شیروانی نے یوں کیا ہے

1. کسی کی بدخوئی نہ ہوتی
2. کوئی خودغرضی کا معاملہ نہ ہوتا
3. ہر قسم کے مضامین پر ایسے انداز میں بات ہوتی کہ دماغ پر مطلق بار نہ ہو
4. قابل ہمدرد لوگوں کی مدد پر غور ہوتا
5. دوسروں کی اخلاقی اقدار پر غور ہوتا اور ان کو سراہا جاتا

رشید احمد صدیقی نے آپ کی فیضان صحبت کو اس طرح بیان کیا ہے

مولانا کی صحبت سے جب بھی اٹھتا تو معلوم ہوتا کہ کوئی اور بات سیکھی یا کوئی نیا حوصلہ اور اچھا جذبہ پیدا ہو گیا پریشان ومایوس ہوتا تو ان کے یہاں سے بشاش اٹھا، رنج یا غصہ ہوا تو مرحوم کی باتوں سے غم غلط ہو گیا خالی الذہن ہوتا تو معلومات کے ایسے نادر ولطیف نکتوں سے بہرہ مند اٹھا جو شاید مدتوں کے مطالعے یا مشاہدہ سے حاصل نہ ہو سکے [1]

رشید صاحب اسی بات کو یوں بیان کرتے ہیں

مرحوم ایسوں سے کبھی ایسی گفتگو نہ کرتے جن کے بارے میں ان کو یقین ہوتا کہ اس کو علم کا گھمنڈ ہے یا علم کی گہرائی یا وژن نصیب نہیں ہے یا صرف دنیوی اقتدار کا حامل ہے۔ اگر کوئی چھیڑ بھی دیتا تو ٹال جاتے ورنہ کہہ جاتے کوئی دوسری بات کیجئے آپ کو ان باتوں سے کیا سروکار ہے۔ آپ کا اگرچہ علی گڑھ یونیورسٹی میں شعبہ دینیات کے مدرس کے طور پر تقرر ہوا تھا مگر آپ بہت جلد لوگوں میں ممتاز مقام حاصل کر گئے۔ آپ اس قدر خوددار تھے کہ خود کو لوگوں سے الگ رکھتے مگر لوگ آپ کو اپنے پاس رکھتے۔ آپ کسی کے ہاں نہ جاتے مگر علماء، فضلاء، ادباء اور سیاسی رہنما اور دیگر اعلیٰ حکام کے لوگوں کا تانتا لگا رہتا آپ ہر آنے والے کے ساتھ بڑے اخلاق سے ملتے اور ایک جیسا سلوک روا رکھتے۔

سید سلیمان ندوی نے آپ کی محفل کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

---

[1] صدیقی، رشید احمد، گنجہائے گراں مایہ، شفیق پریس، لاہور، 2013، ص 58

ان کی قیام گاہ ایک درویش کی خانقاہ تھی جو آتا جھک کر آتا اگر مجلس ساز گار ہوئی تو دعائیں لے کر گیا ورنہ الٹے پاوں ایسا واپس آیا کہ پھر ادھر کا رخ نہ کیا مولانا حبیب الرحمان شیر وانی آپ کی قیام گاہ کے مستقل حاضر باشوں میں سے تھے۔

سید سلیمان اشرف اپنے معتقدات میں پکے تھے مسلک اہل سنت کا آپ پہ نمایاں اور گہرا رنگ تھا پھر بلا جھجک اس کا اعلان بھی کرتے لیکن اس کے باوجود آپ کی محفل میں ہر مکتب فکر اور مختلف نظریات کے حامل لوگ آتے مختلف عناوین ومسائل پر گفتگو اور بحثیں ہو تیں۔[1]

پروفیسر رشید احمد صدیقی اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں

"مرحوم مذہبی اعتقادات میں بڑا غلو رکھتے تھے اور اظہار کا موقع آتا تو کھلم کھلا اس کا اظہار بھی کرتے آپ نے علی گڑھ پہنچتے ہی تعلیم و تلقین اور رشد و ہدایت کی غرض سے ہر روز عصر کی نماز کے بعد درس قرآن دینے کا سلسلہ شروع کیا جو بعد میں آپ کا مستقل معمول بن گیا"۔[2]

خودداریٔ طبیعت اور عزم واستقلال:

آپ ایک بہادر نڈر اور بہادر مرد مجاہد وعزم واستقلال کے پیکر تھے۔ بڑے بڑے طوفان حوادث میں بھی آپ کے پائے استقلال میں لرزش نہیں آئی۔ خوشامد سے آپ کو سخت نفرت تھی اور نامعقول لوگوں کو بھی اپنے پاس نہ پھٹکنے دیتے نہ کسی ملت فروش دنیادار اور نہ ہی کسی سیاسی پارٹی کی بے جا حوصلہ افزائی کی۔ آپ کی خودداری طبیعت کے متعلق سید سلمان اشرف یوں رقمطراز ہیں

ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی کی خودداری اور عزت نفس کا پاس تھا۔ ان کی ساری عمر علی گڑھ میں گزری جہاں امراء اور ارباب جاہ کا تانتا لگا رہتا تھا مگر انہوں نے کبھی کسی کی خوشامد کی اور نہ ہی کبھی کسی سے جھک کر ملے آپ جس سے بھی ملتے برابری سے ملتے اور اپنے عالمانہ وقار کو پوری طرح ملحوظ خاطر رکھتے۔ علی گڑھ کے سیاسی انقلابات کی آندھیاں بھی آپ کو نہ ہلا سکیں۔ آپ نے عدم تعاون رہنماوں کے خلاف مسلسل جہاد کیا اور ان کی بے راہ روی سے لوگوں کو آشنا کروایا۔ حالانکہ مخالفوں کی طرف سے آپ کی ذاتیات پر گھناونے حملے کئے گئے اخبارات ورسائل خرافات سے بھر گئے جم کر تبرابازی کی گئی لیکن ان سب کے باوجود آپ کے پائے استقلال میں زرہ برابر بھی لرزش نہیں آئی بلکہ اپنی جگہ کوہ وقار بنے بیٹھے رہے اور اپنے مشن کو بخوبی چلاتے رہے اور اپنے مشن کو بحسن وخوبی چلاتے رہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی یوں رقمطراز ہیں کہ:

"مرحوم کے خلاف اخباروں میں بڑے نامعقول مضامین نکلے اور اکثر ایسے ناروا اور رکیک حملے کئے گئے کہ انہیں یاد کر کہ آج تک میرا دل کڑھتا ہے اور لکھنے والوں سے قلبی نفرت پیدا ہو گئی ہے لیکن مولانا پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔ میں نے آج تک کوئی ایسا کلمہ ان کی زبان سے نہیں سنا کہ جس سے لگے کہ ان پر اس طرح

---

[1] علوی، بدرالدین، سید، معارف اعظم گڑھ، 1950ء، ص 424

[2] ایضا، ص 425

کی باتوں کا کوئی اثر ہے۔ ایک دن معلوم نہیں کون ساواقعہ تھا اس اخباری گندگی کا تذکرہ آیا تو فرمایا اور مخصوص قلندرانہ انداز سے آگے بڑھو یہ نہیں دیکھتے کون کہہ رہا ہے صاحبزادہ ہو یہی دیکھتے ہیں کہ کس کے خلاف کہہ رہا ہے لڑائی مجھے پسند ہے لیکن بہادروں سے ہیسواؤں سے نہیں۔ مولانا اپنی طبیعت اور خودداری کی وجہ سے بہت ہی اصول پسند اور دشمنوں کے لئے دشمنوں کے لئے شمشیر برہنہ تھے لیکن اپنوں کے لئے گنجہائے گراں مایہ رکھتے تھے"۔[1]

خطابت

آپ کو جہاں بہت سے دوسرے کمالات حاصل تھے وہیں فن تقریر میں بھی اچھی خاصی مہارت حاصل تھی۔ آپ کی خطابت میں رعب تھا کیف و مستی کا سامان اور نصیحتوں کا بے بہا خزانہ تھا قادر الکلامی بھی تھی اور جادو بیانی بھی تھی آپ کو سننے کے لئے ہر دل بے قرار ہو جاتا اور تقریر سننے کے بعد عش عش کر اٹھتے آپ کی تقاریر کو سننے علماء اور ادباء بھی جایا کرتے خواجہ حسن نظامی آپ کی تقریر کے متعلق یوں فرماتے ہیں:

"تقریر ایسی تیز اور مسلسل کرتے ہیں جیسے ای آئی آر کی ڈاک گاڑی دوران تقریر صرف درود شریف پڑھنے کے لئے تھوڑی تھوڑی دیر میں وقفہ ہوتا ہے ورنہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمالیہ کی چوٹی سے گنگا کی دھاری نکلی ہے جو ہر دوار تک ہی رکنے اور ٹھہرنے کا نام لے گی بیان کی ایسی روانی آج کل کے ہندوستان کے کسی عالم میں نہیں ہے تقریر میں محض الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر فقرے میں اور علمیت کا اندازہ ہوتا ہے"۔[2]

آپ کی تقاریر ایسی والہانہ اور پر کیف ہوتی تھیں کہ مجمع تو مجمع ماحول اور فضا پر بیخودگی چھا جاتی جب مولانا کی آواز شدت جذبات سے در و دیوار سے ٹکراتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ در و دیوار سے صلٰوۃ کی آوازیں آرہی ہیں۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی آپ کے خطبات کی روئیداد اس طرح بیان کرتے ہیں

آواز میں کڑک، لچک اور دھمک نماز پڑھتے تو معلوم ہوتا کہ خدا کا کلام دوسروں تک پہنچا رہے ہیں ایک دفعہ میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی مرحوم امامت کے لئے آگے بڑھے تکبیر ختم نہیں ہوئی تھی کہ مرحوم نے کہا "اللہ اکبر" ایسا معلوم ہوا جیسے اس صدا نے فضاء کی ہر صدا کی لرزش چھین لی ہے۔ اس کے بعد جو قرات شروع کی تو یہ معلوم ہوتا تھا جیسے خالد رضی اللہ عنہ کی تلوار میدان جہاد میں کوندتی، لرزتی، گرتی، لچکتی، کاٹتی، سمٹتی، تیرتی، ابھرتی آگے بڑھتی چلی جارہی ہے کوئی لمبی سورۃ تھی جب تک ختم نہ ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جسم و جان میں بجلیاں دوڑ گئی ہیں شوق خود سپاری میں ہم نہیں در و دیوار جھوم رہے ہیں۔ مولانا نے جہاں دوسرے فنون میں اپنا لوہا منوایا اور داد تحسین حاصل کیا وہیں اپنے مشفق استاد حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں سے بھی اپنی فنکاری کا جوہر دکھا کر دعاؤں اور شفقتوں کا خزانہ لے لیا۔ ۱۹۲۱ء میں نان کو آپریشن کے ہنگامے اپنے پورے زوروں پر تھے پورے ملک کو اس نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اس کی قیادت سیاسی افراد کر رہے تھے خلافت کمیٹی اور جمعیت العلماء کے اشخاص بے راہ روی پہ اتر چکے تھے دنیا داری ان کے دلوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی غیر اسلامی

---

[1] سید سلیمان ندوی، معارف اعظم گڑھ، 1939ء، ج، 66، ص404

[2] سید سلیمان ندوی، معارف اعظم گڑھ، ص409

نظریات و غیر شرعی حرکات کے محرک بنے ہوئے تھے عدم تعاون کے عظیم طوفان میں بڑے بڑے لوگوں کے قدم ڈگمگا رہے تھے لیکن ایسے عالم میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور تن تنہا اس تحریک کی سر کوبی کے لئے سر پر کفن باندھ کر میدان میں کود پڑے اور اپنی تقریر اور تحریر کے ذریعے مسلسل جہاد کرتے رہے۔ مولانا سید سلیمان اشرف حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے عرس پاک پر اکثر تشریف لے جاتے۔ آپ کی آمد پر وہاں خصوصی جلسے منعقد ہوتے جس میں آپ کی تقریریں ہوتیں اور آپ کی تقریریں سننے کے لئے لوگ دیوانہ وار جلسہ گاہ میں تشریف لاتے۔

غرض آپ کی خطابت کی دھوم پورے ملک میں تھی اور اپنے ہم عصروں میں آپ کو اس فن میں ایک اہم مقام حاصل تھا۔ اچھے اچھوں کی بولی آپ کے سامنے بند ہو جاتی اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کی جادو بیانی کا گن گاتے اور آپ کی پر مغز تقریر سننے کے مشتاق ہوتے تھے۔ آپ لوگوں کے اجتماع سے کبھی بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے چاہے جیسا بھی مجمع ہو آپ کی تقریر بے باکی اور حق گوئی سے چور ہوتی۔ حاضر جوابی اور بہت جلد دور کی کہہ دینا آپ کی خصوصیات میں ہیں ۔ آپ کی خطابت کا شہرہ دور دور تک تھا آپ کے پاس اکثر دور دراز سے دعوتی خطوط پہنچتے رہتے مگر عدیم الفرصتی کی وجہ سے آپ ہر جلسہ میں شرکت نہیں کر پاتے ہاں اگر آپ کہیں جاتے تو لوگ فوراً کسی جلسے کا انتظام کر لیتے جب آپ اپنے آبائی وطن بہار شریف تشریف لے جاتے تو لوگ آپ کی آمد کی خبر سن کر آپ کی تقریر کا لطف اٹھانے اور اپنی دینی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے جلسے جلوس کا اہتمام کر لیتے۔ آپ کی شہرت کی خوبی یہ ہے کہ آپ ہر خاص و عام میں یکساں مقبول نظر آتے ہیں۔[1]

تصنیف و تالیف

آپ جہاں ایک نامور خطیب اور قادرالکلام مقرر تھے وہیں ایک محقق اور صاحب قلم بھی تھے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں اور مقالات و مضامین لکھے مختلف کتابوں پہ مقدمات و حواشی تحریر فرمائے۔ آپ کی کتابوں میں مندرجہ ذیل کتابوں کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

المبین، النور، الرشاد، النہار، الحج وغیرہ۔[2]

المبین

یہ کتاب مستشرق جرجی زیدان کی کتاب "فلسفتہ اللغت العربیہ" کا مدلل جواب ہے اس کتاب میں مصنف نے عربی و ادب کے خلاف قلم اٹھایا تھا۔ اس نے اپنی عصبیت کی بنا پر اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ عربی زبان بھی دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح دیگر زبانوں سے خلط ملط ہو کر بنی ہے۔ اور مصنف نے خالص عربی الفاظ کو یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ لفظ فلاں زبان سے لیا گیا ہے یہ فلاں زبان سے لیا گیا ہے اور اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ عربی

---

[1]۔ شبیر احمد غوری، مولانا سید سلیمان اشرف، مجلہ اقبال، بزم اقبال لاہور، 1992، ص87۔106

[2]بدر الدین احمد، سید، حقیقت بھی کہانی بھی عظیم آبادی کی تہذیبی داستان، بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ، 2003، ص230۔231

میں الفاظ کی کمی ہے غرض یہ کہ عربی زبان سے عصبیت اس کی تصنیف کی ہر ہر سطر سے پھوٹتی ہے۔ سید سلیمان اشرف نے اس کے تمام اعتراضات کا مدلل و مفصل جواب دیا ہے اور اس پر بحث کرتے وقت مفید مثالیں بھی پیش کی ہیں جسے پڑھ کر جہاں قاری کے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے وہیں لطف و سرور بھی حاصل ہوتا ہے مولانا نے عربی زبان کی اہمیت وافادیت اور اس کی دوسری زبانوں پہ فوقیت پر بھی بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے:

عربی زبان کے مخصوص فضائل

مخارج صفات اور اعراب کی تفصیل

ترکیب حروف

ایک سوفطائیت کا اندفاع

فلسفہ ارتقاءلسان

فلسفہ اشتقاق

عربی زبان کی حیرت انگیز کمال گویائی۔

پہلے باب میں سید سلیمان اشرف نے زبان کے طریق وضع پر بحث کی ہے انسان اول کی زبان کیا تھی اور اس کا علم اس کو کیسے حاصل ہوا اس سلسلے میں انہوں نے دو مکتبہ ہائے فکر کے اقوال وعقائد پیش کئے ایک اشعری اور دوسرا معتزلی

مکتبہ اشعری کے نزدیک زبان کی تخلیق الہام سے ہوئی ہے یعنی حضرت آدم کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو انہیں گفتگو کے لئے الفاظ بھی سکھائے اور جب دنیا میں آئے تو الفاظ کی وحی بھی ان کی جانب ہوتی رہی اور یہی الفاظ مجموعی شکل میں زبان کی صورت اختیار کر لئے۔

معتزلی مکتبہ میں آپ نے یہ بیان کیا ہے کہ انسان دنیا میں روزمرہ کی زندگی میں اپنے ماحول اور نفس کی تحریکات سے متاثر ہو کر خود الفاظ وضع کئے ہیں دوسرے باب میں "مخارج وصفات واعراب حروف" کے عنوان سے مضمون قلمبند کیا ہے آپ نے عربی کا سنسکرت سے بھی موازنہ کیا ہے جو مستشرقین کے نزدیک عربی سے بھی زیادہ قدیم زبان ہے [1]

تیسرے باب میں ترکیب کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں اسماءوافعال کا مادہ کبھی اور کسی حالت میں تین حروف سے کم نہیں ہوتا نہ سلف وخلف سے آج تک کوئی اس قائل ہوا ہے۔ تیسرا حرف اصل مادہ کا جز ہے ہر گز حرف زائد نہیں ہے۔

[1] بہاری، سلیمان اشرف سید، المبین، سوڈھیوال کالونی ملتان روڈ، لاہور، 2008ء ص، 106

چوتھے باب میں جرجی زیدان نے اپنی کتاب فلسفہ اللغتہ العربیہ میں یہ مغالطہ پیش کیاہے کہ عربی الفاظ کامادہ صرف دو حروف ہیں اس سلسلے میں اس نے کئی مثالیں بھی پیش کی ہیں آپ نے اس کے پر فریب دعوے کی بھرپور تردید کی ہے اور فلسفیانہ اور حکیمانہ انداز میں ثابت کیاہے کہ عربی لفظ کے مادے کی تکمیل محض دو حروں سے نہیں ہوتی بلکہ ایک تیسرے اصلی حرف کے ملانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

پانچویں باب میں فلسفہ ارتقاء لسان سے متعلق ہے اس باب میں آپ نے فطرت ارتقاء لسانیت پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس سلسلے میں محققین کی آراء اور مفید مثالیں پیش کی ہیں [1]

چھٹاباب فلسفہ اشتقاق پر مشتمل ہے اس میں اشتقاق صغیر و کبیر کی تعریف بیان کی گئی ہے

ساتویں باب میں عربی زبان کا حیرت انگیز کمال گویائی کا بیان ہے

۱۹۲۹ء میں جب "المبین "پہلی بار منظر عام پر آئی تو اہل علم وفضل کے حلقوں میں بہت زیادہ سراہا گیا اس کا ایک نسخہ علامہ اقبال کو بھی بھیجا گیا آپ نے اس کی بہت تعریف کی اور کہامولاناصاحب آپ نے عربی زبان کے بعض ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جن کی طرف پہلے میرا ذہن کبھی نہیں منتقل ہوا تھا

النور

میں آپ نے خلافت کمیٹی والوں کے خلاف غیر اسلامی نظریات وغیر شرعی حرکات کے بخئے ادھیڑ کر رکھ دیئے اور ان کا شرعی نقطہ نظر سے محاسبہ فرمایاہے نام نہاد مسلم لیڈر جو گاندھی جی کو ہی اپنا پیشوااور رہنماء سمجھ بیٹھے تھے ان کی آپ نے اس کتاب میں خوب خبر لی ہے۔

الرشاد

النور کے بعد آپ نے الرشاد لکھا جس میں جمیعت العلماء و خلافت کمیٹی و دیگر مسلم گاندھیائی لیڈر جو گاندھی جی کو ہی اپنا پیشوا اور رہنماء سمجھ بیٹھے تھے اور شرعی بے راہ روی میں مبتلا تھے ان کی غیر شرعی حرکات پر تنقید کی اور یہ ثابت کیا کہ یہ قوم مسلم اور دین اسلام کے لئے زہریلاہل ہیں۔[2]

النور اور الرشاد کے منظر عام پر آتے ہی مخالفین نے آپ کے خلاف زبردست طوفان کھڑا کر دیا اور آپ کی زبردست مخالفت ہونے لگی اخباور سائل کے ذریعے آپ کی ذات پر رکیک حملے کئے گئے لیکن آپ نے ان کا بغیر نوٹس لئے عزم واستقلال کے ساتھ خلافت کمیٹی والوں کی گمراہ کن تحریک کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور اپنے زور بیان اور سیف و قلم کے ساتھ ان کی غلط روش کے خلاف تحریک چلائی۔

---

[1] بہاری، سلیمان اشرف سید، المبین، ص108

[2] بہاری، سلیمان اشرف سید، المبین، ص،37

الانہار

یہ کتاب آپ نے فارسی شعر و ادب کی تاریخ میں لکھی جو بہت مقبول ہوئی اور اس زمانے کے عربی و فارسی و اردو کے محقق و ادیب مولانا حبیب الرحمن شیر وانی نے الانہار کے متعلق کہاہے کہ

"یہ کتاب شبلی نعمانی کے شعر االعجم سے بہتر ہے"۔[1]

الحج

یہ کتاب حج کے موضوع پر ہے اس کتاب میں حج کے ارکان ومسائل پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے حجاج کرام کے لئے یہ کتاب رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولاناسید سلیمان اشرف بہاری کی کاوشوں میں ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے علامہ فضل حق خیر آبادی کی بے مثال کتاب "امتناع النظیر" پہلی دفعہ ۱۰۸ میں علی گڑھ سے شائع کیااور اس نایاب تصنیف کو علمی دنیامیں متعارف کرایا۔ اس اہم اور لاجواب تصنیف کی اشاعت گویا جماعت اہل سنت پر ایک احسان ہے کیونکہ اس کتاب میں سرکار دوعالم کے ممتنع بالذات ہونے کے جو دلائل وبراہین قائم کیئے گئے ہیں وہ عقائد اہل سنت کے لئے بے بہاقیمتی سرمایہ ہیں۔ حضرت امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت پر مولانانے حواشی تحریر فرمائے ساتھ ہی ایک پر مغز مقدمہ بھی لکھاجو ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ بھی اردوادب میں ایک گراں قدر سرمایہ کی حیثیت رکھتاہے۔[2]

تعلیمی مہارت

آپ جہاں ایک قادر الکلام مقرر دور بین محقق صاحب طرز ادیب ایک عظیم مدبر اور ایک بہترین معلم تھے وہیں آپ کی حیثیت ایک ماہر تعلیم کی بھی تھی۔ ۱۹۲۵۔۲۶ میں جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے میٹرک سے لیکر ایم۔اے تک کی شعبہ دینیات کے لئے نصاب مرتب کرنے کی ضرورت پڑی تو نصاب مرتب کرنے کے لئے دیگر ماہرین کے ساتھ آپ بھی شامل تھے۔

ظرافت

مولاناایک خود دار طبعیت، اصول پسند انسان تھے مزاج میں شدت بھی تھی اور یہ شدت نفسانی نہیں تھی ایمانی تھی کسی کا رعب کسی قیمت پر بر داشت نہ کرتے تھے اپنی زندگی کو بہت اعلیٰ اور شان وشوکت سے گزارا۔ کسی کی جی حضوری آپ کو ہر گز گوارہ نہ تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ معزز کے لئے عزت اور عزیزوں سے شفقت بھی رکھتے تھے دوستوں کے ساتھ ظریفانہ باتیں بھی کرتے لیکن اس ظرافت میں بھی آپ کو اپنی شخصیت کا پورا پورا خیال

---

[1]۔ بہاری، سلیمان اشرف، الانھار، نور رضویہ پبلشنگ کمپنی، بلال گنج، لاہور، س۔ن، ص 1۔5

[2] بہاری، سلیمان اشرف، سید، الحج، سید اکادمی سوڈھیوال کالونی ملتان روڈ، لاہور، 1406ھ، ج 1، ص 47

رہتا۔ آپ کبھی کبھی باتوں باتوں میں ایسے ایسے فقرات اور لطیفے کہہ جاتے کہ طبیعت باغ باغ ہو جاتی۔ کبھی کبھی بہار کا کوئی لفظ بول جاتے اور کہہ دیتے کہ یہ خاص ہمارے دیار کا لفظ ہے ایسا جامع لفظ کہیں اور نہ ملے گا۔ مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم پکے مسلمان اور کھرے انسان تھے مولوی عبد الحق سے بہت دوستی تھی اردو، اسلام، تہذیب و ثقافت اور اس طرح کے دوسرے مسائل پر دونوں میں بڑے لطف کی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ آپ وگوں کو ان کے اوصاف کے مطابق خطابات سے بھی نوازتے تھے جیسے کہ مولوی عبد الحق کو آپ کالا کافر کہتے تھے اور وہ اسی نام سے مشہور ہوئے تھے۔

برادرانہ محبت

آپ کے ایک بڑے بھائی تھے جن کا نام سید انیس اشرف تھا نوجوانی میں ایک سرکاری ملازمت سے وابستہ تھے لیکن جوانی میں ہی ملازمت کے دوران ہی ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا جس کی وجہ سے ان کی ملازمت بھی جاتی رہی آپ نے ان کا بہت علاج کرایا مگر مرض کا افاقہ نہ ہوا اور اسی مرض میں مبتلا رہے آخر دم تک مولانا نے ان کو اپنے پاس رکھا اور ان کی بھرپور کفالت فرمائی آپ ہر دم ان کو اپنے ساتھ رکھتے سفر میں حضر میں۔ کسی کے ہاں دعوت بھی ہوتی تو ان کو اپنے ساتھ رکھتے وہ نہ کسی سے بات کرتے نہ ہی کسی کی بات کا جواب دیتے اس کا تذکرہ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اس طرح کیا ہے کہ بھائی بیمار ہوئے تو مرحوم کی پریشانی دیکھی نہ جاتی تھی۔ مریض اپنا حال بتانہ سکتا تھا ان کو معدہ کی سخت تکلیف تھی حکیم عبد الطیف صاحب معالج تھے بھائی کی بیماری میں مرحوم کا یہ حال تھا کہ کھانے، پینے پہننے، اوڑھنے سونے اٹھنے بیٹھنے کا کوئی ہوش نہ تھا۔ لباس میلا، خط بڑھا، اوقات مقررہ میں گڑبڑ گفتگو میں ناہمواری کہتے تھے نفس نے اپنے مطالبات چھوڑ دیئے ہیں حکیم صاحب نے نہایت محنت اور جانفشانی سے ان کا علاج کیا لیکن ایک پیش نہ گئی اور بھائی جان ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے، سید انیس اشرف مولانا سید سلیمان سے دو سال قبل انتقال کر گئے جوانی کے عالم میں ہی جنون کا مرض لگ گیا تھا جس کے سبب شادی بھی نہ کر سکے۔[1]

ازدواجی زندگی

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ تجردانہ طور پر گزارا۔ اس دوران آپ کی والدہ حیات تھیں ان کی ضد اور خواہش پر آپ نے ۴۵ سال کی عمر میں شادی کر لی شادی کے چند سال بعد آپ کی والدہ بھی وفات پا گئیں والدہ کے انتقال کے چند سال بعد آپ کی اہلیہ بھی آپ کو داغ مفارقت دے گئیں آپ علی گڑھ میں تھے کہ ایک اور روح فرسا خبر سننے کو ملی یعنی ان کے جگری دوست مولوی دوست سعد الدین احمد جو بہار شریف میں رہے تھے ان کا انتقال ہو گیا یہ بہت مشکل اور کٹھن وقت تھا جو مولانا نے اکیلے گزارا۔

---

[1]۔ قادری، محمد علی اعظم، خاں، سید سلیمان اشرف، رضوی کتاب گھر، دہلی، 1992ء، ص74

مرض الموت

آپ کی اہلیہ اور بھائی کی وفات کے بعد آپ بالکل ٹوٹ کر رہ گئے تھے اکثر مغموم رہتے تھے حزن وملال کی وجہ سے دن بدن صحت گرنے لگی رمضان شریف کے مہینے میں بخار آیا طبیبوں نے روزہ رکھنے سے منع کیا لیکن آپ نے کسی کی نہیں سنی اور ایام علالت میں بھی روزہ ترک نہیں کیا طبیعت دن بدن بگڑتی چلی گئی بعض احباب نے معالج بدلنے کو کہا لیکن آپ نے منع فرمادیا۔ جب مرض حد سے بڑھ گیا تو خود شفاء الملک حکیم عبد الطیف صاحب نے مشورہ دیا کہ اب آپ معالج بدل کر دیکھیں میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا اس پر آپ نے فرمایا کہ نہیں جب تک سانس باقی ہیں مرا علاج تم ہی کروگے اور اس کے بعد آپ بالکل تندرست ہوگئے لیکن جب دوبارہ علیل ہوئے تو صحت گرتی چلی گئی بالا آخر علم وادب کا درخشندہ ستارہ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ بمطابق ۲۷ اپریل ۱۹۳۹ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ علی گڑھ میں آپ نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارا اور علی گڑھ میں ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔

تبصرہ

سید سلیمان اشرف بہاری ایک ایسی شخصیت ہیں جو برسوں تک ہندوستان کے علم وکمال کے افق پر آفتاب بن کر چمکتے رہے بہت سے نئے پودوں نے ان کے جگر کی حرارت پائی اور بہت سی بے نور آنکھوں میں ان کی وجہ سے بینائی آئی سید سلیمان اشرف کی نجی زندگی کے حالات ان کے علمی مشاغل، ان کی خطا بت، ان کے گھر کی شگفتہ مجلسیں، ان کے گرد مشاہیر کا مرجوعہ، علمائے ہند میں ان کا مقام ومرتبہ ان کا کردار، ان کا وقار اپنوں کے ساتھ بے لوث محبت غیروں کے ساتھ ان کی شفقت ومروت، ان کی حق بینی اور صداقت پسندی ان تمام خصوصیات نے ان کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز کرر کھا تھا۔ سید سلیمان صاحب نے تصنیف کے میدان میں بھی بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے آپ نے جب معاشرے میں بے راہ روی اور گمراہی کو نشان بنتے دیکھا تو فوراً آپ نے اپنے قلم سے پتھر کی لکیر کھینچ دی اور زبان وبیان سلاست وفصاحت کے ساتھ دلائل وبراہین کے وہ انبار لگادئے کہ مخالف بھی سوچنے پر مجبور ہوگیا۔ آپ نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور قوم کو پستی اور ذلت سے نکالنے کی بھر کوشش کی۔ آپ علوم عقلیہ اور نقلیہ کے بھی ماہر تھے ایک بلند پایہ مفکر، مفسر، فقیہ ماہر تعلیم فلسفی اور دانشور بھی تھے آپ ان علمائے حق میں سے ہیں جنہوں نے براعظم میں جذبہ اسلامی اور ملی تشخص کو برقرار رکھا جاتا ہے

باب دوم

تصنیفی خدمات کا تنقیدی جائزہ

سید سلیمان اشرف بہاری جہاں ایک نامور خطیب اور قادر الکلام مقرر تھے وہیں ایک محقق اور صاحب قلم بھی تھے آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں اور کئی مقالات اور مضامیں لکھے کئی کتابوں پر حواشی و حوالہ جات تحریر فرمائے۔ آپ نے متعدد کتابیں تالیف فرمائیں جن کی اہمیت سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے اپنے دور میں پیش آنے والے تمام مسائل اور حالات حاضرہ پر قلم اٹھایا اور مسلمانوں کی فلاح اور کامرانی کی طرف سب سے آگے بڑھ کر ساتھ دیا۔ آپ کی تصنیفی کاوشیں تاریخ میں ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھی جانے کے قابل ہیں جو آج بھی مسلم امت کو راہنمائی عطا کرتی ہیں آپ کی جس قدر خدمات ہیں ان کو احاطہ میں لانا ایک سخت جان اور مشکل امر ہے تاہم ذیل میں ایک حقیر سی کوشش کی گئی ہے کہ ان خدمات کا تعارف کرایا جا سکے جو کہ حسب ذیل ہیں۔

فصل اول

فقہی تصانیف

کتاب کا نام: نزھتہ المقال فی لحیتہ الرجال (داڑھی کی شرعی حیثیت)

مصنف: سید سلیمان اشرف بہاری

ناشر: دار النعمان

صفحات: ٦٤

زمانہ: ۱۳۴۰ھ

لکھنے کا سبب

اسلام ایک دین فطرت ہے یہ ایسی باتیں پسند نہیں کرتا جو اس کی روح کے خلاف ہوں معاملات عبادت ہوں یا اعتقادات ہوں یا پھر معاشرتی زندگی کے معاملات ہوں یہ ہر ہر شعبے کو مد نظر رکھتا ہے جو بھی حکم ہوا جس بارے میں بھی اس میں تقاضائے فطرت کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا اسی طرح داڑھی کا حکم دیا تو اس میں بھی اس اصول کو مد نظر رکھا اور وہی حکم دیا جو دین فطرت کے نزدیک ترین تھا کیونکہ جو بات عین فطرت ہے وہ ہی بات عین انصاف اور خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ داڑھی ایک عظیم چیز ہے جس کا حکم خدا نے دیا اس کے رسول ﷺ نے پسند فرمایا فرشتوں نے پسند کیا۔ حضور ﷺ کے صحابہ نے اس سے اپنے چہروں کو زینت بخشی چاروں اماموں نے اس کی حرمت کا اعلان کیا اور بزرگوں نے اپنے چہروں کو اس سے سجایا داڑھی بے شک مردوں کی زینت اسلام کا شعار اور انبیاء کی سنت رہی ہے وہ لوگ جو اسلام اور دین اسلام کے دشمن اور حریف ہیں وہ ہر دور میں ہر بات میں[1] اسلام کی اصل روح کو مسخ کرنے اور اس کی تعلیمات کو بگاڑنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں وہ اس معاملے میں کیسے پیچھے رہ سکتے تھے انہوں نے اس معاملے میں خوب شر پھیلایا اور اس کے حکم کے خلاف خوب پروپیگنڈا تیار کیا۔ مقام افسوس تو یہ ہے کہ نہ صرف اسلام دشمنوں بلکہ کچھ نام نہاد مسلمانوں بزرگوں اور پیروں فقیروں نے بھی اس معاملے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مجدد

---

[1] مصدر نفسہ، ص، 12

اعظم امام احمد رضا نے اٹھارہ آیات مقدسہ بہتر احادیث اور کوئی ساٹھ بزرگان دین کے اقوال شریعہ کی روشنی میں داڑھی بڑھانا واجب اور ترشوانا یا ایک مٹھی سے کم رکھنا حرام قرار دیا ہے اسلامی معاشرے میں شیر مادر سے بڑھ کر داڑھی منڈوانے کا گناہ ہے۔

لیکن لوگ اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں فقہائے کرام کے مطابق داڑھی منڈوانا یا کٹوا دینا ناک اور کان کٹوانے کی طرح ہے جس سے انسان نفرت کرتا ہے لیکن داڑھی کٹوانے سے خدا اور اس کا رسول نفرت کرتے ہیں لیکن لوگ یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں جبکہ ایک ذی ہوش انسان اور بزرگان دین کے دل میں یہ بات آئے بنا نہیں رہ سکتی کہ کل کو جب قبر میں حضور ﷺ کی زیارت ہو گی تو میں کس منہ سے ان کے نورانی چہرے کی زیارت کروں گا جبکہ انہوں نے داڑھی ترشوانے سے منع کیا ہے تو میں کس طرح ان کے چہرے کا دیدار بغیر داڑھی کے کروں گا۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے

لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن

جب کوئی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب زناکار زنا کرتا ہے تو اس کے چہرے سے نور ختم ہو جاتا ہے جبکہ اس حالت کے بعد نور واپس آ جاتا ہے لیکن داڑھی ترشوانا ایسا گناہ ہے کہ جس کے بغیر نہ تو نور رہتا ہے نماز پڑھتا ہے تو بھی گناہ کے ساتھ روزہ، حج غرض ہر عبادت کے ساتھ یہ گناہ اس کے ساتھ رہتا ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

عشرۃ من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ[2]

یعنی کہ دس چیزیں دین فطرت میں ہیں لبیں تراشنا اور داڑھی بڑھانا۔ مسلمانوں کو داڑھی کے ساتھ ساتھ اس کا طریقہ بھی بتایا گیا کہ کس طریقے کے مطابق داڑھی رکھو یعنی ایک مشت سے کم نہ رکھو یہ بھی کہا گیا کہ مشرکین کے طریقہ کے مطابق داڑھیاں نہ رکھو وہ لوگ یا تو ایک مشت سے کم رکھتے تھے یا پھر سرے سے ہی کٹوا

[1] مسلم، ابن حجاج نیشاپوری، صحیح مسلم، باب البیان انقصان الایمان، حدیث 211

[2] امام نسائی، سنن نسائی، باب من السنن الفطرۃ، حدیث 5040

دیتے تھے جیسے کی آج کل کے دور میں ہو رہا ہے کو کیونکہ ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا فیشنی تو ہو سکتا ہے مگر اسلامی طریقہ نہیں داڑھی کو ودیعت فطری اور خدا کی نشانی کہا گیا ہے۔

قرآن پاک میں ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ[1]﴾

اے ایمان والو تم اللہ کی نشانیوں کو تباہ نہ کرو"

درج ذیل کتاب لکھنے سے بھی مصنف کا یہی مقصد ہے کہ تقاضائے فطرت کو مد نظر رکھا جائے اور اس کے برعکس عمل نہ کیا جائے اس کا سبب کچھ یوں ہے کہ ایک مولوی صاحب نوکری کی تلاش میں سید سلیمان اشرف بہاری صاحب کے محلے میں آکر قیام پذیر ہوئے جنہیں داڑھی ترشوانے اور مونچھیں بڑھوانے کا بہت شوق تھا محلے کے بعض لوگوں نے بسہولت ان سے کہا کہ آپ تو مولوی ہیں آپ کو یہ فعل زیب نہیں دیتا سوائے ان لوگوں کے جو اس دور کے آزاد بے منش اور بے باک تارک اسلام ہیں اگر آپ اپنے اس فعل سے باز نہ آئے تو بہت سے لوگ اس کو شعائر اسلام سمجھ لیں گے اور ہنود صورت اور نصاریٰ سیرت بن جائیں گے۔ آپ خدا کے لئے اس عادت کو چھوڑ دیں اور عوام کے حال پر رحم کریں مولوی صاحب نے جب یہ پر اثر تقریر سنی تو غصہ میں آگئے اور فرمانے لگے شرعاً یہ فعل جائز بھی ہے اور مباح بھی ہے مگر اس دور کے متعصب مولوی اس فعل کے مرتکب کو عاصی و خاطی و فاسق ٹھہراتے ہیں یہ بات جب سید سلیمان تک پہنچی تو آپ نے کئی نامی گرامی علمائے دین و مفتیان شرع متین سے اس بارے میں سوال کئے ان کے فتاویٰ جات منگوائے اور ہر اایک کے فتاوی جات کو مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجا چونکہ یہ فتاویٰ جات ان کے مزاج کے مطابق نہ تھے اس لئے انہیں تسلیم نہ کیا اور چند شبہات و اعتراضات لکھ کر سید سلیمان کو ارسال کئے الغرض طرفین کی طرف سے یہ سلسلہ چندماہ جاری رہا۔

مشمولات	**صفحہ نمبر**
سید سلیمان اشرف بہاری ایک نظر میں	۴
عرض حال	۸

[1] المائدہ 5 :2

اہم مضامین:

قولہ: ہم اور آپ معاملات شرعی میں کون ہوتے ہیں اپنی رائے لگائیں

اقول: شکر ہے آپ کے منہ سے سچ بات نکل گئی کچھ حیا کا دامن پکڑا ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حیا ایمان میں سے ہے

مولوی صاحب نے کوئی سولہ اعتراضات کئے ہیں جن کے جوابات میں مولانا صاحب نے اپنا عالمانہ اسلوب اختیار کیا ہے اس کے بعد ۱۶ پر چار سوالات درج ہیں ا، داڑھی رکھنا فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب ۲، اگر سنت ہے تو موکدہ یا غیر موکدہ ۳، داڑھی رکھنا کس آیت قرآنی یا حدیث سے جائز ٹھہراتے اور داڑھی منڈوانا کس حدیث سے ناجائز ۴، داڑھی منڈوانے پر کون سا حکم عائد ہو گا بدعتی ہے یا فاسق اس کے جواب کا بیڑا مدرسہ احمدیہ نے اٹھایا اور بڑے مختصر مگر جامع انداز میں جوابات فراہم کئے انہوں نے کہا کہ داڑھی رکھنا واجب ہے اور داڑھی منڈوانا حرام ہے اور دلیل میں یہ حدیث بیان کی کہ ابن عمر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللِّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ

مشرکین کی مخالفت کرو داڑھی بڑھاو اور مونچھیں ترشواؤ[1]

قرآن پاک میں آتا ہے کہ

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

حضور ﷺ جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو[2]

---

[1] مشکوہ شریف، کتاب اللباس، دارالفکر بیروت، س۔ن، رقم 7761

[2] الحشر 59: 7

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے بعض صورتوں میں جن امور سے منع کرتا ہے بعد میں ان ہی امور کو وجب قرار دیتا ہے جیسے کہ قرآن پاک میں ہے کہ

فالئن باشر وھن[1]

یعنی کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے پر حلال قرار دیا گیا ہے لیکن جب روزے کی حالت میں ہوں تو ان کو مباشرت سے منع کیا گیا ہے کہ تم روزے کی حالت میں اس کام سے دور رہو۔

اہل حجاج پر شکار کو حرام قرار دی اگیا جبکہ عام حالات میں شکار حلال اور مستحب ہے قرآن پاک میں ہے کہ

توثابت ہوا کہ داڑھی رکھنا واجب ہے جو فعل واجب ہو اس کا خلاف حرام ہوتا ہے تو داڑھی منڈوانا جو فعل واجب یعنی داڑھی رکھنے کے خلاف ہے حرام ہے اور حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے تو داڑھی منڈانے والا فاسق ہے[2]

قرآن پاک میں آتا ہے کہ حیاء ایمان میں سے ہے اور جس مسلمان کو حیا کا پاس نہ ہو احکام شرعیہ پر کبھی پورا نہیں اتر سکتا

الْحَيَاءَ مِنَ الإِيمَانِ[3]

پھر نوبت جواب الجواب تک جا پہنچی اور معترض نے چند ایک اور شبہات کھڑے کر دیئے اور پھر جواب جواب الجواب میں ابراہیم آروی نے تفصیل کے ساتھ جوابات دیئے صفحہ ۳۱ تا ۳۳ مولوی عبداللہ صاحب گیلانی اور آخر میں مولانا سید شاہ امین الدین صاحب کا بھی فتویٰ ہے جو اس مسئلہ پر قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے آپ نے کہا کہ، فقہاء نے داڑھی ترشوانے کو حرام قرار دیا ہے آپ نے اس کی مثال حدیث سے دی ہے کہ

یحرم علی الرجل قطع اللحیت[4]

مرد پر داڑھی کٹوانا حرام ہے[5]

بالکل اخیر میں سید سلیمان اشرف نے ایک اپیل لکھی ہے جس سے ان کے ملی درد کا اندازہ ہوتا ہے وہ رقمطراز ہیں کہ:

---

[1] البقرہ 2: 187

[2] مصدر نفسہ، ص40

[3] امام بخاری، صحیح بخاری، باب الحیاء من الایمان، حدیث 24

[4] رد مختار، کتاب الخطر والاباحت، ج2، دارالفکر بیروت، ص727

[5] رد مختار، کتابالخطر والاباحت، ج2، داالفکر، بیروت، ص727

"اس رسالے کے طبع کرنے سے میرا کیا مطلب ہے وہ تو آپ ضرور سمجھ گئے ہوں گے صرف حمایت اسلام اور تائید نبی۔اور نہ مجھے اس سے اپنی قابلیت کا شوق ہے اور نہ تو منتفع ہونے کا خیال، صرف اپنے مسلمان بھائیوں کو چاہ ضلالت میں گرنے نہ دینا اپنا مقصود دلی ہے"

تبصرہ:داڑھی کی شرعی حیثیت

یہ کتاب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جلیل القدر استاد سید سلیمان اشرف کے قلم حق سے صادر ہوئی ۴۰ صفحات پر پھیلی ہوئی یہ کتاب اپنے موضوع پر اطمینان بخش مواد فراہم کرتی ہے یہ کتاب ۱۴۳۰ء میں چھپ کر منظر عام پر آئی اس کی زبان نہایت سادہ اور آسان ہے تمام مسائل کو حوالوں کے ساتھ اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ تمام شرعی مسائل کو قرآنی آیات اور احادیث کے ساتھ مستند حوالوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب داڑھی کے مسائل پر ایک جامع اور رہنما تحریر ہے جو کہ اس موضوع پر تسلی بخش مواد فراہم کرتی ہے۔ داڑھی رکھنا ایک شرعی حکم ہے اور اس میں تمام انبیاء کی موافقت ہے اگر تہذیبی لحاظ سے دیکھا جائے تو داڑھی رکھنے سے انسان خود بخود شائستہ بن جاتا ہے سب لوگ اسے نیک شمار کرتے ہیں وہ کوئی ایسی بات نہیں کرتا جو شائستگی کے خلاف ہو اور اگر کبھی کرے بھی تو اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے اور ٹوکنے والے بھی اس کو برملا ٹوک دیتے ہیں۔ لیکن یہ تمام فوائد اور منافع اپنا جگہ لیکن اطاعت و بندگی کے سامنے یہ سب بہت ہیچ ہے جب بھی داڑھی رکھیں تو یہ بات ذہن میں ہو کہ یہ رحمت عالم نور مجسم کی محبت کی نشانی ہے۔

شریعت اسلامی انسان پر کوئی ایسی ذمہ داری عائد نہیں کرتی جو اس کے لئے گراں ہو اور خلاف فطرت ہو۔ شریعت میں کوئی چیز بے پیانہ نہیں ہر چیز کا پیمانہ متعین ہے ہر چیز کی ایک حد ہے جس سے تجاوز کرنا اس کے برعکس ہے اس لئے داڑھی کا حکم دیتے ہوئے س کی حد بھی متعین کر دی کہ وہ ایک مشت سے کم نہ ہو اس سے کم رکھنا تمام آئمہ کرام اور علماء کے نزدیک حرام اور ناجائزہ

کتاب الحج

نام کتاب—الحج

مصنف—پروفیسر سید سلیمان اشرف

ناشر—ادارہ پاکستان شناسی، لاہور

ضخامت—۲۵۶صفحات

زمانہ—طبع اول ۱۳۴۶ھ، طبع ثانی ۱۴۰۶

کتاب لکھنے کا سبب

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے جو ہر صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے یہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ لوگوں کو ضروریات زندگی سے بہت لاعلمی ہوتی ہے مثلاً نماز، روزہ کے متعلق تمام امور اور احکام سے لاعلمی ہوتی ہے اور حج جیسی عبادت کی ضروریات سے ناواقف ہونا بھی کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اس کے فرائض اور احکام سے ناواقف ہوتے ہیں۔ بہت سے حاجی افراد چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے لیکن مولانا کے نزدیک حج ایک ایسا رکن ہے کہ جس کی ادائیگی زندگی میں ایک بار ہی کافی ہوتی ہے اس لئے انہوں نے کوشش کی ہے کہ اس کے ادا کرنے میں ادب اور احتیاط کا کوئی بھی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ انہوں نے اس لئے ہی اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے تو اس میں ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے جیسے کہ آداب سفر، محرمات حج، لباس ،نیت، تلبیہ ،مکہ معظمہ میں داخلہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں قیام، طواف اور مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کے روضہ مبارک پر زیارت حاضری کی برکات و جزئیات تک کو زیر قلم لاتے ہیں تاکہ ہر مکروہ سے پرہیز کی جائے اور مستحب اور مستحسن فعل کو ادا کیا جائے۔[1]

چونکہ حج دوسری عبادات کی طرح روز روز ادا کرنے والا فرض نہیں ہے اس لئے اسے ہر حالت میں کامل اور اکمل طور پر ادا کرنا چاہئے مولانا صاحب جہاں حج کی اہمیت بیان کرتے ہیں وہاں حجاج کو بھی تلقین کرتے ہیں کہ انہیں بھی سراپا عجز و نیاز اور سراپا بندگی بنے رہیں یہ کتاب حج پر جانے والوں کے لئے ایک بیش قیمت تحفہ ہے جس کے مطالعے کے بعد کسی بھی مسلے کا جواز نہیں بنتا اور حاجیوں کی بہترین رہنماء ثابت ہوئی ہے۔

اس کتاب میں تقریباً دو سو کے قریب مضامین ہیں جن کو احاطہ میں لانا ایک مشکل امر ہے یہاں پر چیدہ چیدہ نکات کو بیان کیا جارہا ہے جو کہ درج ذیل ہیں

---

[1]۔ بہاری، سید سلیمان اشرف، الحج، ادارہ پاکستان شناسی، لاہور، ط اول، ۱۳۴۶ھ، ط ثانی، ۱۴۰۶ھ، جا اول، ص 9

مشمولات

صفحہ نمبر

اہم مضامین:

اس کتاب میں مصنف نے نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باعث تاریخی اور جغرافیائی تبدیلیوں کی مناسبت سے جابجا حواشی اور بعض عربی عبارات کا ترجمہ کروایا اس کے علاوہ اس میں ۱۳ نقشہ جات کا اضافہ کیا گیا ہے مثلاً نقشہ مواقیت، نقشہ مسجد الحرام، جدید نقشہ مسجد الحرام، نقشہ صفاء ومروہ میدان عرفات کا نقشہ، مکہ سے عرفات کا نقشہ، مکہ سے عرفات تک حاجیوں کا راستہ، نقشہ مقامات حج، نقشہ منیٰ، نقشہ حجاز، نقشہ ریاض تا مدینہ نقشہ جنت البقیع نقشہ اسطوانات رحمت۔

محرم کو جن باتوں سے پرہیز چاہیئے

زائر بیت اللہ نے جب احرام باندھ کر لبیک کہا تو سات چیزیں ایسی ہیں احرام سے قبل سے جائز ومباح بلکہ بعض چیزیں ان میں سے مستحب تھیں اب وہ بعض صورتوں میں حرام اور مکروہ ہو گئیں[1]

خوشبو یا تیل کا استعمال

سلا ہوا کپڑا پہننا

بال مونڈنا

[1]مصدر نفسہ، ص58

ناخن کترنا

عورت سے ہمکناری و ہم آغوشی

خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا

حرم اور حل

حرم کے آداب

حرم کے اندر گھاس اکھاڑنا یا وہاں کا کانٹا کاٹنا حرام ہے۔ چرند پرند یا کسی قسم کا شکاری جانور نظر آئے تو اس کا شکار کرنا یا اس جگہ کے وحوش وطیور کو کسی طرح کا آزار پہنچانا سخت حرام ہے ابن ماجہ میں یہ حدیث وارد ہے

رسول ﷺ نے فرمایا

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ : لاَ تَزَالُ هَذِهِ الأُمَّةُ بِخَيْرٍ ، مَا عَظَّمُوا هَذِهِ الْحُرْمَةَ ، حَقَّ تَعْظِيمِهَا ، فَإِذَا ضَيَّعُوا ذَلِكَ ، هَلَكُوا[1]

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا

قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ إِنَّ هَذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللَّهُ لاَ يُعْضَدُ شَوْكُهُ ، وَلاَ يُنَفَّرُ صَيْدُهُ ، وَلاَ يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلاَّ مَنْ عَرَّفَهَا[2]

خوشبو کا استعمال

اس میں تین قسم کی خوشبو آتی ہیں جن کا استعمال حرام ہے اور جائز نہیں ہے

۱۔ خالص خوشبو جیسے مشک، عنبر، کافور، زوفران، لونگ الائچی وغیرہ ان کا کھانا اور کپڑوں یا بدن پر لگانا حرام اور ناجائز ہے

۲۔ وہ کہ جو خالص خوش بو نہ ہو مگر خوشبو کا اصل ہو جیسے کہ زیتون اور کنجد ان کو دوائی کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے مگر خوشبو کے لئے جسم اور کپڑوں پر لگانا حرام ہے

---

[1] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب افضل مکتہ، حدیث 3110

[2] بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الصحیح بخاری، باب فضل الحرم، حدیث، 43

لو طيب بالقليل عضوا كاملا أو بالكثير ربع عضو لزم الدم[1]

وَلَوْ كَانَ الطِّيبُ فِي أَعْضَاءٍ مُتَفَرِّقَةٍ يَجْمَعُ ذَلِكَ كُلَّهُ فَإِنْ بَلَغَ عُضْوًا كَامِلًا فَعَلَيْهِ دَمٌ.[2]

ناخن کترنا

حالت احرام میں ناخن کترنا حرام ہے اگر کوئی ایسا کرے گا تو اسے شریعت کے حکم کے مطابق جرمانہ ادا کرنا ہو گا جیسے کہ اگر ایک ناخن سے چار تک صدقہ اور کامل ایک ہاتھ اور پاوں کے ناخنوں پر قربانی۔ اگر ایک ہی مجلس میں دونوں ہاتھوں اور دونوں پاون کے ناخن کاٹے تو ایک ہی قربانی ہو گی لیکن اگر الگ الگ مجلس میں ناخن کاٹے تو پھر چار چار قربانیاں ہو گی۔

صید و شکار:

حالت احرام میں ایسے حیوانات جو خشکی کے رہنے والے ہوں انہیں شکار کرنا یا ان کے شکار کی طرف اشارہ کرنا یا کسی شکاری کو ان کا پتہ بتانا ان کی طرف اشارہ کر کہ کسی طرح سے اعانت کرنا مثلاً چاقو، چھری، کارتوس گولی یا بارود وغیرہ دینا یہ سب حرام ہیں یا ان کے پر کاٹ دینا، پاؤں توڑ دینا، ان کے انڈے توڑ دینا، کھانا اور بھوننا یہ سب حرام ہیں اور باقی جانوروں کا شکار نہیں کیا اور اگر ان کا دودھ دھو لیا تو ان کے دودھ کی قیمت ادا کرنا ہو گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ

شکار کو زخمی کیا یا اس کا بال نوچا یا کوئی عضو کاٹ ڈالا تو تاوان بقدر نقصان ہو گا[3]

مکروہات رمی :

وہ کنکر جو کہ حرام ہیں اور مکروہ ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں

نجس کنکر پھینکنا مکروہ ہے

مقدار مختار سے زیادہ چھوٹی یا بہت بڑی مکروہ ہے

بڑے پتھر کو چھوڑ کر چھوٹی کنکریاں بنانا مکروہ ہے

رمی جمرات پے در پے نہ کرنا مکروہ ہے

---

[1] آفندی، محمد علاؤالدین، ابن عابدین، ردالمختار، باب الجنایتہ، ج،2، ص545

[2] الدمشقی، عبد الغنی، باب الجنایات، ج،1،، دارالفکر، بیروت، س۔ن، ص101

[3] شوکانی، محمد بن علی، فتح القدیر، باب فضیلت الحرم، حدیث208، مطبوعہ دار المعرفتہ، بیروت، س۔ن

جمرے کے پاس پڑی کنکریاں پھینکنا مکروہ ہے

تکبیر کا چھوڑنا مکروہ ہے

احادیث شریف میں ہے کہ

کسی بڑے پتھر کو توڑ کر چھوٹی چھوٹی کنکریاں بنانا جیسا کہ اس زمانے میں لوگوں کا معمول بن گیا تھا مکروہ ہے [1]

دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا

جمرے کے پاس سے کنکریاں اٹھا کر مارنا بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ مردود کنکریاں ہیں [2]

حدیث مبارکہ میں آپ نے فرمایا ہے کہ

اگر سات سے زیادہ کنکریاں پھینکیں تو جائز ہے لیکن اگر زیادہ پھینکیں تو مکروہ ہے" [3]

تبصرہ: الحج

یہ کتاب "الحج "کاروان علی گڑھ کے حدیٰ خواں پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری کے قلم حق سے ۱۹۲۸ء میں مدون ہوئی یہ کتاب ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اس کو مطبع مسلم علی گڑھ پریس سے حبیب الرحمن خاں شروانی نے شائع کروائی یہ کتاب آداب زیارت حرمین شریفین اور مناسک حج سے متعلق جملہ مسائل میں قرآن وحدیث کے مستند حوالوں کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے اس کتاب کی زبان نہایت آسان اور عام فہم ہے انداز سادہ اور دل نشین ہے ہر مسئلہ کو ایک عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

حج ارکان اسلام کی ایک اہم رکن ہے زندگی میں ایک بار فرض ہے وسائل اور مواقع کی کمی کی بدولت بہت کم خوش نصیبوں کو موقع ملتا ہے اس لئے لوگ حج کے مسائل سے عموماً ناآشنا ہوتے ہیں جس کسی کو حج کی سعادت حاصل ہوتی ہے وہ حج کے مسائل جاننے کے لئے بے تاب ہوتے ہیں اس موضوع پر بہت سی ایسی کتابیں لکھی جاچکی ہیں لیکن سید سلیمان اشرف بہاری نے اس مشکل کو عرصہ پہلے حل کر دیا تھا انہوں نے حج کے مسائل کو ایسے دلنشین اور سادہ حسن ترتیب سے بیان کیا ہے کہ ایک حاجی کے لئے ان کی کتاب "الحج "بہترین ثابت ہوئی ہے جس میں غیر ضروری تفاصیل سے اجتناب کیا گیا ہے اور ضروری مسائل کو ترتیب وار اور بڑے اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] نجیم، ابراہیم، زین العابدین، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، باب الجنایات فی الحج، ج7، ص31

[2] آفندی، ابن عابدین، احمد علاؤالدین، رد المختار، باب الجنایة، ج2، ص545

[3] آفندی، ابن عابدین، محمد علاؤالدین، ردالمختار، باب الجنایتہ، ج2، ص239

حدود میقات، مسجد الحرام، میدان عرفات، مقامات حج، حجاز، مسجد نبوی، اور جنت البقیع کے نقشے بھی شامل ہیں سب سے پہلے بھارت سے الحج شائع ہوئی تھی اب پاکستان میں اس کا بندوبست قابل دید ہے بہترین کتاب اور دیدہ زیب ٹائٹل نے کتاب کی افادیت کو بڑھادیا ہے۔ یہ کتاب سفر حج کی بہترین ساتھی ہے۔

الحج پر مولانا حبیب الرحمان شروانی کا تبصرہ

وہ الحج پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے ساتھ سفر حج میں ایک سے زائد رسالے تھے فقہ کی کتابیں بھی تھیں تاہم تجربہ ہوا کہ مسائل کا ان رسالوں سے اور کتابوں سے عین وقت پر معلوم ہونا آسان نہیں عموماً رسالوں میں مسائل حج متفرق طور پر لکھ دیے گئے ہیں عبارت کی صفائی و شگفتگی پر کم لحاظ رکھا گیا ہے ان رسالوں اور کتابوں کے ہوتے ہوئے بھی ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو شگفتہ اور پاکیزہ ذوق آفریں شوق افزاء بیان و عبارت میں ترتیب و تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہو۔ میں صاف اقرار کرتا ہوں کہ یہ رسالہ ساتھ نہ ہوتا تو بہت سے مسئلے معلوم ہی نہ ہوتے یا دقت سے ملتے اس رسالے نے مجھ کو بہت کچھ اور سہولت بخشی اس کے ساتھ دل میں ایک کیفیت شوق و نیاز پیدا ہو جاتا ہے

فصل دوم : سیاست پر تصانیف

النور

کتاب کا نام:النور

مصنف:سید سلیمان اشرف بہاری

زمانہ:۱۳۳۹ھ

ناشر:ادارہ پاکستان شناسی،۲/۲۴،لاہور

ضخامت:۳۲۰صفحات

لکھنے کا سبب

یہ کتاب لکھنے کا سبب دو قومی نظریہ ترک موالات اور مسلمانوں کی پس ماندگی کی تصویر بیان کرنا یہ کتاب مسلمان رہنماوں کی ابلہ فریبیوں سے نقاب اٹھاتی ہے اس میں تحریک خلافت مسئلہ قربانی مسئلہ تعلیم مسئلہ ہجرت اور موالات کے انتہائی اہم گوشوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے النور کی تالیف کا سبب تحریک خلافت اور ترک موالات کے دوران کانگریسی رہنماوں کے دجل وفریب سے پردہ ہٹانا ہے اور مسلمان رہنما کو تاہ بنی کا شکار ہو چکے تھے اس تالیف نے اسلامیان برصغیر پاک وہند کی آنکھیں کھول دیں اسے دو قومی نظریے پر مستند کتاب سمجھا جاتا رہا ہے۔[1] عالمی جنگ شروع ہوتے ہی انگریزوں نے اپنا رویہ سخت کر لیا پنجاب کے کاشتکاروں میں خوب بے چینی پھیلی امریکہ اور کینڈا سے ملک بدر کئے جانے والوں نے ہندوستان واپس پہنچ کر مظاہروں کا سلسلہ شروع کر دیا انگریزی حکومت کو خدشہ پیدا ہوا کہ دہشت پسندوں کی کاروائیاں کہیں عام بغاوت کی شکل اختیار نہ کر لیں اس خوف کے پیش نظر ۱۹۱۸ء میں رولٹ کمیشن کا تقرر کیا گیا جس کا مقصد سیاسی مجرموں کے بارے میں سفارشات تیا کرنا تھا۔

اس ایکٹ کے پاس ہوتے ہی ہندوستان میں ہڑتالیں اور مظاہرے شروع ہو گئے ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں ایک جلسہ قائم ہوا جنرل ڈائر نے بہت بے دردی سے اس جلسے پر فائرنگ کا حکم دیا اس کے فوراًبعد گورنر پنجاب نے مارشل لاء نافذ کر دیا اور اس میں پنجاب کے شریف اور بے قصور لوگوں سے بہت وحشیانہ سلوک کیا ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی اس بارے میں کہتے ہیں۔

---

[1]۔ بہاری، سلیمان اشرف، سید، النور، ادارہ پاکستان شناسی، سوڈھیوال کالونی ملتان روڈ، لاہور، 1429ھ، ص 5

مائکل نے مارشل لاء نافذ کر کہ مظالم کی وہ آگ برسائی جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں صرف ۱۸۵۷ء کا کشت وخون ہی پیش کر سکتا ہے چودہ چودہ برس کے بچوں کو ٹکٹکی میں باندھ کر کوڑوں سے پیٹا گیا کم از کم بیس کوڑوں کی سزا مقرر تھی حالانکہ بڑے سے بڑے سخت جان کی کھال ۶ کوڑوں کے بعد ادھڑ جاتی اور وہ بے ہوش ہو جاتا ہر ہر محلے سے معزز لوگوں کو نکالا جاتا اور برہنہ سر برہنہ پا ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال کر بازاروں میں پھرایا گیا مئی کی گرمی میں کالجوں کے طلبہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے سروں پر اپنے بستر اٹھا کر سولہ میل کا فاصلہ طے کر کے آئیں اور ہونین جیک کو سلامی دیں۔لاہور کے تمام باشندوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنا بجلی کا سارا سامان مثلاً بجلی کے پنکھے موٹر سائکل اور بجلی کے لیمپ فوج کے حوالے کر دیں سکول کے بچوں کو روز دوپہر کے وقت دھوپ میں کھڑا کیا جاتا اور انہیں فوجی افسر کے سامنے یہ کہنا پڑتا کہ حضور ہم نے کوئی قصور نہیں کیا ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا آئیندہ بھی ہم سے کوئی خطا سرزد نہیں ہو گی حکم صادر ہوا کہ جیسے ہی کوئی گورا فوجی نظر آئے تو مقامی باشندے کا فرض ہے کہ وہ اسے تانگے سے اتر کر سلامی پیش کریں۔

جب فوجی عدالتوں کے سامنے مقدمات کو پیش کیا جاتا تو کسی وکیل کو پیروی کرنے کی اجازت نہ ہوتی ملزموں کو پھانسی اور عمر قید کے علاوہ کوئی اور سزا مشکل سے ہی ملتی قصور میں ستائیس آدمیوں کو پھانسی اور تیرہ کو عمر قید کی سزا ہوئی گوجرانوالہ میں کسی نے پٹوار خانہ کو آگ لگادی تو اس جرم میں پانچ آدمیوں کو سزائے موت دی گئی ۔شہر کے بعض معزز اور سربراہ لوگوں کے گھروں کی دیواروں پر مارشل لاء کے احکام کے اشتہار چسپاں کر دئے جاتے اور حکم تھا کہ اگر اشتہار کو کسی نے پھاڑ دیا تو مالک مکان کو گرفتار کر لیا جائے گا چنانچہ مالک مکان کو سارادن گھر کے باہر پہرہ دینا پڑتا تا کہ کوئی شخص اشتہار کو ہاتھ نہ لگائے۔گائے ہندوؤں کے لئے معبود کی حیثیت رکھتی ہے اس کے برعکس مسلمان گائے کی قربانی کرتے اور ذبیحہ شعار کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے جب بھی مسلمان قربانی کرتے تو ہندوں کو ایسے لگتا کہ چھری میرے گلے پر چل رہی ہے گائے کے گلے پر نہیں اور وہ اس مسلمان کے خون کا پیاسا ہو جاتا وہ ذبیحہ کو گائے کشی کے نام پکارتا اور زبردستی منت سماجت خوشامد اور عیاری اور مکاری سے یعنی ہر حیلے بہانے سے مسلمان کے اس مذہبی شعار کو بند کرانے کی کوشش کرتا۔[1] گاندھی کی سیاسی ساحری نے مسلمانوں بہت حد تک مسحور کر دیا تھا اور ساتھ ساتھ ہندوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا تھا بقول موہن لعل بھٹنا گر مسلمانوں نے مہاتما جی پر وہ اعتبار اور یقین دکھلایا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔اور تحریک خلافت جس نہج پر پہنچ چکی تھی اس کا نتیجہ یقینی طور پر مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت نقصان کا باعث تھا یہ تمام وجوہات تھیں کہ جن کے سبب النور کو منظر عام پر لایا گیا۔

مشمولات	**صفحہ نمبر**
انسداد گاؤکشی کی سابقہ کوششیں	1
قرآن ومساجد کی بے حرمتی	2

[1] مصدر نفسہ، ص8

اہم مضامین:

انسداد گاؤکشی کی سابقہ کوششیں

ہندوؤں نے جب مسلمانوں کے مال و جائیداد کو لوٹ لیا تو اگلا ٹارگٹ ان کا مذہب کا لوٹنا اور مسمار کرنا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے مذہب پر حملے شروع کر دیئے۔ مظالم اور ریاکاری کا ایک پہاڑ تھا جس سے انواع و اقسام کے شعلے پھٹ نکلے [1] اور ان کی جائیداد کی طرح ان کی عزت و ناموس اور حمیت کو بھی ملیا میٹ کرنا چاہتے تھے۔ ہندو ہر ہر موقع پر مسلمانوں کو بہت تکلیفیں دیتے مگر بقر عید پر گائے کی قربانی پر جو تلاطم اور ہیجان پیدا ہوتا وہ کبھی احاطہ الفاظ میں نہیں آ سکتا۔[2] لیکن غیرت مند مسلمان اپنے اس دینی اور مذہبی استحقاق کو قائم رکھنے میں ہمیشہ استقلال و ہمت سے ان کی ستم کاریوں کی مدافعت کرتے رہتے ہیں ہندوں نے استفتاء میں اس بات پر زور دیا کہ جب بھی عید آتی ہے تو قربانی کی وجہ سے جو فساد پیدا ہوتا ہے اس سے لوگ بہت پریشان ہوتے ہیں تو مسلمانوں کو اس بات سے روک دیں کہ وہ گائے کی قربانی سے باز رہیں [3]۔ انہوں نے اس بات کی حد درجہ کوشش کی کہ حکام کچہری اس بات کا اعلان کر دیں کہ گائے کی قربانی کو مذموم ٹھہرایا جائے اس بات پر علامہ چریاکوٹی اور مولانا فاروق عباسی نے ایک رسالہ چھپوایا جس میں ہندوؤں کے اس بے بنیاد اور باطل قول کے خلاف آواز اٹھائی۔[4]

قرآن ومساجد کی بے حرمتی

ہندوؤں نے جوش وحشت میں آکر قرآن مجید کی بارہا بے ادبی کی، مساجد کی بے حرمتی کی انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کی طرف ظالمانہ ہاتھ بڑھائے ان کی جانوں اور عصمتوں کو نہایت بے باکی سے تباہ کیا۔ غرض ان کے اختیار میں جس قدر تھا انہوں نے مسلمانوں کے دین پر خوب حملے کئے ورنہ ہندوؤں میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ وہ قسطنطنیہ پر حملہ کرتے ان میں اتنی قوت کہاں تھی کہ عراق و شام پر فوج کشی کرتے انہیں اتنا سامان کہاں میسر تھا کہ جس سے مسلمانوں کے

---

[1]۔ مسعود احمد، پروفیسر، تحریک آزادی ہند اور السواد اعظم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 1987ء، ص33

[2]۔ طفیل احمد منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل، حماد الکتبی، شیش محل روڈ لاہور، س۔ن، ص124۔126

[3] محمد عبد القدیر، ہندو مسلم اتحاد پر خط مہاتما گاندھی کا نام، مطبوعہ علی گڑھ، 1925، ص18

[4] مصدر نفسہ، ص48

مقامات مقدسہ پر اپنا تصرف کرتے یا جزیرہ عرب کو اپنے دائرہ حکومت میں داخل کرتے ان کی انتہائی قوت بس اتنی تھی کہ مسلمانان ہند پر حملوں سے اپنی کھو کھلی منت پذیری کا ثبوت دیں جو احسان و امتنان مسلمانوں نے اپنے ایام سلطنت میں ان کے ساتھ کئے تھے۔ [1]

ہڑتال کی ایجاد

ستیا گرہ میں ہڑتال کی ایجاد مسٹر گاندھی کی تحریک کا ہی نتیجہ ہے یہ وہ ہی کام ہے جس کا مزہ ہندو عوام پچھلے کئی سالوں سے لے رہی ہے۔ جب ملک نے اس تحریک کے اصلی مقصد کو سمجھ لیا تو ان کو آگے بڑھ جانے کو کہا گیا ایک وقت ایسا بھی آیا کہ لوگوں کو محدود دائرہ کے اندر ہڑتال کے آرڈرز ملے اور یہ تحریک بہت کامیاب بھی ہوئی اس تحریک کا دائرہ کار بس دوکانوں کی حد تک ہی رہا اس میں بھی مصلحت یہ تھی کی اعوام ہڑتال کے فوائد سے آشنا ہو جائیں تو پھر اس کا دائرہ وسیع کیا جائے گا غرض اس وقت خلافت کمیٹی نے جو تجاویز مسلمانوں کے سامنے پیش کیں وہ سدیشی اور ہڑتال ہیں سدیشی کی تحریک بہت قدیم ہے لیکن ہڑتال کی ایجاد ستیا گرہ کے موقع پر ہوئی ان دونوں کا اصلی تعلق اعوام کی فلاح و بہبود سے ہے ہوم رول اور سلف گورنمنٹ کے استقبال کرنے والے خدام انہی تحریکات کا نتیجہ ہیں۔

سیاسی علماء کا مدلس فتویٰ

جس وقت سیاسی لیڈروں نے خلافت کے خلاف آواز بلند کی اسی وقت سیاسی علماء نے بھی اپنی آراء اور اپنا فتویٰ شائع کرنا ضروری سمجھا اور وہ فتویٰ بہت ہی عجیب و غریب اور عیاری و مکاری سے لبریز تھے فتوے میں مندرجہ ذیل مسائل پر روشنی ڈالی گئی

خلافت و نصب امام

شرائط امام و خلیفہ

جزیرۃ العرب کی تحدید اور اس کے متعلق احکام شرعیہ

جہاد کی اہم قسم و دفاع کے احکام اور اس کا وقت

اس فتوے کا عام مقصد یہ ہی تھا کہ خلیفہ وقت کی طرف سے اجازت ہے اور عالم اسلامی پر دفاع فرض عین ہے اب ایسا وقت آگیا ہے کہ کسی کو بھی کسی دوسرے کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے بیٹے کو اجازت ہے کہ وہ والدین کی اجازت کے بغیر اور بیویاں اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر جہاد پر نکل کھڑی ہوں اور خلیفہ وقت کی آواز پر ہر نفس لبیک کہے۔ یہ فرض بالکل اسی طرح فرض ہے جس طرح کسی کی بھی اجازت کے بغیر نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا فرض ہے اسی طرح جہاد میں بھی

---

[1]۔ حسین احمد مدنی، مولانا، نقش حیات، ج2، بیت التوحید، کراچی، س۔ن، ص83

والدین اور شوہر کی اجازت کی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ہر ایک عالم اپنے دائرہ اثر کا مرکز بن کر مجاہدین فی سبیل اللہ تیار کرے جہاد کے لئے سامان جنگ تیار کرے اور مجاہدین فی سبیل اللہ کا نعرہ بلند کریں نعرہ تکبیر سے فضائے ہند پھر ایک بار گونج اٹھے۔[1]

اسلام کامل و مکمل ہے

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے قرآن پاک میں ہے کہ

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[2]

دین اسلام کو خدا کے پیارے رسول ﷺ نے ہم تک پہنچایا اور ہم سب نے اس پر لبیک کہا اور اس کے کسی بھی حکم سے کبھی منہ نہیں موڑا ہر فرمان ہدایت کو کھلے دل سے قبول کیا اس نبی برحق کی تصدیق کی اور اس کے اتباع کو وسیلہ نجات جانا وہ کسی وقت کسی حالت میں بھی احتیاج کا ہاتھ کسی غیر کی طرف پھیلائے یا اس دین کی کوئی تعلیم اپنے متبع کو رحمت و مصیبت میں مبتلا کر دے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

زندگی کا کوئی بھی لمحہ ہو جو اس عالم امکان میں وقوع پذیر ہو سکتا ہے ان سب کے طریق عمل کا صحیح نمونہ پیغمبر اسلام کی حیات میں موجود ہے امت مسلمہ کی سعادت اسی میں ہے کہ اپنے واقعات زندگی میں اسی حیات مبارک کی تقلید و پیروی کرے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[3]

کافر کو نوکر رکھنا

کسی کافر کو نوکر رکھنا جائز ہے اس کے بارے میں حضور پاک ﷺ نے ارشاد ہے

آپ نے عبد اللہ بن اریقط کو نوکر رکھ لیا اور وہ کافر تھا[4]

توحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی کافر کو نوکر رکھنا جاہے ناجائز نہیں ہے۔

---

[1] مصدر نفسہ، ص38

[2] المائدہ5 : 3

[3] احزاب 37:21

[4] البغوی، حسین بن مسعود، شرح سنہ، باب الاستجار الحرار، حدیث، 2184

کافر کے ساتھ وفا اور انصاف

ایک دفعہ مسلمانوں کی کفار سے جنگ ہوئی تو اس جنگ میں ابو البختری نامی ایک کافر موجود تھا حضور پاک ﷺ نے اس کے بارے میں صحابہ کو حکم دیا کہ ابو لبختری کو امن میں رکھنا اور اسے تکلیف نہ پہنچانا بلکہ اسے حفاظت سے میرے پاس لے کہ آنا صحابہ نے جب اس کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں مکہ میں تھا تو اس نے مجھے اپنی زبان اور ہاتھ سے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچائی آج اس کا عوض یہ ہے کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے صحابہ کا ابو البختری سے سامنا ہوتا ہے تو وہ اسے امان دیتے ہیں لیکن وہ اپنے ساتھی کی بھی امان چاہتا ہے تو اس کی اجازت نہ تھی اور آخر کار ابو لبختری بھی مارا گیا۔

صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے اسے قید کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا اور پھر میں نے آخر اسے قتل کر دیا۔[1]

مسئلہ خلافت

اللہ پاک نے اپنے نبی ﷺ کو اپنا آخری پیغمبر بنا کر بھیجا اور قیامت تک اس سلسلے کو بند کر دیا اب کسی دوسرے کی کوئی گنجائش ہی نہیں بچتی اور لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ کہ قیامت تک یہ ہی شریعت قائم رہے گی کسی نئی شریعت کا نزول نہیں ہو گا اب اس بات کی ضرورت تھی کہ اس سلسلے کو بچانے کے لئے نہ تو فرشتے کام آ سکتے تھے اور نہ ہی کوئی اور دوسرا انتظام تھا مذہب کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ اس کا بازو سیاست سے قوی کر دیا جائے۔[2] یہ حقیقت ہے کہ جو مذہب اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اس کا وجود محال ہو جاتا ہے مذہب اسلام ہمیں پاکیزہ سے پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے پھر ارتکاب جرائم پر حدود و تعزیرات سے سد باب عصیاں بھی کرتا ہے اسلام کے محفوظ و مامون ہونے کے لئے تین اصول قائم کئے گئے۔

ا۔ مسلمانوں کا کوئی ایک مرکز ہونا چاہئے

۲۔ اس مرکزی مقام کا کوئی ایک امیر ہونا چاہئے

۳۔ مرکزی مقام پر ایسی قوت مجتمع رہے کہ کوئی بد اندیش نظر اٹھا کر نہ دیکھ سکے

---

[1] الاصبحانی، ابو نعیم، معرفتہ الصحابہ، حدیث، 5703

[2]۔ میاں عبد الرشید، پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1982، ص110۔114

خلیفہ کی اطاعت سب پر فرض ہے لیکن صرف اسی صورت میں کہ مذہب سے تصادم نہ ہوتا ہو اگر مذہب سے تصادم ہوگا تو اس کی اطاعت و فرمانبرداری عوام پر لازم نہ ہوگی۔[1]

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ [2]﴾

اور جب ان کو زمین میں اقتدار دیا جاتا ہے تو وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [3]﴾

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونہ چاہئے جو بھلائی کا حکم دیتی رہے اور برائی سے روکتی رہے

النور پر علماء کی آراء

فرخ صابری اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"النور کی اس تالیف نے تحریک خلافت اور ترک موالات کے دوران کانگریسی رہنماؤں کے دجل و فریب کے شکار ہو جانے والے رہنماؤں کا ذکر کیا ہے۔ سید سلیمان اشرف کے نزدیک یہ مسلم قائدین کو تاہ بینی کے شکار ہو چکے تھے اس تالیف نے اسلامیان برصغیر پاک وہند کی آنکھیں کھول دیں اسے دو قومی نظریہ پر ایک مستند دستاویز سمجھا جاتا ہے"[4]

محمد احمد سبز واری لکھتے ہیں

"یہ تحریک خلافت اور ترک موالات سے متعلق ہے ہماری نئی پود تو ان اصطلاحات سے واقف نہیں مگر مرحوم سلیمان اشرف نے کچھ پردہ نشینوں کے پردہ چاک کر کے سب کو حیرت زدہ کر دیا ہے"[5]

اختر راہی

النور تحریک خلافت اور ترک موالات کے دور کے مباحث کو سمجھنے کے لئے ایک بنیادی ماخذ ہے "[6]

---

[1]مصدر نفسہ، ص148

[2]الحج 41: 22

[3]ال عمران 3: 110

[4]ماہ نامہ ادب لطیف، لاہور، مارچ، اپریل 2010ء

[5]۔ماہنامہ، قومی زبان، کراچی، نومبر 2009ء

[6]۔ششماہی نقطہ نظر، اسلام آباد، شمارہ 28، اکتوبر 2009ء تا مارچ 2010

تبصرہ:النور

النور سید سلیمان اشرف بہاری کے قلم حق سے صادر ہوئی۔یہ ۳۲۰صفحات پر مشتمل ایک عمدہ اور نادر تاریخی خزانہ ہے جو کہ ۱۹۲۱ءمیں سوڈھیوال کالونی ملتان روڈ سے شائع کی گئی۔یہ کتاب مسلمانان ہند کی تعلیمی،تہذیبی پس ماندگی کا نقشہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ملی زندگی کے نقائص کو بھی واضح کرتی ہے۔دین اسلام ہی وہ مضبوط زنجیر ہے جس سے مسلمانوں کے منتشر اجزاء کی تعمیر نو ہوتی ہے۔

یہ دو قومی نظریہ پر ایک مستند کتاب ہے ۔تحریک خلافت اور تحریک موالات کے دوران گاندھی کے کردار کی صحیح ترجمانی کرتی ہے اس کا فریب اپنی جگہ لیکن خلافت تحریک نے ہندوستان کی سیاست کے رخ کو بدل کر رکھ دیا تھااس تحریک نے مسلمانوں میں آزادی کی حقیقی روح پھونک دی تاریخ خلافت تاریخ کا وہ سنہرا باب ہے جو دورس اثرات کی وجہ سے ان مٹ نقوش قائم کر گیاہے۔

زیر نظر کتاب اپنے دور کی صحیح ترجمانی اور تصویر کشی کرتی ہے اس کتاب میں بہت سارے ایسے سیاسی افکار و نظریات اور مکر و فریب سے پردہ اٹھایا گیاہے جو اس دور کے سیاستدانوں نے عوام کے ساتھ کیے۔ آج یہ ملک جس میں ہم رہ رہے ہیں کسی طشتری میں سجا کہ پیش نہیں کیا گیا بلکہ اس کے پیچھے قربانیوں تکلیفوں ،اذیتوں اور مصیبتوں کے سمندر ہیں جن کو ہمارے بزرگوں نے پار کیااور اس ڈوبتی ناؤ کو کنارہ دیالیکن ہم نے ان قربانیوں کی لاج نہیں رکھی اور اس کا ایک ثبوت وہ المناک سانحہ ہے جس کی بدولت ملک دو ٹکڑوں میں بٹ گیا اور اندرا گاندھی کو نظریہ پاکستان کے خلاف دریدہ دہنی کا موقع ملا۔بدقسمتی سے پاکستانی علماء اور سیاسی لیڈران متفق نہ تھے اور انگریزوں نے اس بات سے خوب فائدہ اٹھایااور مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔سب سے پہلے مسئلہ خلافت سے دوچار ہونا پڑاتحریک خلافت جس مقام پر چل نکلی تھی اس کا نتیجہ یقیناً مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت نقصان کا باعث تھا۔مسلمانوں نے ہندوستان پر سات سو سال حکومت کی ۔ہزاروں علماء کو ارض ہندوستان نے جنم دیا لیکن ان سالوں میں کوئی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کا رہبر بنا دیا گیا ہو۔مشرکین ہند نے اسلامی خصوصیات و امتیازات کو مٹاڈالا،طرح طرح کی خرافات اپنائیں اور اسلامی شعائر کو بند کرنے کی کوششیں کیں۔مسلمانوں کی ہجرت بھی ایک بڑامسئلہ رہی ہے کس طرح انہیں دربدر کی ٹھوکریں کھاناپڑیں اور ارض ہندوستان کو ان کے سانس لینے کو بھی تنگ کر دیا گیا۔اس بات پر علماء کرام نے مختلف فتوے بھی دیئے۔

مسئلہ گاؤکشی اس دور کا سب سے سنگین اور مسلمانوں کے لئے مشکل عظیم بناہوا تھا اس کتاب میں سید سلیمان اشرف نے ۷۰ سے زائد ذیلی عنوانات قائم کرکے عقلی و نقلی دلائل سے حلال جانوروں کے ذبح و قربانی کو نہایت خوش اسلوبی سے ثابت کر دکھایااور ذبح گاؤ کے خلاف ہندوؤں کے مظالم کو کھول کھول کر بیان کیا۔

خلافت تحریک اور اور مسلمانوں کی اس تحریک سے وابستگی اور اس کے نتائج پر بحث کی گئی ہے مولانا اشرف بہاری اور امام احمد رضا ابتداء میں اس تحریک کے خلاف تھے مگر اس تحریک کے نتائج اتنے عمدہ رہے کہ جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کو ایک نئے سرے سے ترتیب دینے کی ضرورت محسوس کی گئی جو ان کے درمیان رنگ و نسل قوم و وطن کے امتیازات و حدود کی چٹانوں کو پاش پاش کرتے ہوئے اسلامی شریعت کے ذریعے ہی مقرر ہوتی ہے۔ تحریک خلافت میں گاندھی کی شمولیت سود مند نہ تھی اس کتاب کے تحریر کئے جانے کا مقصد بھی یہ ہی تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین گاؤکشی کے معاملے میں تنازعات کافی جڑ پکڑ چکے تھے اور مسلمان اس بات کو اپنا شعار سمجھتے تھے

البلاغ

کتاب کا نام: البلاغ

مصنف کا نام: سید سلیمان اشرف بہاری

ضخامت: ۱۳۲

زمانہ: ط، اول، ۱۹۱۱، ط دوم، ۱۴۳۱ھ

ناشر: ادارہ پاکستان شناسی سوڈھیوال کالونی ملتان روڈ، لاہور

لکھنے کا سبب:

البلاغ جس وجہ سے عالم اسلام کے سامنے شائع ہو کر آئی اس کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں سے چیدہ چیدہ بیان کی جا رہی ہیں یہ ایسے دور میں لکھی گئی جہاں پر مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم کئے جا رہے تھے اور مسلمان بہت سے مسائل سے دوچار تھے وہیں پر ترکی کی خلافت عثمانیہ اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے چیلنج نے ان کی پریشانیوں کو مزید بڑھا دیا تھا۔ عالم اسلام پر پریشانیوں کے بادل منڈلا رہے تھے ۱۹۱۱ء میں اٹلی کی حکومت نے ترکی کے شہر طرابلس پر حملہ کر کہ مسلمانوں میں شدید بے چینی پیدا کر دی مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا مسلمان عورتوں کو زبردستی عیسائی بنا دیا گیا ان کے خاندانوں کے گلے کاٹ دئے گئے دو لاکھ چالیس ہزار مسلمان شہید کر دئے گئے ایران اور ترکی میں جو قہر برپا ہوا اس پر عالم اسلام کا بے چین ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لئے اسلام نے جس محبت و ہمدردی کا سبق مسلمانوں کو پڑھایا وہ ان کے دلوں سے نہیں مٹ سکتا ان کا دل تو کتے بلی کی تکلیف پر بلبلا اٹھتا ہے تو پھر اپنے بھائی کی تکلیف کو کیسے برداشت کر سکتا ہے حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے

"کہ تمام مومنین کی مثال ایک جسم واحد کی طرح ہے اس کی آنکھ دکھتی ہے تو تمام جسم دردمند ہو جاتا ہے اور جب سر میں درد ہوتا ہے تو سارا جسم آزار مند ہو جاتا ہے یہ ہی وجہ ہے کہ جب انہیں پتہ چلتا ہے کہ ان کے بھائی رومیوں کے خنجروں سے شہید کر دئے گئے ہیں تو وہ اپنے بستروں پر تڑپ جاتے ہیں جب یہ خبر ملتی ہے کہ عربوں کے خون سے طرابلس کی سرزمین لالہ زار بن گئی ہے تو ان کے قلوب سینے میں خون ہو کر سینے میں بہنے لگتے ہیں"۔ [1]

مسلمانوں کے اجسام متعدد ہیں مگر روح سب میں ایک ہے یہ وہ ہی روح ہے جسے آج سے تیرہ سو سال برس بیشتر نبی کریم ﷺ نے مکے کے ریگستانوں اور طیبہ کی وادیوں میں بیٹھ کر پھونکی تھی۔

سید سلیمان اشرف مسلمانوں کی حالت زار کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں

---

[1]۔ سعید احمد، ملک، ڈاکٹر، گاندھی مسلمان اور پاکستان، ہیومن ویلفئر ایسوسی ایشن، لاہور، فروری 2008ء، ص 52

اس وقت بے شک تمام دنیائے اسلام کے مسلمانوں کی حالت زار ہے عبادتوں سے جو غذائے انسانی ہے وحشت ہو گئی ہے اور معاملات سے بے تکلفی نہ اتفاق مسلمانوں میں ہے نہ اتحاد نہ ان کا کوئی مرکز ہے نہ ان کا کوئی محافظ ہے نہ کوئی اصول تمدن پر چلانے والا ہے نہ سیاست و حرب کی طرف کوئی رہبری کرنے والا ہے اس پر دشمنان الہی کا ہر طرف سے نرغہ ہے"

مشمولات

اہم مضامین

اسلام اور خلافت

اسلام کے محفوظ و مامون رہنے میں ایک اصول یہ قرار دیا گیا کہ مسلمانوں کا کوئی ایک مرکز ہونا چاہئے اور اس کا کوئی محافظ بھی ہونا چاہئے چنانچہ مکہ معظمہ بیت اللہ اور مدینہ طیبہ تمام دنیا کے مراکز قرار پائے اور ذات بابرکات ان دونوں جگہوں کی محافظ قرار پائی۔ انسانوں کو اچھے اخلاق کی تعلیم دی گئی اور ایسا تو ہو نہ سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ خود آکر ان کو وعظ و نصیحت فرماتا اور رسولوں کا سلسلہ بھی بند ہو چکا تھا اور نہ ہی فرشتوں کو اس کام پر مامور کیا جا سکتا تھا چنانچہ انسانوں کو ہی یہ ذمی داری سونپی گئی کہ ان میں سے کچھ لوگ خدا کے نائب کی مانند بن جائیں اور لوگوں پر حکومت کریں انہیں اچھے اخلاق کی تعلیمات دیں اور برے کاموں سے روکیں ایسی عادتیں جو اخلاق کے لئے سخت تباہ کن تھیں مثلاً شراب نوشی اکل حرام وغیرہ ان سے پرہیز کریں اور لوگوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ اپنے خلیفہ کا ادب و

احترام کریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں سوائے اس صورت میں کہ وہ تمہیں خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف کوئی حکم دے تو اس کی بات نہ مانے[1]

اسلام اور حرب

دین اسلام نے جنگ کو بھی لازمی قرار دیا ہے کیونکہ اس کے بغیر حیات اسلامی کا وجود محال ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس قوم کے پاس اپنی حفاظت کا سامان نہ ہو اس کے مذہب کی اشاعت ایک مشکل امر ہے اس لئے اسلام نے بحالت اغیار دو قسمیں کی ہیں ایک تو وہ ہیں جن سے عہد و پیمان ہو جائے اور وہ جزیہ ادا کریں تو یہ ذمی ہیں ان سے نہ تو جنگ جائز ہے اور نہ ہی ان کے خلاف مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت ہوتی ہے بلکہ اگر کوئی باہر سے بھی ان سے جنگ کرتا ہے تو بھی مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ان سے لڑائی کریں اور ان کی حفاظت کریں۔ دوسری وہ قومیں ہیں جن سے جنگ ہو رہی ہو یا ہونے کا امکان ہے انہیں حربی کہتے ہیں ان کے لئے اصول و قواعد حرب کے بنائے گئے ہیں تاکہ لڑائی میں بھی اسلامی اعتدال کا لحاظ رکھا جائے قرآن پاک میں آتا ہے کہ

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ[2]﴾

اور تم بھی انہیں اللہ کے راستے میں قتل کرو جو تمہیں قتل کرتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

جنگ کے بارے میں بھی تعلیمات دی گئی ہیں کہ تم جب بھی کفار سے لڑائی کرو تو وہ بس اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے لڑو نا کہ نفسانی خواہشات کے لئے۔ پھر اس کے بھی اصول قائم کئے کہ لڑائی میں تم عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور خانقاہ نشینوں کو قتل نہ کرو۔ اس کے بارے میں قران پاک میں ارشاد ہے کہ

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا[3]﴾

اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی جو تمھیں مسجد حرام سے روکتی تھی اس بات پر مجبور نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو

اور یہ بھی تعلیم دی گئی کہ جو لوگ تم سے شائستگی سے پیش آئیں تم بھی ان سے نرمی سے پیش آؤ کیونکہ اگر تم ان سے شگفتگی سے پیش آؤ گے تو خدا کو یہ امر بہت پسند ہے۔ سلطان صلاح الدین کے زمانے میں جب صلیبی جنگیں ہوئیں تو اس وقت دشمن کی فوج میں ہیضہ پھیل گیا سلطان نے انہیں چار سو قرابے عرق گلاب کے دشمن کی فوج کو بھیجے جب انہوں نے اس بات پر تعجب کیا تو سلطان نے جواب دیا کہ

"تم ہمارے ملک میں تلواروں کے مقابلے میں مر و بیمار ہو کر کیوں مرتے ہو۔"

---

[1]۔ مصدر نفسہ، ص45

[2]البقرہ2: 190

[3]۔المائدہ 5: 2

اس وقت تم ہمارے دشمن ضرور ہو لیکن ایک انسان ہونے کے ناطے مجھ پر تمہاری تیمارداری فرض ہے۔ مگر جب عیسائیوں نے بیت المقدس فتح کیا تو چالیس دن تک قتل عام جاری رکھا اور مسلمانوں کے شیر خوار بچوں کو آغوش مادر سے لیکر دیواروں پر اس زور سے مارتے کہ وہ چپک کر رہ جاتے مگر جب صلاح الدین نے بیت المقدس فتح کیا تو چالیس روز تک اذن عام دے رکھا کہ جو کوئی جہاں جانا چاہتا ہے چلا جائے مسلمانوں میں سفاکی و بے رحمی نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو جب بھی خدا کی طرف سے حکم ہو دشمن سے لڑنے کا تو وہ ذرہ برابر بھی سستی نہ دکھائیں کیونکہ وہ حق اور سچ کا ساتھ دینے والا ہے اور مسلمانوں کی اور حق پر رہنے والوں کی مدد کرنے والا ہے۔

پانچ ہدائتیں

اولاً

عرب قوم دنیا کی سب سے غیور، طاقت ور، کامل شجاع اور آزاد قوم ہے منکرات ایام نے انہیں اور ان کے بیش بہا قابلیتوں کو مستور ونہاں کر رکھا ہے خلفائے عباسیہ کے دور سے لیکر آج تک یہ قوم پستی چلی آرہی ہے۔ آل عثمان نے بھی خدا کی اس نعمت کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا بلکہ تحفظ سلطنت کے خیال سے ان کی جفا کا خنجر اور بھی تیز ہو گیا اور کسی کا خیال بھی ان کی اصلاح کی طرف مائل نہیں ہوا۔ اگر ان کی کچھ تربیت کی ہوتی تو آج سلطنت ترکی علوم وفنون کا مرکز ہوتی۔ اس امر پر غور کریں کہ خطہ عرب میں کس قسم کے دارالعلوم قائم ہونے چاہئیں دمشق، بغداد، طرابلس، نجد یمن، مکہ اور مدینہ ان تمام جگہوں پر مدارس قائم کئے جائیں اور تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا جائے اگر اس وقت ذرہ برابر بھی تن آسانی کی گئی تو دشمن اپنے تدلیس و تلبیس کے جال میں ان کو اسیر کرلے گا عربوں کو خوب سمجھنا چاہئے کہ دشمن کے ہاتھ میں شربت کا پیالہ نہیں بلکہ زہر قاتل ہے جس کا ذائقہ شکر سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔

ثانیاً

یہ گزارش ہے کہ اس زمانے میں دوسری قومیں مٹی سے سونا پیدا کر رہی ہیں جبکہ ہم اشرفیوں کو خاک میں ملا رہے ہیں ایام حج میں حجاج کرام جو قربانیاں دیتے ہیں ان کا کوئی فائدہ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ مٹی میں دفن کر دئے جاتے ہیں لاکھوں کی قربانیاں کیجاتی ہیں اور پھر اس طرح مٹی میں ملا کر خاک بنادی جاتی ہیں کاش مسلمانوں کی ایک جماعت سلطان سے اجازت لیکر وہاں کسی مناسب مقام پر ایک کارخانہ جاری کرے اور اس میں تمام مذبوح کو دفن کیا جائے اور چمڑے کی دباغت کرکے چرمی اشیاء تیار کی جائیں جس سے ملک کو کروڑوں کی آمدنی ہو سکتی ہے اگر دوسرے ملک کا باشندہ ایسا نہیں کر سکتا تو خود سلطان کو اس طرف توجہ دینی چاہئے اور اس آمدنی سے مدارس قائم کرنے چاہئیں۔[1]

[1] مصدر نفسہ، ص43

ثالثًا

یہ التماس ہے کہ ایام حج میں تقریباً ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں اور ان ایام میں اس پاک سرزمین پر پہنچ کر سچی محبت اور خلوص تمام حجاج کے دل میں ہوتا ہے لیکن افسوس ہم اس جمیعت و جذبہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے ایک ملک کا باشندہ دوسرے باشندے سے مل کر اس کے ملک کے بارے میں دریافت کرتا ہے اور نہ ہی علماء مل کر امت کو اس کی فکر دیتے ہیں کہ انہیں مل کر بیٹھنا چاہئے۔ حالانکہ علماء و مشائخ کا یہ فرض ہے کہ اس جگہ جو کہ مرکز اسلام ہے اور جہاں سے اسلام کا دریا رواں ہوا ہے ایام حج میں حمیت اسلامی کا ایسا جوش وہاں پر پھیلائیں کہ غفلت و ہوس کے وسوسے بھی کر خاک ہو جائیں اور حجاج کرام اتباع سنت سے ایسے آراستہ ہو جائیں کہ وطن پہنچ کر ان کی ظاہری و معنوی یک رنگی دیگر ابنائے وطن کو بھی اس توحید کے رنگ میں رنگ دے۔

رابعًا

ہر مسلمان اپنی آمدنی میں سے ایک سہل حصہ ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لئے نکالا کرے اور ایک جگہ پر سب کے پیسوں کو اکٹھا کیا جائے اور ایک ایماندار جماعت تیار کی جائے جو اس رقم میں سے سالانہ سلطان کی خدمت میں مصارف حرمین کے لئے بھیجی جائے نیز اس سے یہ فائدہ بھی ہو گا کہ چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لئے ملک کو جو ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے اس میں بھی کمی واقع ہو گی۔ اور یہ پیسہ کس طرح جمع کیا جائے اس کے امین کن کن اوصاف کے مالک ہوں اس کا فیصلہ اہل حل و عقد خود کریں اور یہ ادارہ ہر شہر میں الگ الگ قائم ہونا چاہئے۔

پانچویں

سب سے اہم بات یہ ہے کہ علماء کا ہر شہر میں ہونا ضروری ہے جس طرح سلاطین ایک دوسرے کے شہر میں مقیم رہا کرتے تھے اسی طرح آج بھی ضرورت ہے کہ اسلام کے نائب ہندوستان اور افغانستان میں بھی مقیم ہوں تاکہ باہم مشورے سے دینداری کا اثر مسلمانوں میں پیدا کریں۔ اور کسی بھی امر شرعی کے لئے آپس میں مشورہ کرنے میں بھی آسانی رہے گی کیونکہ دین ہی وہ خصوصیت ہے جو مسلمانوں کو ساری دنیا میں ممتاز کرتی ہے۔ ہماری مذہبی حالت تباہ ہو چکی ہے اگر ہمارے اسلاف ہمیں قبروں سے نکل کر دیکھیں تو واللہ انہیں ہمارے اسلام کا وہم بھی نہ ہو۔ کیونکہ ایک وقت ایسا تھا کہ مسلمانوں کا نصب العین دین و ایمان تھا لیکن آج کے دور میں دنیا اصل مطلوب اور دین ایک امر فضولی لگتا ہے۔ افسوس اسلام کیا تھا اور ہم نے کیا کر دیا ہے کل کو جب خدا کے سامنے حاضری ہو گی تو ہم کیا منہ لے کر اس کے سامنے جائیں گے اور نافرمانی کا ذلیل طوق گلے میں ہو گا۔[1]

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾[2]

---

[1] مصدر نفسہ، ص45

[2] ال عمران 3 8

حالانکہ اللہ پاک نے ہمیں یہ بتادیا ہے کہ

﴿فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾.[1]

اور جو لوگ اس کے بر عکس کام کریں گے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہی ذلیل ور سوا ہوں گے ایک بد مزہ اور نامفید زندگی ہو گی جس میں ہمیں رہنا پڑے گا۔

﴿قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾[2]

تبصرہ: البلاغ

البلاغ ۴۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ پہلی بار مطبع احمدی علی گڑھ سے رشید احمد انصاری کے اہتمام سے شائع ہوئی کتاب کی زبان نہایت آسان اور سادہ ہے۔ کتاب کے سر ورق پر خلافت عثمانیہ کا سرکاری اعزاز آویزاں ہے اور ساتھ یہ عبارت تحریر ہے

"مسلمانوں کے ملی انحطاط بے عملی بے نظمی اور خلافت عثمانیہ کے تاریخی تناظر میں ملت کے لئے ایک جامع اور رہنماء تحریر"۔

اس کے آغاز میں ناشر نے ۳۵ صفحات کا مقدمہ لکھا ہے۔ ابلاغ کے آغاز میں سید سلیمان اشرف نے سقوط خلافت کے بعض حالات کا نقشہ پیش کیا ہے نیز موجودہ دور کے عالمی حالات میں امت مسلمہ کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر بقاء اور استحکام کی فکر دلائی ہے۔ البلاغ میں سید سلیمان اشرف بہاری نے مسلمانوں کے ملی انحطاط بے عملی اور خلافت عثمانیہ کی تاریخی و تہذیبی زندگی کا خاکہ پیش کیا ہے۔ اسلام اور خلافت اسلام اور تمدن اسلام اور سیاست اسلام اور حرب جیسے اہم موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے۔ خلافت عثمانیہ کے چیدہ چیدہ واقعات پر نظر ڈالی ہے اس میں ترکوں کے عروج وزوال اور اتحاد اسلامی کے نقطہ نظر کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر عشرت وحید نے اس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ:

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی یہ تصنیف نہ صرف سلطنت عثمانیہ کے زیر و بم سے آگاہ کرتی ہے بلکہ اس کے عروج وزوال کی داستان بھی سناتی ہے اور اسلام اور خلافت کے باب میں اسلام کا تصور خلافت بھی بیان کرتی ہے"

سید سلیمان اشرف کا خیال تھا کہ ملت اسلامیہ اسی وقت پوری دنیا میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہے جب وہ کسی مرکزی محافظ کے زیر اثر ہو اس لئے ہی انہوں نے مکہ اور مدینہ کو دنیائے اسلام کا مرکز گردانا ہے۔ عالم اسلام کی تقسیم اور ترکی خلافت کا شیرازہ بکھرنے کے بعد ظاہراً مسلمانوں میں امت کا تصور ناپید ہو گیا تھا لیکن آج بھی کئی وقوعات ہمارے سامنے ہیں جس سے اتحاد امت کے اثرات عالمی سطح پر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کتاب ملت کے تصور کو زندہ کرنے میں مدد فراہم کرتی

---

[1] البقرہ2 132

[2] الکھف 18:39

ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے علامہ اقبال نے یہ قول سید سلیمان سے ہی لیا ہے کہ طاقت کے بغیر دین محض ایک نظریہ یا فلسفہ ہے اسلام اور خلافت میں سید سلیمان لکھتے ہیں کہ

جو مذہب اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اور اپنی مامون زندگی کے لئے طاقت روا نہیں رکھتا اس کا وجود محلات عادیہ میں سے ہے وہ ایک فلسفہ خیالی سے زائد مرتبہ نہیں رکھتا۔"

علامہ اقبال کے افکار سید سلیمان اشرف سے بہت ملتے ہیں علامہ بھی مسلمانوں کو سوئے حرم لے جانے کا داعیہ رکھتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ سے وفا کو لوح قلم کا مالک گردانتے ہیں اور۔ یہ کتاب ایسے ہی اس دور میں بھی پر حکمت اور بلیغ افکار سے بھری ہوئی ہے۔ اس کی ضرورت ان کے اپنے دور میں بھی تھی اور آج بھی ہے۔ اور علامہ صاحب نے بالکل درست فرمایا ہے کہ ملک ہاتھوں سے جاتا ہے تو جائے احکام حق سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے۔

فصل سوم

تاریخ پر تصانیف

الخطاب

نام کتاب: الخطاب

مصنف کا نام: سید سلیمان اشرف بہاری

زمانہ: ط اول ۱۹۱۵، ط دوم ۲۰۱۲

ضخامت: ۱۸۸ صفحات

ناشر: ادارہ پاکستان شناسی، لاہور

سبب تالیف

تحریک موالات کے دوران مسلمانوں کے کئی تعلیمی اداروں کو نقصان پہنچایا گیا جیسے کہ اسلامیہ کالج لاہور اسلامیان ہند کی عظیم علمی درسگاہوں پر حملے کئے گئے اور علی گڑھ یونورسٹی پر بھی حملے کئے اور خلافت کی باگ دوڑ سنبھالنے والے علی گڑھ کے یہ طلباء تھے اور علی گڑھ ان کی فیکٹری کی مانند تھا اگر کام کرنے والوں کی فیکٹری ہی نہ رہے تو وہ کام کیسے کریں گے تاریخ کے ایسے بہت سے اوراق ہیں جن سے پردہ ہٹانا اس تحریر کا مقصد ہے۔ ہندوستان سے مسلمانوں کی سلطنت جب زائل ہوئی تو ۱۸۵۷ء کے واقعہ نے ان کی آنکھیں کھول دیں تو اس کے بعد مسلمانوں کی آنکھیں کھولیں تو انہیں معلوم ہوا کہ سلطنت کے ساتھ ساتھ ان کے کمالات و محاسن بھی رخصت ہو گئے

جب اپنی سلطنت علوم اسلامیہ کی حمایت اور حفاظت کے نہ رہی تو ترقی کے سارے زینے ٹوٹ گئے اور مسلمانوں کے علوم وفنون کی عمارت بھی گر گئی۔ جب سلطنت جاتی ہے تو اس قوم کے محاسن و خوبیاں بھی اس قوم سے رخصت ہو جاتے ہیں اور کافی دیر تک اپنے اثرات چھوڑ جاتے ہیں اور مولانا صاحب کا مقصد بھی یہ ہی تھا اور اس موضوع کو اجاگر کرنے کے لئے یہ تحریر فرمائی۔

مشمولات	صفحہ نمبر

[1] مصدر نفسہ، ص 2

علامہ صاحب نے اپنے خطاب میں کوشش کی ہے کہ لوگوں کو یہ بات سمجھ آجائے کہ کئی مقامات ایسے آتے ہیں کہ جہاں قوم مسلم کی اخلاقی زبوں حالی تعلیمی و اقتصادی پس ماندگی و زوال آمادگی کا نوحہ کیا ہے اور انہیں اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کا سبق باور کرایا ہے[1]۔ الخطاب کا آغاز صلح حدیبیہ کی تاریخ اور فتح مکہ کے پس منظر کی وضاحت سے ہوتا ہے شرائط صلح مسلمانوں پر عیاں تھی اور وہ اس سے شاق تھے لیکن نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی کہ یہی چیز شہر مکہ کی عظیم فتح کی وجہ بنے گی اور سوختہ جانوں کو قلبی سکون میسر آئے گا قرآن پاک میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا﴾.[2]

اہم مضامین

ا۔ فلسفہ عملی و نظری

عالم دنیا میں جس قدر چیزیں پائی جاتی ہیں سب کی دو حالتیں ہیں بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ جو ہماری قدرت و اختیار میں ہوتی ہیں جیسے کہ علم صدق و دیانت دوسری وہ چیزیں ہیں جن کا وجود ہماری قدرت و اختیار میں نہیں ہے جیسا کہ آفتاب، زمین، چاند اور سورج وغیرہ۔ پہلی قسم کے فلسفہ کو فلسفہ عمل اور دوسری قسم کو فلسفہ نظر کہتے ہیں۔ پہلی قسم کو فلسفہ عمل اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں مجرد علم کمال انسانی کو کافی نہیں ہوتا مثلاً: ایک شخص اتفاق کے معنی نہیں جانتا اسے پتہ ہی نہیں ہے کہ اتفاق سے مراد کیا ہے تو اسے اتفاق سے متعلق عمر بھر وہ فوائد حاصل نہ ہوں گے جو اس سے مراد ہیں اور ایسا علم اس کو قطعاً مہذب نہ

---

[1] مصدر نفسہ، ص82

[2] الفتح 48 : 1

بنائے گا جب تک اس کا حقیقی علم معلوم نہ ہو اصول یہ ہی ہے کہ انسان وہ علم حاصل کرے جو اسے آگاہی دے اور اچھی اور بری باتوں میں فرق بتائے تا کہ نفیس اور پاکیزہ باتوں پر ملکہ حاصل ہو جائے جیسے کہ قرآن پاک میں ہے کہ

﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾[1]

قرآن کا طرز استدلال

قرآن پاک میں حضرت ابراہیم کا قصہ موجود ہے آپ نے چار مرتبہ مناظرہ فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

﴿ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ -﴾[2]

دوسرے مباحثہ میں آپ نے اپنے باپ سے فرمایا

يٰٓ اَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا [3]

تیسرا مباحثہ اپنی قوم سے فرمایا

﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ﴾[4]

چوتھا مباحثہ آپ نے نمرود سے فرمایا

﴿قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾.[5]

فیثاغورث کی یک حکایت

فیثاغورث جو کہ ایک مشہور حکیم اور بڑا دانشور سمجھا جاتا تھا اس کے نظریے پر یورپ کی انتہائے فکر قرار پکڑتی ہے اس نے یہ نظریہ دیا ہے کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ لیکن مذہب کے معاملے میں ایسی فاش اور صریح غلطی کرتا ہے کہ اس کا تمام فلسفہ دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے یہ حکیم تناسخ کا بھی قائل تھا۔

---

[1] العلق96: 5

[2] الانعام6: 76

[3] مریم19 : 42

[4] انبیاء2 : 52

[5] بقرہ2 :252

ایک دفعہ ایک شخص کتے کو مار رہا تھا اور کتا چیختا جارہا تھا فیثا غورث وہاں سے گزرا تو اس نے اس شخص سے کہا کہ اس پر میری وجہ سے رحم کرو اس میں میرے ایک دوست کی روح نے جنم لیا ہے قابل غور بات ہے کہ اولاً تناسخ کا قائل ہونا اور پھر ایک کتے میں روح کا حلول کر جانا اسے اذعان کے ساتھ پہچاننا اور اس بناء پر رحم کا خواہاں ہونا اس سے عقل انسانی کی پرواز معلوم ہو جاتی ہے۔

حقیقی حالات اور حقیقی علم

لوگوں کو اس بات کی ضرورت تھی کہ ان کے پاس ایک ہادی اور ایک معلم کو بھیجنا چاہئے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنا کلام اپنے رسول کی معرفت سے ہم تک پہنچایا اس کلام ہدایت کا نازل ہونا تھا کہ دنیا میں ہل چل مچ گئی۔ حالانکہ ہمارے تمام علوم میں کسی نہ کسی طرح بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں لیکن کلام اللہ میں کسی بھی طرح کی کوئی گنجائش نہیں وہ تو سراپا رشد و ہدایت ہوتا ہے قرآن پاک میں اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾[1]

عربوں کی حالت قبل از بعثت

بعثت نبوی کے وقت عرب کے لوگوں کی حالت یہ تھی کہ تقریباً کوئی چھ یا سات آدمی ایسے تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے جس سے وہ لوگ کاروبار اور تجارت کرتے تھے ان کی تمدنی حالت یہ تھی کے چمڑے کے خیمے تھے جن میں وہ لوگ رہتے تھے بکریاں اور اونٹ ان کی معیشت میں شامل تھے اس لئے جہاں کہیں انہیں پانی اور سبزہ نظر آتا وہیں پر اپنے خیمے نصب کر لیتے۔ ان کی سلطنت کی حالت یہ تھی کہ نہ کوئی بادشاہ تھا نہ ہی ان پر حکومت کرنے کے لئے کوئی قانون موجود تھا قبائل کے شیوخ سردار ہوتے تھے اگر کبھی کسی کی جمعیت زیادہ ہو جاتی اور دل خوش ہوتا تو اس کو سلطان کا لقب دے دیا جاتا تو چند روز میں کوئی قبیلہ اس سے لڑ پڑتا تو اس کے لقب و خطاب کا خاتمہ کر دیا جاتا۔[2] ان حالات میں خدا نے اپنے رسول ﷺ کو اپنا آخری نبی بنا کر بھیجا جس نے ان جاہل اور اجڈ قوم کو شائستہ آداب سکھائے آداب معاشرت سکھائے ان میں سے برائیوں کا خاتمہ کیا اور انہیں دنیا کی ذلیل ترین قوم سے شائستہ ترین قوم بنا دیا اور ان کو حکم دیا کہ

اے لوگو کہو اللہ ایک ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے[3]

---

[1] الفتح 48 : 28

[2] مصدر نفسہ، ص 31

[3] امام احمد، مسند احمد، باب حدیث ربیعہ بن عباد، حدیث 16066

خلاف فطرت آزادی

انسان اگر اپنے اقوال وافعال میں اتنا آزاد ہو جائے کہ اس کا جو جی چاہے جس کو چاہے کہہ دے تو ایسی آزادی قطعاً ناپسند قابل نفرت اور محال الوجود ہے۔ ہر معاشرہ کچھ اصولوں کا پابند ہوتا ہے اس کے قواعد واصول ہوتے ہیں اس کے قول وفعل کا ایک دائرہ محدود ہوتا ہے جس سے تجاوز کرنا اسے ایک مہذب معاشرے سے نکال باہر کرتا ہے۔ حکماء کا ایک قول ہے کہ اگر کسی کے خیالات کی بلندی وپستی کا مطالعہ کرنا چاہو تو اس کے کام حرکات وسکنات پر نظر ڈالو اس کے اعمال اس کے خیالات کے عکس ہوتے ہیں یہ بات تو طے ہے کہ قول وفعل آزاد اور شتر بے مہار نہیں ہوتے بلکہ مذہب کے تابع ہوتے ہیں

تو کسی بھی انسان کے جو خیالات اور قول وفعل ہوتے ہیں وہ اس سوسائٹی سے حاصل کرتا ہے جس میں وہ رہا ہوتا ہے یا پھر گرد وپیش کے حالات کا اثر ہوتا ہے اگر اس کے اقوال افعال اس کی سوسائٹی کے برعکس ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس معاشرے کی تعلیمات کو ٹھکراتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم سب کیوں نہ اپنی خیالات وتعلیمات کو صحبت وطرز رسول کے تابع بنائیں قرآن پاک میں ہے

﴿وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ[1].﴾

بے شک آپ اعلیٰ اخلاق پر فائز ہیں۔

تصاویر

کتاب میں بہت ہی خوبصورت اور دیدہ زیب تصاویر موجود ہیں جن میں مندرجہ ذیل تصاویر شامل ہیں

جامع مسجد یونیورسٹی

آدم جی پیر بھائی منزل کا سامنے کا منظر

پیر بھائی منزل کے اندر یادگار پتھر

سید صاحب کے مزار کے مقابل لوح پر منظوم وصال

مرقد مبارک کا کتبہ

یادگار پتھر کا واضح منظر

کانفرنس کے اجلاس مذکورہ کے مندبین کا گروپ فوٹو

---

[1] القلم 68 : 4

تبصرہ:الخطاب

یہ کتاب ۱۹۱۵ءمیں محمد مقتدیٰ خاں شروانی نے شائع کرائی۔اسکے ۳۵۰ صفحات ہیں۔اور اس کا آغاز قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ سے ہوا ہے۔یہ کتاب دراصل ایک عمدہ تاریخی خطاب کی تحریری شکل ہے جو کہ راولپنڈی پاکستان کی ایک رجحان ساز کانفرنس کے اٹھائیسویں اجلاس میں سید سلیمان اشرف نے دیا تھا اور اس کو کتابی شکل محمد مقتدیٰ خاں نے دی ہے۔سید سلیمان اشرف صاحب کی یہ آخری کتاب ہے جو پاکستان میں شائع ہوئی اس کتاب میں مسلم قوم کی عظمت رفتہ کی بازیافت کا شدید احساس موجیں مار رہاہے یہ بات سو فیصد سچ ہے کہ ہمارا علمی،اخلاقی،سیاسی اور معاشی زوال ہماری ہی کوتاہیوں اور سستی کا نتیجہ ہے یہ بے راہ روی سراسر بے راہ روی اور گھاٹے کا سوداہے جس میں ذرہ بھر بھی عروج نہیں ہے اسلام کی بدنامی میں ہمارا بھی ہاتھ ہے ہم نام تو اسلام کی صداقت اور نا قابل شکست کا لیتے ہیں اور زندگی کے فیصلے دماغ سے کرتے ہیں نہ ہمیں شریعت کے مسلمہ اصول یاد آتے ہیں نہ ہی رسول کی کامیاب زندگی پھر تو زوال یقینی ہے جس کا پورا منظر نامہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے پھر بھی ہم نہیں بدلتے اور زمانے کو کوستے ہیں کسی بات کی منصوبہ بندی نہیں کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم آج بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں ایک صدی قبل تھے۔

حالانکہ اللہ پاک نے انسانوں کی متمدن زندگی کے لئے ایک پورالائحہ عمل دیاہے اور اپنی تعلیمات اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعے ہم تک پہنچائی ہیں وہ نبیوں کے سالار بھی ہیں بے مثال ہوتے ہوئے عجز وانکساری کا پیکر ہیں تواضع ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔یہ رسول ﷺ ہماری زندگی میں ایک قائد اور مصلح ہے اس کی زندگی کا ہر ایک پہلو ایک آئین رکھتاہے وہ بندہ مومن بھی اللہ کی بارگاہ میں جھکنے کو پسند کرتا ہے ہمیں غور کرنا ہے کہ ماضی سے سبق لیکر زندگی کا یہ کارواں آگے بڑھاناہے۔ہمارے زندگی قطعی صرف ہماری نہیں ہے ہمیں چمن اسلام کی باغبانی کرنی ہے۔اپنی عظمت رفتہ کے لئے بھی کوشاں رہناہے زندہ ضمیری کا بھی ثبوت دیناہے شعور و آگہی کی دولت بھی پیدا کرنی ہے دنیا کا ہر عروج ہمارے در پر دستک دیتا رہا لیکن ہم نے اپنے رسول ﷺ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیاہے زوال ہمارا مقدر بن گیاہے۔علامہ سلیمان اشرف ایک حقیقت بیان کرتے ہیں کہ جس طرح کل کا کھانا آج کی بھوک کو دفع نہیں کر سکتا اس طرح اقبال کا تذکرہ آج ہمیں اقبال مند نہیں بنائے گا جس طرح میت پر نوحہ کرنے سے اس کی مراجعت نہیں ہوتی اس طرح ہائے وائے کرنے سے وہ نعمت اسلامی واپس نہیں آسکتی۔[1]

اللہ تعالی نے ہمیں ترقی کے اصول بتائے ہیں دنیا کا ہر جمال ہمارے لئے ہے اس لئے ہم ہر کمال کے حق دار ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان کمالات کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے دنیا کی ہر چیز ایک دوسرے کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے جو ان کے کام آتی ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات بنایاہے تاکہ وہ اپنے خالق کی بندگی میں رہے۔

---

[1] مصدر نفسہ،ص19

اسلام نہ سائنس کا مخالف ہے نہ تمدن کا جب کائنات کی ہر چیز ہمارے لئے مسخر کر دی گئی ہے تو تو ہم پر لازم ہے کہ ان سے استفادہ کریں۔ سائنس نے کبھی توحید ،الوہیت نبوت اور رسالت وحی اور الہام سے کبھی بحث نہیں کی اگر کوئی ایسا کہتا ہے کہ سائنس ان باتوں کا انکار کرتا ہے تو یہ بات سراسر افتراء ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ جائز حدود میں رہتے ہوئے ان علوم کی تحصیل کریں اور اللہ نے ہمیں جس کام کے لئے پیدا کیا ہے اس کو بجالائیں لیکن اگر ہم دنیا میں کھو کر اپنے اصلی مقصد کو بھول جائیں گے تو یہ ناقابل معافی گناہ ہو گا۔ آج حالت ایسی ہو چکی ہے کہ جو لوگ ان علوم کی طلب میں لگ جاتے ہیں وہ خود کو دین سے بیگانہ سمجھنا شروع کر دیتے ہیں نہ ان میں اخلاقی اقدار ہوتی ہیں نہ دینی شعور ہوتا ہے بس علم اور دنیا کی طلب ہوتی ہے یہ بہت بڑی ناسمجھی کی بات ہے جس کا تدارک ضروری ہے صرف علم معیار صداقت نہیں بن سکتا جب تک اخلاقی خوبیاں موجود نہ ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کو علم کی میراث بھی دی اور اخلاق کا حسن و جمال بھی انہیں عطا فرمایا اور یہی چیز صحابیت کی نشانی بنی۔

الرشاد

کتاب کانام:الرشاد

مصنف:سید سلیمان اشرف بہاری

زمانہ:۱۳۳۹ھ

ضخامت:۸۳

ناشر:ادارہ پاکستان شناسی،لاہور

وجہ تالیف

اس کتاب کو تالیف کرنے کی سب سے بڑی وجہ تھی تحریک خلافت میں گاندھی کی شمولیت اور گاؤکشی کا معاملہ جو کہ خوب زوروں پر تھاہندوؤں نے مسلمانوں کا جینادوبھر کیاہوا تھااور وہ چاہتے تھے کہ ملک میں کوئی ایسا قانون بنایاجائے کہ گائے کی قربانی کوختم کر دیاجائے اور یہ کام کرنے کے لئے انہوں نے ہر حربہ استعمال کیالیکن ان کی دال نہ گل سکی۔

مشمولات	صفحہ نمبر

اہم مضامین:

تعظیم گاؤ کی اہمیت

گائے کی قربانی مسلمانوں کا عقیدہ اور ایمان ہے لیکن یہ وہ دور تھا جب کہ ہر طرف گائے کی قربانی کو دلوں کی تکلیف اور اذیت ناک عمل قرار دی جا رہا تھا اور ایسا کرنے والوں میں کسی اور کا نہیں مسلمانوں کا ہی سب سے بڑا ہاتھ تھا وہ شعائر اسلام کو ملیامیٹ کرنے کے لئے دشمنان اسلامی کی تائید میں لگے تھے

حدیث شریف میں ہے کہ میں قربانی کے بارے ہے کہ

قربانی واجب ہے ہر آزاد مسلمان مقیم صاحب مقدرت پر اپنی طرف سے عید الاضحی کے روز اور قربانی کے جانور اونٹ گائے اور غنم ہیں۔

قصص انبیاء کا مقصد

قرآن پاک میں انبیاء کے جتنے بھی قصے ہیں ان سب کا مقصد امت محمدی ﷺ کی تربیت اور اصلاح و فلاح ہے اگر انسانوں کے معاملات میں خوشنودی باری تعالی ہے تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی حاصل کریں گے اور اللہ تعالی کا قرب انہیں حاصل ہو گا۔

قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے کہ

﴿أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ.﴾

خبر دار ہو جاؤ اللہ والوں کا ہی گروہ فلاح پانے والا ہے [1]

حیات مسلم کا لمحہ

اللہ تعالی نے انسانوں کو اس دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے وہ ہر وقت اپنے خدا کی رضا اور خوشنودی میں لگے رہتے ہیں خوشی میں اس کا شکر بجا لاتے ہیں اور غم اور تکلیف میں اسی سے مدد مانگتے ہیں اس کے پیارے رسول ﷺ نے بھی یہ ہی تعلیم دی ہے کہ: میری نمازیں میری قربانیاں اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ تعالی کے لئے ہے جو اس سارے عالم کا رب ہے۔

مسلمانوں کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہوتے ہوں۔

مرد مسلم کی مثال

اس مثال میں یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ اللہ پاک اپنے صابر و شاکر بندوں کو آزماتا ہے ان پر مصیبت لاتا ہے جس میں برداشت کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے کیونکہ وہ خود فرماتا ہے کہ وہ کسی کو اس کی بساط سے بڑھ کر نہیں آزماتا تو مومن تو وہ ہیں جو بڑی سے بڑی آزمائش میں ثابت قدم رہیں اور اپنے پروردگار سے کبھی کوئی شکوہ نہ کریں حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے کہ جس کے پتے نہیں گرتے اور موسم خزاں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ درخت مسلمانوں کی طرح ہے بیان تو کرو کہ وہ کون سا درخت ہے صحابی کرام جنگل کے درختوں کی طرف خیال کرنے لگے حضرت عبد اللہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں کہ کھجور کا درخت ہے پھر

---

[1] المجادلہ 58 : 22

صحابہ نے دریافت فرمایا تو آپ نے فرمایا کہ وہ کھجور ہی ہے اور یہ ہی مثال مومن کی ہے کہ چاہے اسے کتنی ہی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی وہ خدا کی رضا میں خوش رہتا ہے اور کبھی اس سے شکوہ نہیں کرتا۔[1]

کانگرس اور مسلمان

مسلمانوں پر ایک دور ایسا بھی آیا کہ جب زندگی ان پر تنگ کر دی گئی اور ہندو اور مسلمانوں کا اتفاق مثل دن اور رات کے تھا۔ مسلمانوں میں کانگرس کی شرکت سے بہت پریشان ہوئے تھے اور یہ ہی چاہتے تھے کہ کسی طرح کانگرس کی شرکت نہ ہونے پائے لیکن ان حالات میں دینی اور دنیاوی حیثیتوں سے نہ صرف شرکتِ کانگریس بلکہ کانگریس جیسی آواز کا نکالنا بھی گناہ عظیم قرار دیا گیا اور خوب زور آزمائیاں ہوئیں اور دل کھول کر قوتوں کا صرف ہوا[2]۔

مسلمانوں کا سیاسی عزم

مسلمانوں نے ہمیشہ اپنے ملکی بھائیوں کا ساتھ دیا اور کڑے سے کڑے حالات میں ان کے ساتھ کھڑے رہے رولٹ بل کا پاس ہونا ہو یا پھر ستیا گرہ کی ایجاد مسلمانوں نے آگے بڑھ چڑھ کر لبیک کہا اظہار نارضامندی کی ہڑتالیں ہوئیں مسلمانوں نے ان کو دل کھول کر قبول کیا مسلمانوں نے جو قدم کانگریس کی طرف بڑھایا وہ محض رسمی نہیں تھا بلکہ اس میں عزم تھا، ایثار تھا، استقلال تھا اور مسلمانوں کے اتفاق کی وجہ سے کانگریس اپنے بہت سے مطالب و مقاصد میں کامیاب ہو گئی۔ اور اس اتحاد و اتفاق سے کانگریس اپنی مذہبی دیار اور مقدس آثار کو اس ذرہ کمال کو پہنچ گئی کہ جہاں اسے برسوں میں پہنچنا ایک خواب لگ رہا تھا۔

مساجد کی بے حرمتی

مساجد خدا کا گھر ہیں اسے پاک صاف رکھنا سب مسلمانوں پر فرض ہے لیکن اہل ہنود و کفار نے مساجد کی بہت بے حرمتی کی حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ مساجد میں نجس اور ناپاکی لیکر جانا سخت ممنوع ہے اہل ہنود تو مسلمانوں کے وجود کو بھی نجس اور ناپاک خیال کرتے ہیں اور مسلمان انہیں اپنی مساجد میں لے گئے اور انہیں ممبر پر جگہ دے دی حالانکہ ممبر تو مسجد کا سب سے ممتاز اور بلند مقام ہوتا ہے ذرا یاد کرو کہ ممبر کس کی جگہ تھی اور اس پر سے کس کی تبلیغ و تلقین بلند ہوئی لیکن خاصان خدا اور توحید کے مکان میں مبلغ کی حیثیت سے ہنود کو سربلندی بخشنا اس دور کے مدعیان اسلام کا خاصہ ہے۔

تبصرہ: الرشاد

یہ کتاب ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۹۳۹ء میں مطبع انسٹی ٹیوٹ گزٹ سے مولوی مقتدیٰ خاں شروانی نے شائع کروائی۔ یہ اس دور کی تصنیف ہے جب مسائل خلافت اور قربانی گاؤ پر علماء ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے ابتدائی صفحات میں مولانا نے جس درد انگیز اور دل کو چھو جانے والے انداز میں امت

---

[1] مصدر نفسہ، ص4

[2] ایضاً، ص8

کے احساس کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جاسکتا اس کے بعد انہوں نے قربانی گاؤ کے مذہبی، معاشی، اور سماجی پہلوؤں کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لیا ہے اور اس کے دورس نتائج کا واضح الفاظ میں اظہار کیا ہے۔ آپ نے علماء کے اس گروہ کے کردار کو بیان کیا ہے جب انہوں نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر شعائر اسلام کو پس پشت ڈال دیا اور اسلامی اقدار اور روایات کو اس کی حقیقی روح سے منہ موڑ لیا آپ نے اس کتاب میں قرآنی آیات اور احادیث نبوی کو بھی بیان کیا ہے۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ساٹھ سال کی تگ ودو کے بعد مسلمانون نے جو اپنی علمی دینی اور معاشی ساکھ بحال کی تھی ترک موالات اور ہجرت کا جو طوفان اٹھا تھا اس کے نیست ونابود ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ محمڈن کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج پشاور کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے نہ صرف منصوبے بنائے جارہے تھے بلکہ باطل طاغوتی اسلحہ سے لیس ہو کر ان تعلیمی اداروں پر حملہ آور بھی ہو چکا تھا اور ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس بے پناہ یلغار کی تاب نہ لاسکیں گے اور یہ سب کچھ انہوں نے ایک ساحر ہندو کے اشارے پر کیا تھا۔ بعض مسلمان اکابر اپنا دین و ایمان اس پر نثار کرنے کے لئے تیار تھے اور ان اکابر سے ایسے ایسے اقوال و افعال صادر ہوئے کہ آج ساٹھ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی آج بھی ان کے مطالعے سے خواص تو کیا عام لوگ اور عام مسلمانوں کی گردن بھی شرم وندامت سے جھک جاتی ہے ان مسلمان علماء اور لیڈروں کو ذہنی طور پر اپنی مکمل گرفت میں دیکھ کر گاندھی اور دیگر ہندو زعماء نے سوچا کہ اب مسلمانوں سے ان کا امتیازی مذہبی شعار گائے کی قربانی یا ہندو کے الفاظ میں گاؤکشی ترک کروانا کوئی مشکل کام نہیں رہا تو انہوں نے زور دے کر کہنا شروع کر دیا کہ ہندو اور مسلمانوں میں تفرقہ کی بس ایک یہ ہی وجہ ہے کہ مسلمان گائے کی قربانی کرنا ترک کر دیں اور اگر مسلمان اس فعل قبیح سے باز آجائیں گے تو مسلمان اور ہندو ہمیشہ کے لئے ایک ہو سکتے ہیں۔ گائے کا گوشت سارے عالم میں کھایا جاتا ہے یورپ، امریکہ، افریقہ اور ایشیاء کے تمام ممالک میں مسلمانوں کو گائے کو ذبح کرنے کا جو اختیار حاصل ہے اسے اس طرح اپنے ہاتھوں سے کھونا اور اہل ہنود کے قتل و غارت سے خوف زدہ ہو جانا اسلام کو ذلیل کرنا اور دین کی توہین عظیم ہے۔

قربانی فی نفسہ مسلم، مستقیم آزاد اور مستطیع پر واجب ہے تو گائے کی قربانی سے باز آجانا اور رک جانا سراسر بزدلی اور اسلام کی توہین اور سخت گناہ ہے جو کہ ناقابل معافی ہے۔ جامع مسجد دہلی کے منبر پر شردھانند سے تقریریں کرائی گئیں ایک ڈولی میں قرآن پاک اور گیتا کو رکھ کر جلوس نکالے گئے مسلمانوں نے قشقے لگائے گاندھی جی کی تصویروں اور بتوں کو گھر میں آویزاں کیا گیا۔ تحریک خلافت گاندھی نے خود شمولیت اختیا کی اگر وہ اس میں شریک نہ ہوتے تو مسلمانوں کی عظیم قوت کا مقابلہ ہندو بھی نہ کر سکتے تھے۔ گاندھی کا دجل اپنی جگہ مگر خلافت تحریک نے ہندوستان کی سیاست کے رخ کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس تحریک کے نتائج سے بے نیازی اور مصائب و آلام سے انتہائی بے پروائی نے مسلمانوں میں آزادی کی روح پھونک دی تھی جو بھرپور عوامی جذبے کی کار فرمائی کا نتیجہ تھا۔ تحریک خلافت ہماری تاریخ کا وہ سنہرا باب ہے جو اپنے دورس اثرات کی وجہ سے انمٹ نقوش قائم کر گیا۔

فصل چہارم

متفرق تصنیفا

السبیل

نام کتاب:السبیل

مصنف کانام:سید سلیمان اشرف بہاری

زمانہ:۲۰۱۴ء

ضخامت:۱۳۲صفحات

ادارہ پاکستان شناسی سوڈھیوال کالونی ملتان روڈ،لاہور

سبب تالیف

لارڈ کرزن کی تقسیم بنگال کے بعد ڈھاکہ یونیورسٹی قائم ہوئی وہاں پر اسلامیات کا شعبہ قائم کیا گیا۔نواب زادہ آفتاب احمد خاں نے اسلامیات کے شعبے کو اپنی یونیورسٹی علی گڑھ میں بھی نافذ کرناچاہاتو علامہ سید سلیمان اشرف کو اسلامیات کے نصاب کے بارے میں کہا گیا کہ وہ نصاب متعین کریں اسی دوران صاحبزادہ اپنی میعاد ممبری انڈیا کونسل پوری کرنے کے لئے باہر چلے گئے السبیل جب چھپ کر آئی تو نواب صاحب کی طبیعت پر بہت گراں گزری انہیں ان کی کتاب اور اس میں موجود نصاب کے لئے ہدایات پسند نہ آئیں اور اس پر اظہار ناپسندیدگی کیا۔

اہم مضامین

اسلامی سلطنت اور علوم اسلامیہ

ہندوستان سے جب مسلمانوں کی سلطنت ختم ہوگئی تو وہ بہت دل برداشتہ ہوئے ایسا صدمہ پہنچا کہ ان کے دل و دماغ ہی ماؤف ہوگئے سوچنے سمجھنے کی تمام حسیں جیسے مفلوج ہوگئیں ان حالات میں انہیں بالکل یاد نہ رہا کہ کس چیز کو اخذ کرنا چاہئے اور کس چیز کو ترک کر دینا چاہئے۔ اس سراسیمگی کے عالم میں بہت سے ترک امور اختیار کر لئے گئے اور بہت سے ایسے امور جو کہ قابل ترک تھے ان کو اختیار کر لیا گیا۔

عربی سے وحشت

مسلمانوں کی جب سلطنت ہی اجڑ گئی باقی نہ رہی تو انہوں نے اپنے علم اور اپنے ورثے کو بھی بچا کر نہ رکھا ان کا خیال تھا کہ جب سلطنت یہ نہ رہی ہے تو علوم و فنون تو کسی بھی قوم اور سلطنت کی پہچان اور قابل فخر ہوتی ہے تو ان کی حفاظت بھی اب کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہ خیال پیدا ہو گیا کہ عربی اور اپنے تمام علوم کی حفاظت کرنا اب فضول اور بے معنی ہے اور انہوں نے عربی زبان کی حفاظت کو بھی ترک کر دیا اور اس سے انہیں وحشت پیدا ہو گئی۔

سرکاری سند کی ضرورت

یہ بات بالکل درست ہے کہ کسی کے ہاتھ میں چاہے جتنی بھی فضیلت یافتہ سند کیوں نہ ہو وہ اس نے چاہے جتنے بھی اچھے ادارے سے حاصل کی ہو جب تک اس ملک کی حکومت اسے درجہ فضیلت نہ دے وہ تب تک وہ بے وقعت ہی رہے گی اور جب مسلمانوں کی حکومت کو پاش پاش کیا گیا اور انگریز قابض ہو گئے تو ان کی اسناد کو درجہ فضیلت تو دور کی بات ان کو ماننے سے ہی انکار کر دیا گیا اور یہ جس قوم کے ساتھ ہو وہ دماغی طور پر مفلوج اور بے زار ہو جاتی ہے اور

آگے بڑھنے کی لگن ختم ہو جاتی ہے۔ اس دور ایام میں بی اے اور ایم اے کے لفظ میں جو اعتماد و اقتدار رائج ہو گیا ہے وہ کسی لفظ میں بغیر اقتدار بخشی حکومت پیدا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔[1]

انگریزی تعلیم کی ناگزیر ضرورت

اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ حکومت کے ساتھ ساتھ صرف درہم و دینار اور روپیہ پیسہ ہی حاصل ہونا اور حاصل کرنا ہوتا ہے بلکہ بہت سے کمالات و محاسن ایسے ہوتے ہیں جن کا وجود زوال کے بعد بھی ضروری رہتا ہے اسلامی مملکت میں رہتے ہوئے اسلامی علوم کا جاننا تو ضروری ہے لیکن سلطنت میں آگے بڑھنے اور ترقی کے لئے انگریزی زبان کا جاننا از حد ضروری ہے اور سر سید نے بھی مسلمانوں کو اسی چیز کا پیغام دیا تھا کہ آگے بڑھنے کے لئے انگریزی تعلیم کا جاننا بہت ضروری ہے۔ نظام تعلیم کے اس تغیر تبدل سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان ہند کو اپنی وجاہت اپنی معاشرت اور اپنے خوش نظر تمدن کے لئے انگریزی تعلیم سے انکار نہیں ہے لیکن اپنی قومیت اور اپنی ملی خصوصیت اور اپنی مذہبی زندگی کی بقاء کے لئے علوم اسلامیہ سے بھی انکار ممکن نہیں ہے۔
اس بات سے یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ اب نہ تو صرف علوم اسلامیہ کی تعلیم ضروریات زندگی کے لئے کافی ہے اور نہ ہی محض انگریزی انگریزی کی سندیابی قومی درد کی دوا ہو سکتی ہے۔ علم کو محض ان بیش بہا فوائد کی غرض سے تحصیل کرنے والے جو مقاصد علم ہیں اس زمانہ میں نہ صرف کم یاب بلکہ نایاب ہیں۔ ہمیں اپنی تعلیم گاہ میں اس کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے کہ بعد فراغت سند یافتہ طلباء کے لئے وہ تمام دروازے کشادہ رہیں جو عموماً ایک گریجوایٹ کے لئے کشادہ سمجھے گئے ہیں اگر ان کی وسعت میں کمی آتی ہے تو اپنے نظام تعلیم کو فوراً بدلنا چاہئے تا کہ قلوب عوام اس کی جانب مائل ہو سکیں۔[2]

عہد اسلام کی ریاضی

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ریاضی کی تعلیم حاصل کرنا اسلامیات کی تعلیم حاصل کرنے کے مثل ہی ہے۔ جو کہ ایک سراسر غلط ہے کیونکہ ریاضی تو اعداد و شما کے متعلق ہے کسی بھی ریاست کے لئے یہ ناگزیر ہے۔ جبکہ اسلامیات کی تعلیم تو مسلمانوں کے لئے ہی لازم و ملزوم ہے جبکہ اہل ہنود اور کفار کے لئے یہ مضمون بالکل بے کار اور فضول ہے تو اسلامیات اور ریاضی ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔

تاریخ اسلام یا مسلمان حکمرانوں کی تاریخ

ہمارے مورخین لکھتے ہوئے چند بڑی غلطیاں کر جاتے ہیں جن کی طرف ہم میں سے کوئی بھی دھیان نہیں دیتا جیسے جب کوئی تاریخ اسلام پر کتاب لکھتا ہے تو لکھتے تو بس فرمارواؤں اور حکمرانوں کی تاریخ ہیں لیکن اس کا نام تاریخ اسلام رکھ دیتے ہیں یعنی کہ ان کے نزدیک اسلامی تاریخ نام ہے بس فتوحات و حکمرانی کا اس میں ہر

---

[1] مصدر نفسہ، ص 23
[2] مصدر نفسہ، ص 15

ہر بد کردار اموی، عباسی،، فاطمی، بویہی اور سلجوقی کا ذکر ملے گا اور جن کا ذکر نہیں ہوتا ان کتابوں میں وہ یہ نام ہیں شیخ عبد القادر جیلانی، خواجہ معین الدین چشتی ،امام ابو حنیفہ، اور امام احمد بن حنبل، علامہ ابن حزم علامہ ابن جوزی گویا یہ سب لوگ اسلامی تاریخ میں نہیں آتے حالانکہ یہ لوگ اسلام کے ستون اور اسلامی اقدار کے زبردست محافظین ہیں ان کے لئے الگ الگ تو لکھا جا سکتا ہے لیکن تاریخ اسلامی میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہے اس بات کی طرف بھی سید سلیمان اشرف نے عوام کی بہت توجہ دلائی ہے۔

تبصرہ: السبیل

السبیل ۵۹ صفحات پر مشتمل ہے یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۴ء میں مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ پریس گزٹ علی گڑھ سے بہ اہتمام مولوی مقتدیٰ خاں شر وانی نے شائع کروائی اس کی اشاعت پاکستان میں ۹۰ سال بعد ۲۰۱۴ء میں ظہور الدین امر تسر کے زیر نگرانی ادارہ پاکستان شناسی سے شائع کروائی گئی۔ اس کتاب میں سید سلیمان اشرف نے مسلم یونیورسٹی کے نصاب متعین کرنے کے لئے مختلف آراہ پیش کیں اور اس میں مختلف شعبہ جات کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے اور ان شعبہ جات کی اہمیت اور افادیت کو بھی بیان کیا ہے مثلاً آپ نے جو تجاویز پیش کیں ان میں مندرجہ ذیل شعبہ جات ہیں طب، تصوف، جغرافیہ علم ہندسہ اور علم ادب وغیرہ۔

السبیل مسلم یونیوسٹی علی گڑھ کے نصاب تعلیمات اسلامیہ کے لئے تجاویز کا خاکہ ہے جو سید سلیمان نے مرتب کیا اور مسلم طلباء کے لئے ایک صحیح اسلامی کردار کی آبیاری کے لئے اپنا فریضہ انجام دیا یہ خاکہ انہوں نے بحکم محمد مزمل اللہ خاں قائم مقام وائس چانسلر علی گڑھ مرتب کیا۔ سرفروشان علی گڑھ کے سلسلہ زریں کی داستان بڑی طویل ہے اسلاف کے کارناموں کی قدر شناسی کا جذبہ قدرے بیدار ہوا اگر دیکھا بھی جائے تو سرسید نے بھی یہ ساری تعلیمات دی ہیں۔ کچھ ایسی بھی ہستیاں جن کی غیر معمولی دینی غیرت وحمیت اور مومنانہ حق گوئی وبے باکی کے جذبے نے دین کے تحت اپنی خدمات اور اپنے مقام و مرتبے کو حتی الامکان پردہ اخفا میں ہی رکھنا چاہا۔ السبیل میں مسلمانان برصغیر کے اسلامی تشخص کے احیاء و تسلسل کے لئے ایک منفرد خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ سرسید احمد خاں کی تعلیمی تحریک نے براعظم کے عظیم مسلمانوں کی فکری، سیاسی اور معاشرتی زندگی میں انقلابی اور دور رس تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ ان کے جدید تعلیم کے حصول اور انگریزی ذریعہ تعلیم پر اصرار کے ساتھ ساتھ مذہب علوم شرقیہ اور عربی و فارسی کی تعلیم کے حصول کی کاوشوں نے انہیں تاریخ میں امر کر دیا اور یہ ہی حال ان کے رفقاء ومعاونین کا ہے تاہم اپنوں کی بے اعتنائی اور بے حسی نے انہیں تاریخ میں وہ جگہ نہ مل سکی جس کے وہ حق دار تھے۔

السبیل کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ برصغیر میں ہماری تعلیمی زندگی اور خاص طور پر مطالعات اسلامی کے نشیب و فراز کو نہ صرف ہماری ماضی کی کاوشوں اور جدوجہد اور عزائم اور مقاصد کو ہمارے سامنے لاتی ہے بلکہ اگلے کسی اچھے وقت میں کسی جامعہ یا ادارے کو اسلامی تعلیمات یا مطالعات اسلامی کے

فروغ و نفاذ کے لئے راہ ہدایت کا کام بھی دے سکتی ہے۔ یہ تصنیف اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں جامعات اور اعلی دینی مدارس کے لئے نہ صرف ان کی علمی ضرورتوں کا جائزہ لیا جا سکے بلکہ ایک مکمل اور معیاری نصاب بھی ترتیب دیا جا سکے۔

المبین

کتاب کا نام: المبین

مصنف کا نام: سید سلیمان اشرف بہاری

ضخامت: ۱۹۹

زمانہ: ۲۰۰۸

وجہ تالیف

المبین کو منظر عام پر لانے کے لئے جو چیز وجہ بنی وہ تھا جرجی زیدان کی طرف سے عربی زبان کی طرف سے پھیلائے ہوئے غلط فہمیاں اور تدلیس کاری کا پردہ چاک کرنا جو اس نے اپنی مشہور کتاب فلسفتہ اللغتہ العربیہ کے ذریعے پوری دنیا میں اور یورپ کے اکثر مستشرقین تو اس کتاب کو عربی زبان کے خلاف اپنے اندر چھپے ہوئے تعصب کی بناء پر اس کو ہرز جاں سمجھتے ہیں۔ جرجی زیدان نے اپنی اس مکر و فریب سے ڈوبی ہوئی کتاب میں جو زہر اور غلط فہمیاں اگلیں تو ان تمام باتوں کے رد میں مولانا نے یہ کتاب لکھی۔

سید سلیمان اشرف بہاری اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ہندوستان میں اردو زبان مختلف زبانوں سے مل کر ایک زبان کا مرتبہ حاصل کر جاتی ہے یہ ہی حال عربی زبان کا ہے اس بات کو حقیقت کا رنگ دینے کے لئے محض اطمینان اور وثوق کے لہجے میں کہہ دینے کو یہ وہ کافی سمجھتا ہے۔ اس کے اپنے نزدیک اس کا پایہ تحقیق اتنا بلند ہے کہ دلیل وسند سے اس کا قول بے نیاز اور مستغنی ہے اس لئے کہیں یہ کہہ دیا کہ مثل دیگر السنہ عربی زبان کی حکایت بھی صوتی کے اصول پر ہے کہیں یہ لکھ دیا کہ فلاں لفظ عربی سے لیا گیا ہے کہیں یہ فرما دیا کہ عربی میں مادہ صرف دو ہی حرف کا ہوتا ہے کہیں یہ کہہ دیا کہ جو تیسرا حرف زائد ہوتا ہے اس کا مقام متعین نہیں کبھی اول کا حرف زائد ہوتا ہے کبھی وسط کا اور کبھی حرف آخر کا"۔

المبین میں مولانا نے جرجی زیدان کے ان تمام مکروہات کا منہ توڑ جواب دیا متقد میں نے اپنی کتابوں کیں صرف ۲۔۳ مثالیں دی ہیں لیکن علامہ صاحب نے اپنی کتاب میں پوری ۳۷ مثالیں دی ہیں جو کہ دس صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں [1]

---

[1] مصدر نفسہ، ص، 33

مشمولات **صفحہ نمبر**

اس کتاب کے سات ابواب ہیں جن کی آگے متعدد فصول ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں

باب اول

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب:

ساتواں باب

اہم مضامین

باب اول: عربی کے مخصوص فضائل

باب اول میں عربی زبان کے مخصوص فضائل بیان کئے گئے ہیں ان میں سب سے اول وضع لغت کے معرکتہ الآراء مسئلے سے بحث کی ہے اور اس بارے میں جو مختلف اقوال ہیں ان کو مفصل بیان کیا گیا ہے ان کا خلاصہ چار اقوال ہیں

اول: الہامی یعنی کہ انسان گونا گو قابلیتوں کے ساتھ گویائی کی قابلیت بھی اپنے اندر لے کر اس عالم میں آیا ہے۔

دوم: انسان نے خارجی آوازوں سے متاثر ہو کر ان سے الفاظ بنا لئے۔ اس زمانے میں انسان الفاظ کے وضع کرنے میں فضائے عالم اور جانوروں کی اوازوں سے سبق حاصل کرنے کا محتاج تھا ان سے یہ سبق پڑھا لیکن دوسرے کمالات عالیہ کا خزانہ انسان کے دل و دماغ میں بھرا ہوا ہے یہ تمام سبق انسان کو کس نے سکھائے ظاہر ہے اس کے سکھانے سے تو تمام ماحول عاجز وساکت ہے۔ اس صورت میں ضرور یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ جہاں تمام کمالات کے خزانے فطرت انسانی میں ودیعت تھے وہاں کلام کا بھی کمال ہے

[1] مصدر نفسہ، ص56

تیسرا قول: عالم میں جو آوازیں کہیں بھی پیدا ہوں وہ باہم چیزوں کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ انسان کے ادراک کرنے والی قوتوں نے جن مختلف خیالات سے ٹکریں کھائیں تو ان ٹکروں سے باطنی آوازیں دماغ میں پیدا ہوئیں آوازیں زبانوں تک آ کے لفظ بن گئیں۔

باب دوم: مخارج وصفات واعراب

اس میں مخارج وصفات کی بحث کو اور زیادہ وسیع کیا ہے جس سے گویا وہ جدید بحث بن گئی اس کے ساتھ اسی کے ساتھ اعراب سے بھی بحث کی ہے اس باب میں دکھایا ہے کہ الفاظ میں حروف کی کمی وبیشی یا حرکات کی خفت وشدت سے جس طرح ان کے معنی ومطالب میں مختلف مراتب پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی میں الفاظ کی وضع بھی باضابطہ اور قانونی طور پر ہے جس طرح یہ باب بلحاظ اپنے مطالب ومعنی پہلے باب سے زیادہ بلند پایہ ہے اور یہ مؤلف کی تحریر کی خصوصیت ہے کہ جس قدر آئندہ ابواب میں دعوے بلند ہوتے گئے ہیں اسی قدر ان کی دلیل بلند ہوتی گئی ہے اور مطالب کی دقت بیانی کی صفائی کی بدولت فہم کے لئے مشکل نہیں بن جاتی بلکہ سریع الفہم رہتی ہے۔

باب سوم: ترکیب حروف

تیسرے باب میں ترکیب حروف سے لیکر بحث کی گئی ہے اور یہ محض قیاسات سے نہیں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ کس طرح حرعف باہم مل کر اپنی مخصوس ترکیب سے اپنے معانی کا نشان دیتے ہیں اور جس طرح ایک علم کے ساتھ ماہر ثابت کیا ہے کہ کن صفات کی دو مختلف چیزیں باہم مل کر ایک خاص تیسری چیز پیدا کریں گے اس طرح اس فن کا ماہر بتادے گا کہ عربی میں جب فلاں صفات کے حروف سے لفظ بنے گا اس میں فلاں معنی ہوں گے۔ اس طرح بہت سے حروف کی صفات مقررہ بتا کر ان کثیر مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ حروف کی صفات کا اثر معانی پر بطور قاعدہ کلیہ پڑتا ہے جن کو تھوڑی سی مناسبت زبان عربی سے ہو ان کو ان مباحث میں وہی لطف آئے گا جو اقلیدس کی شکلیں حل کرنے میں حاصل ہوتا ہے

چوتھا باب: ایک سوفسطائیت کا اندفاع

جرجی زید کا کہنا ہے کہ عربی میں تمام الفاظ ثنائی ہیں تین یا چار حرف سے نہیں بنتے یعنی ثلاثی یا رباعی کوئی الفاظ عربی میں نہیں ہے اگرچہ یہ دعوی بلا دلیل تھا مگر مصنف نے اس کی تردید بھی حکیمانہ پیرایے میں کی ہے اور فلسفیانہ بحث سے ثابت کیا ہے کہ کیوں عربی لفظ کے مادے کی تکمیل محض دو حرفوں سے نہیں ہوتی بلکہ ایک تیسرے حرف کو ملانے کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور تیسرے حرف کے ملنے کا معنی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں جرجی زیدان کی ہمہ دانی بے نقاب ہو جاتی ہے۔

پانچواں باب: فلسفہ ارتقائے لسان

اس میں ارتقائے لسان کے متعلق بحث کی گئی ہے اول تو مستشرقین کے مقرر کردہ اصول ارتقاء تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اس کے بعد ارتقا کو انسانی ارتقائے عمرانیات کی مثال دے کر واضح کیا ہے۔ پھر یہ بھی بیان کیا ہے کہ مستشرقین مذکور کے یہ اصول جدید نہیں بلکہ وہی ہیں جو صدہا برس پہلے ابوہاشم معتزلی نے بیان کئے تھے اور یہ ثابت کیا ہے کہ مستشرقین کی یہ رائیں ایسے قیاسات ہیں جن کا ساتھ واقعات اور حقائق نہیں دیتے ان مباحث کے پڑھنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ مؤلف کے دماغ کی بلند پروازی تحقیق اس فضا تک جا پہنچی ہے جہاں مستشرقین کے قیاسات پست ہو کر رہ جاتے ہیں اور یہ امر قابل فخر ہے کہ جو مباحث و دلائل جدید تعلیم یافتہ طبع کو ساکت و مبہوت بنادیتے ہیں ایک قدیم درس گاہ کا فیض یافتہ عالم نہ صرف یہ کہ ان کے مرعوب نہیں ہوتا بلکہ قوت استدلال سے ان کی کمزوریاں ظاہر فرما کر طالبان علم صحیح راستہ تحقیق کا دکھادیتا ہے۔

چھٹا باب: فلسفہ اشتقاق

یہ باب فلسفہ اشتقاق پر مشتمل ہے اس میں اشتقاق صغیر و کبیر کی تعریف کے بعد صغیر و کبیر کا فرق دکھایا ہے اس کے بعد اشتقاق کبیر سے مفصل بحث کی ہے اشتقاق کبیر زبان عربی کی ایسی خصوصیات عالیہ میں سے ہے جس کے سامنے تمام زبانیں سپر ڈال دیتی ہیں حیرت ہوتی ہے کہ یہ صفت ایک زبان میں کیسے پیدا ہوئی مؤلف علام کا یہ کمال ہے کہ اس مسئلے میں جو تفصیل آج تک نہ ہوئی تھی وہ المبین کے ذریعے سے ہماری آنکھوں کے سامنے آگئی ہے اور پہلے لغت کے امام جس قاعدے کو وضع کر کے اس کے چند ہی مثالیں لکھ گئے تھے مولانا نے اس کی صدہا مثالیں لکھ دی ہیں

ساتواں: عربی زبان کی حیرت انگیز کمال گویائی

اس باب میں عربی زبان کا حیرت انگیز کمال گویائی دکھایا ہے اس باب میں یہ بحث کی ہے کہ عربی زبان کے الفاظ کا صرف یہی کمال نہیں کہ وہ اپنے معنی کے ساتھ ایک نظم و تناسب رکھتا ہے نہیں بلکہ اس کے معنی کو جب دقت و تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو اس شے کی ایسی حقیقت سامنے آجاتی ہے جس کے لئے اظہار کے لئے عجمیوں کو صدیاں درکار ہوئیں اور پھر بھی اس کا بیان اس ایک لفظ سے نہ کر سکے۔

ایک دوسرا پہلو وضع الفاظ کے کمال کا یہ دکھایا ہے کہ عرب اگر کسی مہمل آواز کی بھی نقل کرتے تھے تو وہ بامعنی لفظ ہو جاتا تھا اور ایسا لفظ جو اپنی اصل کے ساتھ پوری مناسبت رکھتا تھا مثلاً کوے کے بولنے اور گھوڑے کے ٹاپ اور ہانڈی کے جوش کھانے کی آواز اور ان کو عربی میں اس طرح نقل کیا مثلاً غاق غاق اس کا مطلب یہ تھا یہ الفاظ جن کے معنی لئے گئے ان میں سیاہی کا مفہوم موجود ہے جیسے تغتیق بصرہ (اس کی بینائی تاریک ہوگئی)[1]

---

[1] مصدر نفسہ، ص 31

تبصرہ:المبین

یہ کتاب سید سلیمان اشرف بہاری کے قلم حق سے صادر ہوئی۔اس کے ۱۹۹ صفحات ہیں یہ ادارہ پاکستان شناسی سے شائع ہوئی یہ کتاب عربی زبان کے خصائص اور قواعد پر مشتمل ہے۔اس میں عربی زبان اور فارسی کے اشعار استعمال کئے گئے ہیں اس کتاب میں قرآنی آیات اور احادیث نبوی شامل ہیں۔عربی زبان کے الفاظ کے معنی اور مادے بھی ساتھ بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب عربی زبان کا ایک بیش قیمت خزانہ ہے جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔اس کی جلد رنگین اور خوبصورت ٹائٹل نے اس کو مزید پر کشش بنا دیا ہے۔کتاب کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔

پاکستان میں علامہ سید سلیمان اشرف کا تعارف آپ کی اسی کتاب سے ہوا آپ نے یہ کتاب لکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ اردو زبان میں کتنی صلاحیت جامیعت اور وسعت موجود ہے اس کتاب کا انداز بیان بہت ہی شگفتہ اور ادیبانہ ہے اور مصنف نے فارسی اور اردو زبان کے بہترین اشعار کا بر محل اور برجستہ استعمال کیا ہے اور اس بات کو غلط ثابت کیا ہے کہ گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے اگر کوئی شخص محض زبان کا چٹخارہ لینے کے لئے بھی اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو وہ مایوس نہیں ہو گا اس کتاب میں جگہ جگہ ایسی عبارات ہیں کہ قاری اٹک کر رہ جاتا ہے

المبین پر مولانا محمد حنیف کہتے ہیں کہ

مولانا سید سلیمان اشرف نے عربی کے فضائل اور خوبیوں کو جس بلند لسانی سطح پر پیش کیا ہے اور تحقیق و تفحص کے جن موتیوں کو رولا اور ترتیب دیا ہے اس سے اس حسین و مکمل زبان کے بارے میں دو ہی منطق نتیجے نکالے جا سکتے ہیں ایک یہ کہ یا تو اس کی زلف و کاکل کو سنوارنے اور چمکانے میں بڑی حد تک قدرت کے دست ہنر پر براہ راست کرشمہ کا فرما ہے یا پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ماہر لسانیات نے سوچ سمجھ کر اس کے منہج و مزاج کو ترتیب دیا ہے۔

المبین کو جرجی زیدان کے فریب اور تدلیسات کے رد عمل میں لکھا گیا جرجی زیدان نے عربی زبان کی عظمت کو مٹانے کی کوشش کی تھی۔اس کتاب میں صرف یہ ہی نہیں ہے کہ اس میں جرجی زیدان کی لغزشوں اور غلط کاریوں کی تصحیح و تسدید فرمائی گئی ہے بلکہ عربی زبان کی خصوصیات اس کاوش اور تحقیق سے قلمبند فرمائی ہیں کہ بے مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک ایسا نیا فن مدون فرما دیا ہے کہ جس کے دھندلے سے متفرق آثار اگلوں کی تصانیف میں نظر آ جاتے ہیں المبین پر بہت سے لوگوں کے تبصرے موجود ہیں مشہور مستشرق براؤن نے اس کتاب پر کہا ہے کہ

مولانا نے اس عظیم کتاب کو اردو پر لکھ کر ستم کیا ہے اگر عربی یا انگریزی می ہوتی تو کتاب کا وزن اور وقار بڑھ جاتا۔[1]

سید نور محمد قادری اس پر لکھتے ہیں کہ

---

[1] صدیقی، رشید احمد، گنجہائے گراں مایہ، ص23

مولانا نے یہ کتاب لکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اردو زبان میں کتنی صلاحیت جامعیت اور وسعت موجود ہے اور لکھنے والے کو اگر زبان پر عبور ہے اور ذوق لطیف سے حصہ ملا ہے تو وہ لسانیات جیسے مشکل اور دقیق موضوع پر بھی انتہائی جامع کتاب سلیس اور شگفتہ زبان میں لکھ سکتا ہے۔

محمد حنیف ندوی:

المبین کی حیثیت ایسے ادبی شاہکار کی ہے جس میں ایک طرف اگر زبان و اسلوب کا اچھا خاصا چٹخارہ پایا جاتا ہے تو دوسری طرف تحقیق و تفحص کی ایسی نادر کاری بھی جلوہ کناں ہے جو علمی حلقوں سے خصوصی داد پانے کی مستحق ہے۔

علامہ محمد اقبال:

المبین میں مولانا نے عربی کے بعض ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جن کی طرف میرا ذہن پہلے کبھی منتقل نہ ہوا تھا۔

مثنوی ہشت بہشت

کتاب کا نام: ہشت بہشت

مصنف کا نام: امیر خسرو دہلوی

مطبع: نور رضویہ پبلشنگ کراچی

تاریخ طباعت: ۱۹۱۵ء

ضخامت: ۳۲۲ صفحات

وجہ تالیف

حضرت امیر خسرو نے ہر میدان میں طبع آزمائی کی اور کمال کی بلندیوں کو چھوا مولانا نظامی کے بعد ان کا قلم چلا جو آج تک اپنے پیچھے رہ جانے والوں کے لئے ایک چیلنج چھوڑ گیا مثنوی ہشت بہشت ان کی آخری مثنوی ہے جس میں انہوں نے ایران کے بادشاہ بہرام کی عیش پرستی اور شوق شکار کا قصہ قلمبند کیا ہے اور اس ضمن میں انہوں نے بادشاہ وقت علاؤالدین خلجی کو بھی نصیحت کی ہے اور بیٹی کو بھی نصیحت فرمائی ہے اور یہ ایسی نصیحتیں ہیں جو کہ ہر بیٹی اور ہر بادشاہ اور حکمران کے لئے بہت ضروری ہیں اور حرز جان بنانے کے لئے کافی ہیں اس مثنوی کی تصحیح کا کام مولانا سید بلگرامی نے سید سلیمان اشرف بہاری کے سپرد کیا تھا اور مولانا احتشام الدین نے بھی علمی سطح پر ان کا کافی ساتھ دیا علامہ بہاری نے یہ کام بخوبی و احسن طریقے سے انجام دیا اور مولانا مقتدیٰ خاں شروانی نے پریس علی گڑھ سے ۱۹۱۵ء میں شائع کروایا اور علامہ بہاری نے اس کے مقدمے کی اشاعت کا اہتمام کیا[1]

سید سلیمان اشرف نے اس مثنوی کی تصحیح کے لئے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دس نسخے جمع کئے اور پوری دماغ سوزی کے ساتھ تصحیح کا کام انجام دیا اور اس کام میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان کا ذکر علامہ بہاری یوں کرتے ہیں

کتاب کی تصحیح کیا تھی چیونٹیوں بھرا ایک کباب تھا اگرچہ دس نسخے موجود تھے لیکن ان کانٹوں میں سے پھول چننا میرے لئے نہایت مشکل کام تھا"[2]

تصحیح اور تقابل کے علاوہ ۳۲۴ صفحے کا طویل مقدمہ لکھا جس کا نام "الانہار" رکھا گیا۔

الانہار کی خصوصیات

اس مقدمہ میں آپ نے مندرجہ ذیل خصوصیات کو شامل کیا ہے

---

[1] مصدر نفسہ، ص15

[2] ایضاً، ص22

1. اقسام شاعری
2. فارسی شاعری پر عربی شاعری کا اثر
3. فارسی شاعری کی تاریخ اور تدریجی ترقی
4. حضرت امیر خسرو کی شاعری
5. خسرو کا تصوف
6. خسرو کی شاعری
7. خسرو کی غزل
8. سرائی
9. مثنوی کی اقسام
10. مولانا نظامی اور فردوسی کا تقابل
11. سلاطین کے ہاں خسرو کی مثنویوں کی قدر و منزلت
12. متاخرین اور کمال خسروی کا اعتراف
13. نظامی و خسرو کا تقابل[1]

اس کے بعد مثنوی ہشت بہشت کا تفصیلی تعارف کرایا ہے مولانا نظامی کی مثنوی ہفت پیکر اور ہشت بہشت کا تقابل اس انداز میں بیان کیا ہے کہ کسی بزرگ کی تنقیص کا پہلو ہی نہیں نکلتا۔

عربی اردو اور فارسی کے محقق اور ادیب مولانا حبیب الرحمن شروانی نے اس کتاب "الانہار" کو شبلی کی شعر العجم سے بہتر قرار دیا ہے[2]۔

مشمولات: صفحہ نمبر

---

[1]۔ ہشت بہشت، ص15

[2] ایضاً، ص14

مثنوی ہشت بہشت کا درجہ

یہ مثنوی تب منظر عام پر آئی جب امیر خسرو نے ان نکات کو خوب سمجھا اور ان پر عمل کیا جو کہ ایک مثالی مثنوی کے لئے ضروری تھیں۔ آپ کی یہ مثنوی ہشت بہشت ان تمام محاسن سے آراستہ ہے جو کہ مثنوی کے زیور قرار دیئے جاسکتے ہیں یہ امیر خسرو کی ایک ایسی مثنوی ہے کوئی مثنوی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی چاہے متقدمین کی ہو یا متاخرین کی ہو۔ یہ مثنوی بھی سابقہ چار مثنویوں کی طرح سلطان علاؤالدین خلجی کے نام سے مضمون ہے آپ نے اپنی اس مثنوی میں شاعری کا کمال دکھایا ہے اور قادر الکلامی کی داد وصول کی ہے آپ کی یہ مثنوی آج تک ایک چیلنج رکھتی ہے کہ اس کے پائے کی اور کوئی مثنوی منظر عام پر نہیں آئی اور نہ کسی کو وہ درجہ حاصل ہوا ہے۔[2]

---

[1] مصدر نفسہ، ص 25

[2] مصدر نفسہ، ص 173

مثنوی ہشت بہشت کے قصے

جو قصہ اس مثنوی میں بیان ہوا ہے وہ بہرام گور کی عیش پرستی ہے قصہ ہے جو کہ ایران کا بادشاہ تھا تاریخ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ بہرام گور نے دیار عرب میں تربیت پائی اور عربوں کی گود میں ہی اس کی پرورش ہوئی۔ بہرام گور بہت بہادر تھا شجاع تھا اور صید و شکار کا بہت شوقین تھا لیکن شہزادہ بہرام نے عیاشانہ طبیعت پائی تھی جس پر ایران کی آب و ہوا سے بہار چھا گئی مولانا نظامی کے ہفت پیکر میں بہرام کی فتح کا ذکر ہر کہیں اس کے شیر مارنے کا کہیں اژدہا مارنے کا ذکر ہے خسرو کی کتاب ہشت بہشت میں اکیس ابواب بیان کئے ہیں بہرام کو گور خر کے شکار کا بہت شوق تھا اور شکار میں اس کی معشوقہ دلارام اس کے ساتھ ہوتی تھی جس سے بہرام کو بہت محبت تھی ایک روز کسی خلاف طبع امر پر خفا ہو کر بہرام نے اس کو جنگل میں چھوڑ دیا تھا دلارام ایک گاؤں میں پہنچ کر نغمہ سرائی سیکھتی ہے اور اس کمال کی وساطت سے پھر بہرام کی معشوقہ بنتی ہے۔

بہرام کے وزیر نے جب بہرام کا انہاک صید و شکار میں دیکھا تو اس نے اس کے لئے ایک قصر عالی شان بنوایا جس میں سات گنبد تھے گنبد کی رونق کا سامان یہ کیا کہ ہفت اقلیم کے بادشاہوں کے پاس شاہانہ تحائف بھیجے اور ان سے شہزادے کے لئے ان کی بیٹیوں کے لئے استدعا کی قاصد کامیاب واپس لوٹے اور ہر اقلیم کی شہزادیوں کو ساتھ لیکر آئے ساتوں اقلیم میں ایک ایک شہزادی کو جگہ دی شہزادہ ہر رات ایک شہزادی کے ساتھ ہم خواب ہوتا اور نیند آنے کے لئے شہزادی سے کسی قصہ کی فرمائش کرتا شہزادی پہلے شہزادے کو دعائیں دیتی ہے پھر قصہ شروع کرتی ہے ہر گنبد کا رنگ جداگانہ ہے جو شہزادی جس گنبد میں رہتی ہے اس کا لباس بھی گنبد کے رنگ کا ہوتا ہے خود بہرام کا لباس بھی اسی رنگ کا ہوتا ہے [1]

سلطان علاؤالدین خلجی کو نصیحت

ہر دور کے شعراء نے اپنے اپنے وقت کے بادشاہوں کو مختلف نصیحتیں کی ہیں حضرت امیر خسرو نے بھی اپنے وقت کے بادشاہ سلطان علاؤالدین خلجی کو نصیحت کی ہے۔ عموماً شعراء بادشاہوں کو دشمنوں کے غلبہ سے غریبوں اور مظلوموں کی آہ سے پرہیز گاروں کی بد دعا سے غرور و تکبر کے نتائج سے ڈراتے ہیں ۔لیکن امیر خسرو نے سلطان کو خود اس کے نفس سے ڈرایا ہے یہ ایک عجیب جامع و نادر نصیحت ہے اور سلطان کو نصیحت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ غفلت سے بڑھ کر کوئی تمہارا دشمن نہیں ہو سکتا۔ امیر خسرو نے دیکھا ہے کہ عیش پرستی اور غفلت کسی بھی سلطنت کو تباہ کرنے میں سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں اور یہی سلطنت کے زوال کا اصل باعث بنتی ہیں امیر خسرو مزید نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر بادشاہ وقت میں عدل اور شجاعت جیسی صفات ہوں تو وہ کسی بھی سلطنت کے استحکام اور بقاء کے لئے کافی ہیں

---

[1] ایضاً، ص186

امیر خسرو کی بیٹی کو نصیحت

بیٹیوں کو ہر دور میں نفرت اور حقارت کی نظر سے لوگ دیکھتے آئے ہیں اور آج بھی بہت سے لوگ اپنی اسی روش پر قائم ہیں کہ بیٹیوں کا وجود حقیر اور بد قسمتی کی علامت ہوتا ہے بیٹی کے وجود کو ناگوار اور مکروہ سمجھتے ہیں امیر خسرو نے اس طرف بھی لوگوں کی توجہ مبذول کرائی ہے کہ بیٹوں کی طرح بیٹیاں بھی خدا کی رحمت ہوتی ہیں اور وہ بھی اتنے پیار اور عزت کی حق دار ہوتی ہیں جتنے بیٹے ہوتے ہیں وہ بھی باپ کی جایئداد میں حصے دار ہیں۔ آپ اپنی اس مثنوی میں بیٹیوں کو نصیحت کرتے ہوئے بہت سی مفید اور نادر باتیں بتاتے ہیں جو کہ اس معاشرے کی سب بیٹیوں کے لئے بہت ضروری ہیں وہ بیٹیوں کو سب سے پہلے شرم اور حیاء کی نصیحت کرتے ہیں کہ حیاء عورت کا سب سے زیادہ قیمتی اور بیش قیمت زیور ہے اگر اس میں حیاء نہیں تو پھر وہ کچھ بھی نہیں ہے وہ نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیر و تفریح کرنا اور در بدر پھرنا شریف زادیوں کو زیب نہیں دیتا۔ زیب و آرائش کا حق اسے اسلام دیتا ہے لیکن اس کا استعمال بھی بس اتنا ہی ہو جتنا کہ اس کے شو ہر کو پسند ہو اور اس سنگھار کو وہ بس اس کے سامنے اس کی خوشنودی کے لئے استعمال کرے لیکن اسی بناؤ سنگھار کو وہ گلیوں میں پھرنے اور بازاروں میں ٹہلنے کے لئے قطعاً استعمال نہ کرے گھر داری میں ایسا طریقہ اپنائے کہ اپنے شوہر کی کمائی کو اپنے سلیقے کے ساتھ صرف کرے اور اس کی مرضی کے بغیر اور فضول چیزوں میں خرچ نہ کرے۔ گانا بجانا اور راگ الاپنا اور گانے و موسیقی سننے سے گریز کرنا کیونکہ یہ باتیں شریف زادیوں کو زیب نہیں دیتیں۔ یہ تمام نصیحتیں اس قابل ہیں کہ تمام بہو بیٹیاں ان کو اپنا دستور العمل بنائیں اور ان سے احتراز نہ برتیں لیکن افسوس ہے ان لوگوں پر جو ان نصائح کو فضول اور بے کار سمجھتے ہیں ان کی ان نصیحتوں کو دقیانوسی اور پرانے زمانے کے خیالات قرار دیتے ہیں

باب سوم

سید سلیمان اشرف بہاری کی تحریکی خدمات

فصل اول

تحریک علی گڑھ کے لئے خدمات

تحریک علی گڑھ کا تعارف و پس منظر

بر صغیر و پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور سقوط دلی کے بعد مسلمانان بر صغیر کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے جو کوششیں کی گئیں وہ عرف عام میں علی گڑھ تحریک کے نام سے مشہور ہوئیں سر سید نے اس تحریک کا آغاز ایک طرح سے جنگ آزادی سے پہلے ہی کر دیا تھا غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا لیکن جنگ آزادی نے سر سید کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کئے اور ان ہی واقعات نے علی گڑھ تحریک کو بار آور کرانے میں بڑی مدد دی لیکن یہ پیش قدمی اضطراری نہ تھی بلکہ اس کے پس پشت بہت سے عوامل کار فرما تھے 1857ء کی جنگ آزادی کے نتیجے میں مسلمانوں پر روزی کے دروازے بند کر دیے گئے اور مسلمانوں کے اندر معاشرتی، سیاسی ہر طرح سے بد حالی پیدا ہو گئی۔[1] مثلاً راجہ موہن رائے کی تحریک نے بھی ان پر گہرا اثر چھوڑا لیکن سب سے بڑا واقعہ سقوط دلی کا ہے۔ اس واقعہ نے ان کی فکر اور عملی زندگی میں ایک تلاطم برپا کر دیا اگرچہ اس واقعے کا اولین نتیجہ تو ناامیدی اور مایوسی ہی تھا تاہم اس واقعے نے ان کے اندر چھپے ہوئے مصلح کو بیدار کر دیا علی گڑھ تحریک کا وہ بیج اب زمین سے باہر آنے لگا تھا چنانچہ اس واقعہ سے متاثر ہو کر سر سید احمد خاں نے قومی خدمت کو اپنا شعار بنالیا۔[2] ابتداء میں سر سید احمد خاں نے صرف ایسے منصوبوں کی تکمیل جو مسلمانوں کے لئے مذہبی حیثیت نہیں رکھتے تھے اس لئے سر سید احمد خاں قومی سطح پر سوچتے تھے اور ہندوؤں کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے سے گریز کرتے تھے[3]۔ لیکن ورنکلر یونیورسٹی کی تجویز پر ہندوؤں نے جس متعصبانہ رویے کا اظہار کیا اس واقعے نے سر سید کی فکری جہت کو تبدیل کر دیا اس واقعے کے بعد وہ مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود میں مصروف ہو گئے اس مقصد کے لئے انہوں نے رسالے نکالے تا کہ مسلمانوں کو اس ترقی کے دھارے میں شامل کیا جائے۔

[1] اعظمی، اشفاق احمد، ڈاکٹر، نذیر احمد شخصیت اور کارنامے، نظامی پریس لکھنؤ، 1974، ص 40

[2] مظہر حسین، علی گڑھ تحریک سماجی اور سیاسی مطالعہ، انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی، 2002ء، ص 37

[3] خلیق انجم، پروفیسر، سر سید اور علی گڑھ تحریک، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ایڈیشن، 1982ء، ص 8

مسئلہ بلقان میں علی گڑھ کے طلبہ کا کردار

بلقان کے مسئلہ پر چلنے والی تحریک علی گڑھ کے طلبہ کو بھی متاثر کئے بنانہ رہ سکی ۔ان پر جوش طلبہ نے اپنے لیڈروں کی آواز پر لبیک کہا اور جنگ طرابلس کے دوران بھی ترکی کی مدد کی صرف اس وجہ سے کیونکہ وقار الملک جو ایم۔اے۔اوکالج کے سیکرٹری تھے وہ بھی تحریک علی گڑھ کے پر جوش کارکن تھے۔ علی گڑھ کے طلبہ نے تو اپنے کھانے پینے کی بھی قربانیاں پیش کر دیں مثلاً انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ تمام طلبہ سادہ کھانا کھائیں گے اور اس طرح جو بچت ہو گی وہ بلقان فنڈ میں دی جائے گی اور وہ لوگ بس ایک وقت کا کھانا ہی کھائیں گے [1]

مختار احمد انصاری ان طلبہ کے احوال کو یوں بیان کرتے ہیں

ہمارے علی گڑھ کے طلبہ جوش سے سرشار ہیں انہوں نے گوشت اور چاول کھانے چھوڑ دئے ہیں اس طرح سے جو کچھ بچتا ہے وہ ترکی کے لئے چندہ میں جاتا ہے ہم نے اسٹریچی ہال میں ایک جلسہ منعقد کیا اور اس میں ایک تقریر کی اور پانچ سو روپے کا ذاتی عطیہ دیا نوجوانوں کے ذہن اس تحریک سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے ایک تجویز پیش کی کہ جو روپیہ یونیورسٹی فنڈ کے لئے اکٹھا کیا گیا ہے وہ بلقان فنڈ میں دے دیا جائے مسٹر محمد علی نے مجھے اور دوسرے لوگوں کو تار بھیجے کہ ہم اس تجویز کو منظور کر لیں اور یونیورسٹی فنڈ ترکی بھیج دیں یہ بھی تجویز کیا گیا کہ کم از کم یہ روپیہ قرض دے دیا جائے یہ خیالات طفلانہ ہیں وہ دوسرے طریقوں سے پیسہ کیوں نہیں جمع کرتے کیونکہ مسلمان پیسہ دینے کے لئے تیار ہیں اگر ترکی کو فنڈ بھیج دیا جائے تو اس کو زیادہ فائدہ نہیں ہو گا لیکن ہمارا تعلیمی منصوبہ ختم ہو جائے گا[2]

مسجد کانپور کا واقعہ

1913ء میں کانپور مسجد کا واقعہ پیش آیا اور یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب ہندوستان کے مسلمان بہت ہی اذیت ناک مرحلہ سے گزر رہے تھے برطانوی حکومت نے عوام میں بہت بے چینی پیدا کر دی تھی اور اس تحریک کا سب سے بڑا پہلو یہ تھا کہ وہ پر جوش مسلمان جو کہ بس مدرسوں تک محدود ہو کر رہ گئے تھے اس سانحے پر وہ بھی باہر آ گئے تھے اور اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ مسجد کانپور میں جو حصہ نمازیوں کے وضو کے لئے

-

[1] معین الحق، سید تاریخ تحریک علی گڑھ، ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس لاہور 1981، ص 63

[2] نواب مشتاق احمد خاں، علی گڑھ اور تحریک پاکستان، طبع لاہور، 1995ء، ص 112

مختص تھااس کو مسمار کر کہ حکام حضرات سڑک چوڑی کرنا چاہتے تھے اور یہ بات مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت تھی کیونکہ شریعت میں مساجد کو یااس کے کسی بھی حصہ کو کسی دوسرے کام کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا لوگوں نے بہت احتجاج کی مگر افسروں نے مسلمانوں کی کسی بات پر دھیانہ دیا اور مقامی پولیس نے ۲ جولائی ۱۹۱۳ء کو مسجد ک مطلوبہ حصہ منہدم کرادیا۔ اور یہ بات جنگل میں آگ کی مانند پھیل گئ مسلمان خوں کے آنسو رونے لگے اور اس بات پر بہت مشتعل ہوئے اس بات پر انہوں نے کانپور میں ایک جلسہ قائم کیا اور مولانا آزاد سبحانی نے ایک زور دار اور ہیجان انگیز تقریر کی جس سے مسلمانوں میں مزید جوش پیدا ہوا۔ جب جلسہ ختم ہو گیا تو مولانا صاحب مسلمانوں کو اسی مسجد میں لے گئے اور جہاں سے اینٹیں ہٹائی گئ تھیں دوبارہ واپس رکھ دیا اس بات یورپین ڈپٹی کمشنر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اس مجمع پر گولیاں چلادیں اور اس میں لاتعداد مرد اور بچے شہید ہوئے اور متعدد زخمی ہوئے۔[1]

ہندوستان میں شورش کی ہوا چل پڑی

اس سانحے پر پولیس کی زیادتی نے ایک تلاطم برپا کر دیا اور پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا فوج اور پولیس کی اندھادھند گولیوں کی وجہ سے بہت سے لوگ شہید اور بہت سے مرد اور بچے زخمی ہوئے لیکن حکومت عہدیداروں نے اپنے اس ظالمانہ وجابرانہ اقدام کو روکنے کی بجائے اس میں اور شدت اور سختی پیدا کر دی اور لوگوں کو بتایا کہ مرنے والوں کی تعداد مشکل سے بیس تیس کے قریب ہے جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی اس پر تمام برصغیر کے مسلمانوں کے جذبات ابھر پڑے اور اس میں تمام لوگ شامل تھے خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبے سے ہوتا اور اس تحریک کے ممتاز قائدین میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی، خواجہ حسن نظامی مسٹر مظہر الحق اور آزاد سبحانی شامل تھے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے اپنے اخبارات کے ذریعے بھی اس تحریک میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس میں کلکتہ کا (الہلال) دہلی کا (مریڈ) اور ہمدرد لاہور کا (زمیندار) اخبار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لیکن حکومت کے سر پر جوں بھی نہ رینگ رہی تھی۔ بلکہ جیسے ہی تحریک میں شدت پیدا ہوئی حکومت نے عوام پر سختی اور مظالم کا اضافہ کر دیا۔[2]

اس موقع پر ایک ممتاز مسلم لیڈر راجہ محمود صاحب نے رائے دی کہ کچھ لوگ لفٹننٹ گورنر کے پاس جائیں اور جاکر سارے حالات ان کے گوش گزار یں انہوں نے مولانا عبد الباری فرنگی محلی کو اس وفد کے ساتھ شامل کیا لیکن گورنر نے بھی ان کی درخواست پر کوئی توجہ نہ دی اور وہ بھی حکومت کی تائید میں مصروف رہا۔ اب اس تحریک کے قائدین دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے وہ لوگ جو حکومت کو ان کی وفاداری پر ذراسا شک بھی نہ ہونے دینا چاہتے تھے انہوں نے مرکزی حکومت سے استدعا کرنے کا فیصلہ کیا۔[3]

---

[1]معین الحق، سید، تاریخ تحریک علی گڑھ، ص 246

[2]غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر ڈاکٹر، مولانا ظفر علی خاں حیات وخدمات و آثار، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1993ء، ص20

[3]۔ معین الحق، سید، تاریخ تحریک علی گڑھ، ص248

جبکہ دوسری طرف ملک سے بے حد پیار کرنے والے نوجوانوں نے اس تحریک کو اسی جوش و خروش سے جاری رکھا اور اس میں مزید شدت پیدا کر دی اس پر مزید ایک مسئلہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ لوگ جو حکومت کے قبضے میں تھے اور ان پر ناحق سختیاں اور ظلم و تشدد کیا جارہا تھا ان کی قانونی مدافعت کرنا بھی بہت ضروری تھا ان پر بلوے کا الزام تھا اور ان پر عدالت میں مقدمہ چلنے والا تھا۔ اور ان لوگوں کی مدافعت کی ذمہ داری مسٹر مظہر الحق نے قبول کی وہ کانپور آئے اور عرصہ دراز تک وہیں رہے اور ان وکلاء کی رہنمائی کرتے رہے جنہوں نے اس سلسلہ میں اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

مسجد کے منہدم شدہ حصے کی بحالی

تحریک کے قائدین نے اب یہ فیصلہ کیا کہ ایک وفد کو برطانوی حکومت کے پاس بھیجا جائے۔ اس پر سید امیر علی اور محمد علی خاموشی سے انگلستان روانہ ہو گئے اور اس وفد کی روانگی سے کچھ دیر قبل میٹن بھی اپنے ملک واپس چلا گیا تھا اس کے جانے کا مقصد سیکرٹری آف ہند اسٹیٹ کو کانپور کے واقعے کے بارے میں رائے دینا تھا۔ حکومت کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس تحریک کو دبانا اب کوئی آسان کام نہ تھا۔ وفد کو سید امیر علی کے ساتھ کام کرنے کی خواہش تھی لیکن انہوں نے اس کام میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی لیکن باقی تمام لوگوں کی کوشش رائیگاں نہیں گئی اور حکومت میں نمایاں تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ سید امیر علی نے مسلمان قائدین کے ساتھ بات شروع کی مولانا عبدالباری اور محمد علی سے رابطہ قائم کیا گیا حکومت اب قیدی مسلمانوں کو چھوڑنے زیر مقدمہ ملزموں کے مقدمات واپس لینے اور متاثرین کو امداد دینے پر راضی تھی۔ لیکن مسجد کے منہدم حصے کو دوبارہ تعمیر کرنے پر راضی نہ تھی مسلمان یہ شرط ماننے کے لئے کسی بھی حال میں تیار نہ تھے لیکن پھر ایک مصالحتی فارمولا بنایا گیا کہ قیدیوں کو رہا کیا جائے گا متاثرین کو مالی امداد بھی دی جائے گی لیکن اس کی ایک شرط یہ ہے کہ مسجد کا فرش راستے کے طور پر استعمال کیا جائے گا وائسرائے نے خود اس بات کا اعلان کیا اور حکومت کی شکست پر پردہ ڈالنے کے لئے کانپور گیا۔ کانپور کی مسجد کی تحریک ہماری جدوجہد آزادی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اس موقع پر مسلمانوں نے سیاسی تحریک اور زبردست پروپیگنڈے سے مہم چلائی انہوں نے عظیم قربانیاں دیں جن کا انعام ہم سب کے سامنے ہے مسلمانوں پر یہ بات عیاں ہو چکی تھی کہ حکومت سے وفاداری اور تعاون کرنے سے کسی قسم کے جائز حقوق حاصل نہیں کئے جاسکتے اس کے برعکس جو طریقہ انڈین نیشنل کانگریس نے اختیار کیا تھا وہ زیادہ موثر ثابت ہوا۔ بجائے اس کے کہ حکومت سے انصاف کی بھیک مانگی جائے مسلمانوں نے بھی اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے اپنے مقاصد اور طریق کار میں زبردست تبدیلیاں کیں انہیں تین بڑے بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا جس کے ذریعے انہوں اپنی سیاسی جدوجہد کو نئے خطوط پر استوار کیا۔

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کے اس مرحلہ پر مسلمانوں کے بعض اہم اور بااثر قائدین علی گڑھ سے تعلق رکھتے تھے مولانا شبلی، محمد علی شوکت، رضا علی، ظفر علی خان اور مولانا حسرت موہانی نے اس دور کی تمام سیاسی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی گڑھ تحریک کی روح اور اصول سے فیض یافتہ لوگوں نے مسلمانوں کی معاشرتی سیاسی زندگی میں اہم کردار ادا کیا ہے نہ صرف تعلیم کے میدان

میں بلکہ مسلم معاشرہ کے ارتقاء میں علی گڑھ کا حصہ تاریخ کا اہم باب ہے۔[1] سر سید کی بدولت اردو ادب میں بھی یہ تبدیلی آئی کہ اس کا دائرہ ملکی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی ہر قسم کے مضامین میں وسعت و جامعیت سے ادا ہونے لگا۔[2]

تحریک علی گڑھ اور مسلم سٹوڈنٹ موومنٹ

تحریک علی گڑھ کے بہت سے اساتذہ اور طلبہ پورے برصغیر میں پھیل چکے تھے اور ان کی شرکت تحریک کے لئے بہت ضروری تھی اس عظیم الشان تحریک کے ہوتے ہوئے اس گروپ کی علیحدگی ناممکن تھی اور تحریک علی گڑھ بھی ان کے ساتھ ہی چل سکتا تھا بلکہ اس گروہ کی رہنمائی کا فریضہ بھی ادا کر سکتا تھا کانگرسی لیڈروں خصوصاً جواہر لال نہرو کی ہمت افزائی پر آل انڈیا سٹوڈنٹ فیڈریشن وجود میں آچکی تھی جولائی ۱۹۳۵ء میں اس کے ایک اجلاس میں قائد اعظم کی تقریر سن کر اور ان سے ملاقات کرنے کے بعد علی گڑھ کے ہی کچھ طلبہ کو یہ خیال آیا کہ وہ خود مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن قائم کریں۔

مسلم یونیورسٹی کے حالات اور تحریک علی گڑھ

تحریک خلافت اور ترک موالات سے علی گڑھ کالج شدید بحران کا شکار ہو گیا تھا لیکن اس کا مثبت اثر یہ ہوا تھا کہ حکومت ہند جو ابھی تک پس و پیش سے کام لے رہی تھی اس کا چہرہ کھل کر عوام کے سامنے آگیا تھا اور اس کو اس بات کا خدشہ ہو گیا تھا کہ کہیں انتہا پسند جماعت کالج اور اس کے فنڈ پر قابض نہ ہو جائیں وہ اس کو یونیورسٹی بنانے پر آمادہ ہو گئی۔ یونیورسٹی کی تشکیل کی وجہ سے تمام پرانے بورڈ آف ٹرسٹیز اور انتظامیہ کو کالعدم قرار دیا اور صرف ان لوگوں کو ہی یونیورسٹی میں رکھا گیا جو اس کو سیاسی ادارہ بنانے کے خلاف تھے اور یہ بالکل وہ ہی واقعہ تھا کہ جب سر سید کے دور میں بورڈ آف ٹرسٹیز قائم ہوا تھا گورنمنٹ کے اس کام کے پیچھے بہت سے سیاسی فائدے تھے اگر مسلمان سیاست سے دور رہتے تو ان کی مشکلات بہت حد تک کم ہو جاتیں۔ اسی دوران سر شفیع ممبر برائے تعلیم ہوئے تو یونیورسٹی کی منظوری کا مسئلہ آسان ہو گیا سیکرٹری تعلیم مسٹر شارپ اور اسسٹنٹ سیکرٹری ڈاکٹر ولی محمد نے دوسری تمام پریشانیوں کو دور کرنے کی بہت حد تک کوششیں کیں۔

مسلم ایسوسی ایشن کے ممبران کو اس بات کا اندازہ تھا کہ حکومت سیاسی دباؤ میں آکر یونیورسٹی بنانے پر آمادہ ہوئی ہے تو اس سے پہلے کہ حالات رخ بدلیں تو جو چیز مل رہی ہے اسی پر اکتفاء کر لیا جائے اس لئے حکومت نے جو آخری ترامیم پیش کیں مسلم ایسوسی ایشن نے ان کو منظور کر لیا۔ آنریری سیکرٹری سید محمد علی نے کہا کہ حکومت سے اسے بہتر تجاویز کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ ترامیم بنارس یونیورسٹی اور ڈھاکہ یونیورسٹی کے قوانین سے بہت حد تک بہتر ہیں۔

---

[1]۔ معین الحق، سید، تاریخ تحریک علی گڑھ، ص 251

[2]عبد الحق، مطالعہ سر سید احمد خاں، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2001، ص9

جولائی میں سیکرٹری حکومت کی منظوری سے گزٹ ہوا ۲۷ اگست کو مسلم یونیورسٹی کا بل خواندگی کے لئے امپریل لیجسلیٹو میں پیش کیا گیا اور سید نور محمد جو کہ ایم اے او کالج کے ایڈیشنل ممبر مقرر ہوئے تھے تاکہ بل کی صحیح طور پر راہنمائی کر سکیں۔ حکومت نے یونیورسٹی بنانے کی اجازت اسی لئے دی تھی کہ مسلمان اس سے راضی ہو جائیں سیاسی انتشار کی وجہ سے یونیورسٹی کے قانون اور ڈھانچہ میں بہت سی خامیاں نظر آئیں مثلاً ہندو یونیورسٹی کے خلاف وائس چانسلر اور پرو وائس چانسلر کے اختیارات کی تقسیم صحیح نہیں ہوئی جس کے نتیجے میں آنریری سیکرٹری اور پرنسپل کے مابین کشمکش پیدا ہو گئی۔ گورنر جنرل نے چانسلر اور پرو چانسلر انتخاب کرنے کا حق یونیورسٹی کو دیا اس کو الحاقی یونیورسٹی کا درجہ تو نہ مل سکا لیکن نام مسلم یونیورسٹی علی گڑھ قرار پایا مسلمان جو چاہتے تھے وہ حاصل کر چکے تھے تمام یونیورسٹی کے معاملات اسی کے سپرد کر دیئے گئے تھے جس کے ارکان مسلمانوں میں ہی سے لئے گئے تھے پروفیسروں اور اساتذہ کے تقرر میں سرکاری مداخلت نہیں مانی گئی تھی اور اس سلسلے میں کسی قسم کی پابندی یا اختیاری مداخلت حکومت کو نہیں دی گئی تھی۔ انتظامی ڈھانچہ ایسا بن گیا تھا کہ بغیر دستوری تبدیلی کے کوئی بنیادی تبدیلی بھی ممکن نہ تھی۔

ہر ہائی نس بیگم آف بھوپال سلطان جہاں بیگم صاحبہ جو اسلامی اور عمومی تعلیم کی سرپرستی کے لئے مشہور تھیں پہلی چانسلر مقرر ہوئیں سر آغا خاں سوم جنہوں نے مسلمانوں کی سیاسی اور تعلیمی سرگرمیوں میں ہمیشہ نمایاں حصہ لیا تھا پرو چانسلر بنا دئے گئے اور چانسلر کی مرضی اور رضا کے بغیر کوئی بھی تعلیم کا ادارہ کالج ہو یا یونیورسٹی کام نہیں کر سکتا تھا۔

شاندار کامیابی کے ۵۰ سال

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور ڈاکٹر ضیاء الدین نے علی گڑھ کی حیثیت مسلمانوں کی نظر میں بحال کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ مارچ ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ کالج کے قیام کے ۵۰ سال پورے ہونے پر جوبلی منائی جائے اور اس کی تیاریوں کا کام گرمیوں کی چھٹیوں میں جاری کر دیا گیا۔ شملہ میں علی گڑھ اولڈ بوائز کا اجتماع ہوا جس سے وائس چانسلر نے خطاب کر کہ تعاون کی اپیل کی۔ چانسلر کی طرف سے ہزاروں لوگوں کو دعوت نامے بھیجے گئے اور عوام کی کثرت کی وجہ سے ان کو خیموں میں ٹھہرایا گیا تقریباً سات ہزار افراد نے باہر سے آکر جوبلی میں شرکت کی جوبلی کا پنڈال اس جگہ بنایا گیا جہاں اب کشمیری ہاؤس اور آزاد لائبریری واقع ہیں جوبلی کے جلسے کی صدارت نواب مزمل اللہ خاں نے کی اور ذاتی طور پر ا لاکھ چندے کا اعلان کیا۔

مالی اعتبار سے بھی یہ اجتماع نہایت کامیاب رہا ایک لاکھ چھہتر ہزار روپے نقد جمع ہوئے اور تین لاکھ کا اعلان کیا گیا۔ اس طرح لوگوں نے علی گڑھ کو زندہ اور جیتا جاگتا دیکھا اور اس کی محبت نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔

سٹاف کی باہمی کشمکش

یونی ورسٹی میں اختیارات کی باہمی کشمکش پہلے دن سے جاری تھی اور آج بھی جاری و ساری رہی بلکہ اب اس میں اور زیادہ شدت پیدا ہو گئی تھی جس طرح ایم۔اے۔او کالج میں پرنسپل اور آنریری سیکرٹری کے درمیان پائی جاتی رہی لیکن تب کے حالات کچھ اور طرح کے تھے تب آنریری سیکرٹری کو پرنسپل پر ا ختیارات حاصل تھے وہ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کر سکتے تھے۔پرنسپل کو سیکرٹری کے ماتحت رہنا پڑتا تھا اور اس معاملے میں حکومت بھی خاموش تھی کیونکہ وہ حکومت سے ٹکر لینے کو بھی تیار تھے اور آنریری سیکرٹری اور ٹرسٹیز کو حکومت بھی نظر انداز نہ کر سکتی تھی لیکن اب صورتحال بہت مختلف تھی پرووائس چانسلر کو بڑے اہم اور انتظامی اختیارات حاصل تھے وہ چانسلر کے سامنے کچھ بھی نہ کر سکتے تھے۔آنریری سیکرٹری چانسلر کے سامنے جواب دہ نہیں تھا بلکہ وہ اسی طرح حکومت کے سامنے جواب دہ تھا جیسا کہ وائس چانسلر۔ڈاکٹر ضیاء الدین کی پالیسیوں نے پرووائس چانسلر کے اختیارات میں مزید اضافہ کر دیا وقت اور حالات نے ا ن کی پالیسی کو ترک موالات اور خلافت تحریک میں بالکل صحیح قرار دیا۔یونیورسٹی کے قیام کے وقت ڈاکٹر ضیاء الدین اور ان کے ساتھیوں کو یونیورسٹی کے اختیارات سونپے گئے پہلے چانسلر اور پروچانسلر ان ذمہ داریوں سے آزاد تھے پہلے چار سالوں میں ڈاکٹر ضیاءالدین کی حیثیت اتنی مستحکم ہو گئی تھی کہ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں ان کے اقتدار کو دبانے کی بارہا کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ان کی طاقت کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ یونیورسٹی کا کورٹ ان کے ماتحت تھا صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے اپنی روش کو برقرار رکھا ڈاکٹر ضیاءالدین کا استدلال تھا کہ قواعد وضوابط طلبہ کے لئے بنائے گئے ہیں نہ کہ طلبہ قواعد وضوابط کے لئے ان کے درمیان جھگڑے کی سب سے بڑی وجہ میٹرک کے امتحانات بنے جب ڈاکٹر ضیاء الدین نے مسلمانوں کی پس ماندگی کے پیش نظر ان کو پرائیویٹ امتحان دینے کی اجازت دے دی اس کی وجہ سے لاکھوں لوگوں کا بھلا ہو گیا لیکن انہیں وہ درجہ نہ مل سکا جو باقاعدہ طالبعلموں کو ملا۔علی گڑھ میں ٹریننگ کرنے والے اساتذہ کو بھی ایم۔اے اور قانون کے امتحانات دینے کی اجازت تھی یہ عام رعائتیں عام کالجوں میں نہ تھیں لہٰذا یہ تاثر عام ہو گیا کہ علی گڑھ میں طلبہ کے ساتھ بے جا نرمی برتی جاتی ہے حتیٰ کہ علی گڑھ کے اساتذہ کو سرکاری نوکری کے حصول میں دقت پیش آنے لگی اس بات کی وجہ سے یونیورسٹی کی ساکھ بہت حد تک متاثر ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر ضیاءالدین کا نقطہ نظر یہ تھا کہ برصغیر میں مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہت پس ماندہ رہی ہے لیکن ملک میں سیاسی اور معاشرتی ماحول میں سرکاری نوکریوں پر کنٹرول ملک وملت کی حیثیت کو متاثر کرتا تھا ملکی نمائندگی میں جس کو زیادہ اختیارات حاصل تھے وہ حکومت پر اپنی حکومت کرتا اور اپنی مرضی سے جو چاہتا کرا سکتا تھا اور حکمرانوں تک اپنی بات پہنچا کر پالیسی کو اپنی مرضی کے مطابق کرا سکتا تھا۔اگلے دنوں میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کی صحت گرتی چلی گئی اس وجہ سے اس کے اختیارات اور حیثیت میں بھی بہت کمزوری آ گئی تھی وہ خرابی صحت کی بنا پر یونیورسٹی کے معاملات کو بھی وقت نہیں دے پا رہے تھے اپنے عہدے کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ایک کمیٹی مقرر کی جس کا مقصد یہ تھا کہ تعلیمی معیار اور قواعد کی پابندی کی جائے اور سٹاف کو طلبہ کی حاضریوں اور

بے ضابطگیوں کی نشان دہی کر اکے انہیں دور کرنے کی تجاویز پیش کیں یہ رپورٹ ایک لحاظ سے ڈاکٹر ضیاءالدین کے خلاف تھی۔اس لئے اس کی حیثیت بہت جلد کمزور ہو گئی۔

تحریک خلافت اور ترک موالات کے اثرات

تحریک خلافت اور ترک موالات کے ہنگاموں کا اثر کالج کی مقبولیت پر پڑ رہا تھا۔ مئی ۱۹۴۹ء میں کالج بند ہوا تو طلبہ کی تعداد بہت حد تک گھٹ گئی پہلے ان کی تعداد ۱۶۰۰ تھی جو کہ کم ہو کر ۱۸۱ رہ گئی تھی جس میں ایک ہزار بورڈر تھے تحریک خلافت اور عدم تعاون کی ابتداء سے ہی ترک موالات اور تعلیمی مقاطعے پر زور دیا جا رہا تھا۔ گاندھی نے ۱۹۱۹ء میں دہلی خلافت کے سامنے اپنی تجاویز عدم تعاون کے سلسلے میں پیش کر دیں۔ مسلمانوں میں علیگڑھ کو جو مقام حاصل تھا تحریک کی ابتداء کسی اقامتی تعلیمی ادارے سے ہی شروع ہو سکتی تھی جہاں طلبہ ایک خاص ماحول سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ گاندھی جی نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ وہ طلبہ سے براہ راست اپیل کریں کہ وہ کالج کو عطیہ دینا بند کر دیں اس پر پرنسپل نے یہ جواب دیا کہ ٹرسٹیز، سٹاف اور پرنسپل سے مشورہ کئے بغیر طلباء سے اپیل کرنا بہت ہی نامناسب بات ہے۔ اس پر گاندھی نے جواب دیا کہ تعلیمی نقطہ نظر سے وہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سٹاف کبھی اپنی اعلیٰ تنخواہوں والی نوکریاں چھوڑنے پر راضی نہیں ہو گے۔ انہوں نے براہ راست طلبہ سے بات اس لئے کرنی چاہئے کہ وہ سیاسی پروپیگنڈے میں ان کے معاون بن جائیں اور ان کی کوشش تھی کہ وہ طلبہ سے اپیل کریں تاکہ ان کو اپنے والدین اور اساتذہ سے مشورہ کرنے کا وقت نہ مل سکے ان کا ارادہ تھا کہ وہ علی گڑھ کی بلڈنگ کو اپنی قومی آرگنائزیشن کے لئے استعمال کریں گے جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ اس بات کی کیا وجہ ہے کہ وہ علی گڑھ کالج کو ہی کیوں منتخب کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنا نیشنل کالج کہیں اور بھی بنا سکتے تھے کیونکہ احمد آباد ان کے لئے ہر لحاظ سے موزوں مرکز ثابت ہو سکتا ہے اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ وہ ایک سکول کی بنیاد احمد آباد میں ڈال چکے ہیں۔ اور وہ عنقریب بنارس جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ درحقیقت ترک موالات حامی رہنماء اپنی تحریک کے سلسلے میں کوئی بھی قدم اٹھانے کو تیار تھے کیونکہ اس بات کا ان کو یقین تھا کہ کالج اتھارٹیز، سٹاف اور پرنسپل سٹاف ٹرسٹیز کو اپنے خلاف بنالیا اور آئندہ واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ مخالفت تحریک ترک موالات کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوئی۔

طلباء یونین کا اجلاس

۱۲اکتوبر ۱۹۲۰ء کو علیگڑھ ء کے طلباء نے ایک اجلاس منعقد کیا جس میں گاندھی جی، علی برادران اور ستیہ دیو نے تقاریر کیں اس اجلاس کی صدارت وائس پریزیڈنٹ نے کی طلباء نے گاندھی سے دو سوالات کئے

۱۔ یہ کہ اگر طلباء کالج چھوڑ دیں تو تعلیم کا متبادل نظام کیا ہو گا؟

۲۔ یہ تعلیمی مقاطعہ صرف علی گڑھ میں ہی کیوں ہو رہا ہے؟

ان سوالات کے بعد ہندو رہنماؤں کی نیت کا فتور سب کے سامنے عیاں ہو چکا تھا اور چار گھنٹے کی مسلسل کاروائی کے بعد گاندھی اسی رات کو واپس لوٹ گئے ان کے لئے شاید یہ تجربہ ناکام ہو گیا تھا اور یہ صورتحال انکے لئے حوصلہ شکن ثابت ہوئی تھی۔لہذا علی برادران کو اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لئے طلباء، گاندھی اور کانگریسی رہنماؤں کی نگاہ میں علی گڑھ میں کچھ نہ کچھ کرنا ضرور تھا۔اسی رات کو علی گڑھ کے اولڈ بوائز لاج میں پھر گفتگو ہوئی جہاں علی برادران کی جذباتی تقریر نے طلباء کی سوچ کو متاثر کیا انہوں نے طلباء سے اپیل کی کہ وہ انہیں گاندھی جی کے سامنے ذلیل ورسواء نہ کریں دوسرے دن ۱۳ اکتوبر کو کلاسوں کا بائیکاٹ ہوا اور یونین کلب کے سامنے اجتماع ہوا علی برادران نے طلبہ سے خطاب کیا اور ایک ذہین طاب علم نے جراءت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی تعلیم اور تعلیمی وظیفہ سے دست برداری کا اعلان کیا اس اعلان سے کایاپلٹ ہو گئی اور ایک متفقہ تجویز پاس ہوئی کہ اگر ٹرسٹیز کی جماعت نے ۲۹ اکتوبر تک کالج کی گورنمنٹ گرانٹ کا بند کرنا منظور نہ کیا اور کالج کا الحاق ختم نہ کر دیا تو طالب علموں پر لازم ہو گا کہ ان تمام ذرائع کو جو ان کے قبضہ میں تھے استعمال کریں گے کہ یہ کالج سنٹرل کمیٹی کے تحت ایک قومی ادارہ بن جائے اور تمام نوجوان خلافت کے کام میں مصروف ہو جائیں۔یہ جلسہ خطاب یافتہ ممبران سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے خطابات واپس کر دیں اور گورنمنٹ کے آنریری عہدوں سے مستعفیٰ ہو جائیں ورنہ ان کا بائیکاٹ کر دیا جائے گا طلبہ کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ وہ فتوی متفقہ پر بحث کرتے صلح نامہ اور سالز کی شرائط پر گفتگو کرتے اور بلا سمجھے ترکی گیت اور ترانے گاتے تھے۔

جامعہ ملیہ کا قیام

مولانا محمد علی سے پرنسپل اور سیکرٹری نے علیحدہ علیحدہ درخواست کی کہ وہ کالج کو امن کے ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں اس بات کے جواب میں مولانا محمد علی نے کہا کہ وکالج اللہ کے حکم سے آئے تھے اور اسی کے حکم سے جائیں گے ۱۴۰ افراد کا ایک وفد جس میں پرانے طالب علم اور ٹرسٹیز شامل تھے مولانا کے پاس گئے اور پھر سے ان کو کالج چھوڑنے کو کہا اس پر یہ اطلاع ملی کہ مولانا شوکت علی دوسرے دن بمبئی سے پہنچنے والے ہیں اگر انتظامیہ قبضہ لینے کی کوشش نہیں کرتی تو خلافت والوں کا کالج کی عمارت اور سامان پر قبضہ ہو جائے گا۔اس بات میں پولیس یا حکومت نے کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کی اس دور میں تعلیمی درسگاہوں کا احترام اسی طریقے سے کیا جاتا تھا۔پولیس بھی اب حرکت میں آچکی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ طلباء کی تعداد میں کمی کی وجہ سے مولانا محمد علی اور ان کے ساتھی شہر والوں کی اعانت کے بغیر کچھ نہیں کر سکیں گے لہذا انہوں نے سب سے پہلے شہر کے تمام راستے مسدود کر دیے۔پولیس اور اولڈ بوائز نے مل کر کاروائی کی اور دن کے ۱۲ بجے بغیر کسی الجھن یا پریشانی کے مولانا محمد علی اور ان کے حامی طلباء باہر چلے گئے اور ان خیموں میں مقیم ہو گئے جو حکیم اجمل خاں نے پیش بندی کے طور پر ہی مہیا کر دئے تھے اس کے بعد جب یہ جگہ تنگ پڑ گئی تو پڑوس کے چند بنگلے کرایہ پر لے لئے گئے اور سکول اور کالج کو ۲۶ اکتوبر سے بند کر دیا گیا

اس حالت میں ڈاکٹر ضیاءالدین کو اپنی حالت کی وضاحت کرنا بہت ضروری سمجھا اور اپنے موقف کی وضاحت کے لئے ترک موالات کی مخالفت میں کئی اور طریقے استعمال کئے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی اشاعت روزانہ کر دی گئی تاکہ مخالفانہ خبروں کے ساتھ ساتھ وہ اپنی خبریں بھی دے سکیں اور تصویر کا دوسرا رخ بھی

لوگوں کے سامنے عیاں کر سکیں ہمسایہ ممالک میں جلوس کرائے گئے۔ اس وقت علماء کی تقاریر سے طلبہ بہت جذباتی ہوئے اور وہ جلوس پر آمادہ تھے اور اس دوران بہت سی افواہیں پھیلائی گئیں کہ تعلیمی مقاطعہ دیگر کالجوں میں بھی ہورہاہے علی گڑھ کالج میں انتظامیہ اس مقاطعہ کو طاقت سے روکے گی شہر میں فساد ہونے کا امکان تھاتوڈاکٹر صاحب نے اولڈ بوائز اور مربیوں کو بیچ میں ڈال کر کشیدگی کم کرائی ساتھ ہی ترک موالات کے مخالف علماء سے تقاریر کرائیں اور مختلف کتابچے شائع کرائے۔

ترک موالات کی مخالفت

اکتوبر ۱۹۲۰ء کی درمیانی رات میں علی برادران نے انجمن حمایت اسلام لاہور پر زور ڈالا کہ وہ اسلامیہ کالج کا الحاق ختم کر دیں اور گرانٹ سے انکار کر دیں اور علی گڑھ کی طرح وہاں بھی انجمن کا اجلاس جلد سے جلد بلایا گیااس کے باوجود کہ اس کے سیکرٹری ڈاکٹر اقبال سیالکوٹ رہتے تھے۔انجمن کا اجلاس طلب کر لیا گیا۔اور وہاں پر مولانا ابوالکلام آزاد نے زبانی فتویٰ دے کر بحث ختم کر دی۔دوسرے دن گاندھی جی لاہور پہنچنے کی اطلاع تھی تو اسلامیہ کالج کے پرنسپل نے حالات کے پیش نظر چھٹی کا اعلان کر دیا۔علامہ اقبال علی گڑھ کے ٹرسٹی بھی تھے وہ اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو تعلیمی مقاطعہ کے خلاف تھے بلکہ وہ اس جوش وجذبہ کو عوامی جنون سے تعبیر کرتے تھے۔وہ اس ہیجان کو عارضی سمجھتے تھے لیکن ان کا بھی یہ ہی خیال تھا کہ خلافت ایک قطعی مسلم مذہبی مسئلہ ہے اس میں ہنود سے جو اس پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے شراکت کا سوال ہی غلط ہے وہ اس فتویٰ سے مطمئن نہیں ہوئے لہٰذا انہوں نے اپنے کالج کے سٹاف سے ایک صاحب سے اس مسئلہ پر مخالفانہ فتویٰ حاصل کیا اور اسے مولانا احمد فاضل بریلوی کی خدمت میں بھیج دیا اور انہوں نے اس کی تصدیق کر دی اسی طرح کے خطوط بنارس، کراچی اور فیصل آباد سے بھی آئے اس پر مولانا احمد رضا خاں نے اپنا فتویٰ شائع کر کے اس کا مستقلاً رد کر دیا گائے کی قربانی ترک کرنا قرآن پاک کو گیتا کے برابر ٹھہرانا مساجد میں ہنود کو بلا کر تقاریر کرانا درست عمل نہیں ہے۔

گرانٹ ان ایڈ پر ان کی دلیل یہ تھی کہ یہ روپیہ پیسہ دراصل غیر ملکی یا کافر حکومت کا نہیں بلکہ ہندوستان کی آمدنی کا وہ حصہ ہے جو اس شکل میں واپس مل رہاہے اور اس کا استعمال اسی طرح درست ہے جس طرح ریل گاڑی کا سفر ،ڈاکخانہ و تارگھر کا استعمال اسی طرح درست ہے ان جوابی فتووں سے مخالفین ترک موالات کو یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنے اوپر دباؤ کم کر سکیں دوسری طرف مخالفین کا کہنا یہ تھا کہ جدید تعلیمی ادارے بغیر سرکاری امداد کے چل ہی نہیں سکتے اور اگر یہ الحاق ختم کر بھی دیا جائے تو کیا اس ادارے کے فارغ طلباء کو سرکاری نوکریاں دی جائیں گی اس دور کی سیاست اور مذہبی عصبیت کے ماحول میں سرکاری نوکریوں میں اپنے آدمیوں کی تعداد ایک اہم مسئلہ تھا۔[1]

---

[1] مشتاق احمد خاں، علی گڑھ اور تحریک آزادی،ماہنامہ اردو ڈائجسٹ،1929، ص112

اگر دیکھا جائے تو ہندوستان میں سیاسی تحریک کا ایک بڑا سبب سرکاری نوکریوں کا مسئلہ تھا۔ یہ تعلیمی ادارے برسہابرس کی محنت اور کاوش کے بعد پروان چڑھے تھے انہیں ایک لحظہ میں تباہ کیا جا سکتا تھا دیگر علماء کرام علی گڑھ میں جدید تعلیم کے سخت خلاف تھے لہذا ایسے اداروں کا بند ہو جانا ہی ان کے لئے بہتر تھا۔ موجودہ بھارت کے مصنفین تحریک خلافت، علی برادران اور گاندھی جی کو مسلمانوں میں مذہبی سیاست کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں ایم۔اے،او کالج علی گڑھ اسلامیہ کالج لاہور اور دیگر تعلیمی اداروں کو تباہ کر کہ مسلمان اسی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں جو میثاق لکھنوء کے بارے میں کہا گیا تھا کہ مسلمانوں نے پایا کم اور کھویا بہت زیادہ ہے۔ خلافتی رہنماؤں اور کارکنوں میں شروع شروع میں جوش و جذبہ بہت زیادہ تھا شروع شروع میں ان کا خیال یہ تھا کہ علی گڑھ کی عمارت اور تمام سامان پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اس لئے کسی مستقل انتظام کی ضرورت نہیں ہے۔ علی گڑھ کے طلبہ کا یہ عام خیال تھا کہ ایک نیشنل ادارہ قائم ہو گا جس میں مولانا محمد علی انگریزی ادب و تاریخ حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر اقبال فلسفہ پڑھائیں گے لیکن ابتداء میں صرف مولانا محمد علی ہی لیکچر دے سکے اقبال نے اشتراک قبول نہیں کیا تھا اس لئے ان کے آنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری کی اپنی مصروفیات تھیں جن میں قومی خدمات بھی شامل تھیں خصوصاً مولانا آزاد کا موقف یہ تھا کہ آزادی کا حصول ہی ہم سب کا نصب العین ہونا چاہئے اگر کچھ دیر کے لئے ہمیں اپنے تعلیمی ادارے بند بھی کرنا پڑیں یا برائے نام اخلاقیات زبان و مذہب پر لیکچر دئے جائیں اور چرخہ کاتنے کی مشق کرائی جائے تو آزادی کے ساتھ ساتھ یہ کافی تعلیم ہے ان کو اپنی کامیابی کا اس قدر یقین تھ کہ یکم جنوی ۱۹۲۲ء کو سوراج کے حصول کے لئے تاریخ قرار دی گئی۔ مسلمانوں کے یہی گنے چنے چند تعلیمی ادارے تھے اگر یہ بھی بند ہو جاتے تو وہ پھر سے ۱۸۵۷ء کی دنیا میں لوٹ جاتے اور پھر شاید کوئی سرسید پیدا ہوتا کہ نہیں جو مسلمانوں میں آزادی، شعور اور تعلیم کی روح پھونکتا کیونکہ قدرت اور تاریخ قوموں کو بار بار سنبھلنے کے موقع مہیا نہیں کرتی۔

اس عظیم جدوجہد میں عوامی سیاست اور ایثار اور قربانی کے جذبات کی وہ بے مثال میراث پیدا ہوئی جس نے ہماری متاخرہ جدوجہد آزادی و حصول پاکستان کی راہ ہموار کر دی اس تحریک کے بغیر کوئی بھی تحریک علاقائی اور مقامی رجحانات کے ساتھ کامیاب نہ ہو سکتی تھی قیام پاکستان کی تحریک کو جس طرح پورے برصغیر کے مسلمانوں کی حمایت حاصل رہی ہے وہ ہی اس کی کامیابی کی ضامن ہے اور اس کامیابی کا تعلق براہ راست تحریک خلافت سے تھا۔

ترک موالات کے اثرات

طلبہ کو اپنی سیاست میں آگے چل کر بھی استعمال کیا گیا لیکن تعلیمی عمل کی تباہی کا ترک کر دیا گیا۔ نئی نسل سیاسی عمل و فکر میں شامل ہو گئی۔ اور ان کی یہ تربیت آئندہ آزادی کے حصول میں معاون ثابت ہوئی۔ تقسیم بنگال ۱۹۰۵ء کی منسوخی کی تحریک میں قائم ہونے والے نیشنل کالج کسمپرسی کا شکار رہ کر بالآخر کلکتہ یونیورسٹی میں مدغم ہو گئے لیکن تحریک خلافت کے بعد جامعہ ملیہ کی حد تک نصاب اور طریقہ تعلیم میں نئی راہیں متعین ہوئیں اور یہ اندیشے غلط ثابت ہوئے کہ یہ ادارہ ایک دن ناکام ہو جائے گا۔ اس محرومی کا اصل اور مثبت پہلو یہ نکلا کہ علی گڑھ میں سے سیاست کچھ عرصے کے لئے ختم ہو گئی درس و تدریس پر زیادہ زور

دیا گیا جو کہ اس کا بنیادی مقصد تھا۔ علی گڑھ میں مسلمانان ہند کی مرکزیت دوبارہ وہ مقام حاصل نہ کر سکی، سیاسی انتہا پسندی اور ایک طرح سے ایثار و قربانی سے گریز کا جو مظاہرہ علی گڑھ کالج کی انتظامیہ، سٹاف اور طلبہ کی اکثریت نے کیا تھا۔ اس کا مداوا تب ہی ہو سکا جب مسلمانوں نے اپنی دوسری اور آخری بڑی جدوجہد یعنی مسلم لیگ کی تنظیم نو اور تحریک پاکستان شروع کی۔

مسلم سٹوڈنٹس مومنٹ

جب علی گڑھ کا دوسرا دور شرع ہوا تو سیاسی جدوجہد اور تنظیم بہت حد تک آگے بڑھ چکی تھی۔ مسلمان اساتذہ اور طلبہ کی تعداد بہت زیادہ بڑھ چکی تھی جو کہ پورے برصغیر میں پھیل چکی تھی اور ان کی شرکت تحریک کے لئے بہت ضروری تھی۔ اس عظیم الشان گروہ کی موجودگی میں ہی علی گڑھ آگے بڑھ سکتا تھا۔ اور اس گروہ کی رہنمائی کا فرض بھی ادا کر سکتا تھا۔ جولائی ۱۹۳۵ء میں ایک اجلاس میں قائد اعظم کی تقریر سن کر اور ان سے ملاقات کرنے کے بعد علی گڑھ کے کچھ طلبہ کو خیال آیا کہ کہ کیوں نہ وہ خود مسلم فیڈریشن قائم کریں مختلف صوبوں میں مقامی طور پر اس کی طرح کی سٹوڈنٹس تنظیمیں وجود میں آچکی تھیں۔ [1] مسلم طلبہ نے لکھنوء میں ایک اسٹوڈنٹس کانفرنس منعقد کی۔ قائد اعظم طلباء کی فکری و نظری تربیت کی خاطر انہیں مسلم لیگ سے مکمل طور پر ملحق نہیں کرنا چاہتے تھے قائد اعظم اور مسلم لیگی رہنماؤں نے اس کی برابر ہمت افزائی کی۔

[1]۔احسن اقبال، ڈاکٹر، شیخ الہند مولانا محمود الحسن حیات اور علمی کارنامے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، 1973، ص39

سید سلیمان اشرف بہاری کی تحریک علی گڑھ میں خدمات

تعارف

سر فروشان علی گڑھ کی تاریخ بہت طویل اور تہہ دار ہے اس میں اسلاف کے کارناموں کا جذبہ بہت زیادہ ہے۔ سر سید کے علمی افق پر چند ہستیاں ایسی بھی ابھری ہیں کہ جنھوں نے خود کو پردہ خفا میں رکھنا چاہا ہے انہی ہستیوں میں ایک نام سید سلیمان اشرف بہاری کا بھی ہے آپ ایک ذہین، دین دار، ذی علم اور ذی وجاہت گھرانے کے چشم وچراغ تھے ۔ آپ کی پیدائش ۱۸۷۸ء کو ایک قدیم علمی اور دینی گہوارہ بہار شریف کے محلہ میر داد میں ہوئی۔ آپ کی جائے پیدائش سے کچھ میٹر کے فاصلہ پر نالندہ یونیورسٹی کے کھنڈرات ہیں۔ اس قصبہ کو مسلمانان بر صغیر مسلمان صوفیاء اور بزرگان دین سے ایک خاص نسبت رہی ہے۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے مادر وطن بہار شریف میں مولوی رمضان سے حاصل کی اس کے بعد بہار سکول میں داخلہ لے لیا۔[1]

آپ دسویں میں تھے کہ پڑھائی سے دل اچاٹ ہو گیا اور عربی زبان کی طرف طبیعت مائل ہونے لگی تو آپ نے باضابطہ طور پر عربی اور فارسی میں تعلیم لینا شروع کر دیا آپ نے مسلمانوں کی حالت زار کو سنوارنے کی بہت کوشش کی اور اس سلسلے میں مسلمان قوم کی بے حد اور بے حساب اصلاحات کیں آپ ایک صاحب طرز ادیب بھی تھے آپ کی ادبی موشگافیاں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی ان کا سکہ مانا جاتا ہے۔ آپ کی علمی سر گرمیاں بھی کچھ کم نہ تھیں آپ کی ذات مع معقولات و منقولات تھی۔ آپ اپنے وقت کے بہترین مقررین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ سیرت رسول ﷺ سے آپ کو والہانہ لگاؤ ہی نہیں عقیدت تھی تحریک خلافت ہو یا تحریک آزادی تحریک موالات ہو یا تحریک علی گڑھ آپ نے ان سب میں مسلمانوں کی جس قدر ممکن ہو سکی خدمت اور اصلاح کی اور آئندہ حالات کے لئے ان کو خبر دار کیا۔ ذیل میں ان کی تحریک علی گڑھ میں خدمات کو پیش کیا جا رہا ہے۔

علی گڑھ میں تقرری

ایم۔اے او کالج میں آپ کا تقرر ۱۹۰۸ میں بحیثیت لیکچرار ہوا آپ یہاں ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی اور شعبہ دینیات میں لیکچرار کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

[1] غلام السیدین، خواجہ، علی گڑھ کی تعلیمی تحریک، مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ، 1931، ص7-6

یونیورسٹی میں تقرر

مولانا حبیب الرحمن شیر وانی علی گڑھ سے مولانا سید ضمیر الدین سے ملنے پٹنہ تشریف لائے اتفاق سے اسی درمیان ان کی ملاقات سید سلیمان اشرف بہاری سے ہوئی مولانا حبیب الرحمن نے ان کے اندر چھپے ہوئے علم وفضل کو پہچان لیا۔ مولانا شیر وانی نے آپ کو علی گڑھ چلنے کو کہا آپ راضی ہو گئے اور علی گڑھ میں ۱۹۰۸ء کو تشریف لے گئے وہاں پہنچے ہی تھے کہ اسلامیات کے ایک لیکچرار کی ضرورت پیش آئی آپ نے خود کو اس عہدے کے لئے پیش کیا۔[1]

علمی لیاقت

جب آپ کا تقرر علی گڑھ میں ہوا تو آپ سے انٹرویو میں معجزہ پر مقالہ لکھنے کی فرمائش کی گئی اور کہا گیا کہ اگر کتابوں کی ضرورت پڑے تو حبیب گنج سے منگوائی جاسکتی ہیں۔ آپ نے فرمایا بحمد اللہ مجھے کتابوں کی ضرورت نہیں ہے صرف کاغذ اور قلم دیا جائے آپ نے عشاء کی نماز کے بعد مقالہ لکھنا شروع کیا اور صبح کی نماز تک ایک ہی مجلس میں فل اسکیپ 20 صفحات پر معجزہ کا مقالہ قلمبند کیا۔

طریقہ تدریس

آپ نے درس و تدریس کے فرائض بہت ہی خوش اسلوبی اور مستقل مزاجی سے انجام دیئے آپ اپنے طلباء کو کبھی زبردستی نہ پڑھاتے اور ان پر کبھی بوجھ نہ ڈالتے۔ کلاس کا ماحول آپ کے شگفتہ مزاج کی وجہ سے بہت پر سکون اور اچھا رہتا آپ اپنے طلباء کے ساتھ دوستانہ ماحول قائم رکھتے ان کو مزاحیہ باتیں اور لطیفے سناتے۔

علی گڑھ کا باضابطہ ماحول

آپ کے مزاج کو بے ضابطگی اور بے قاعدگی کبھی پسند نہ تھی آپ نے اپنے ہر کام کے لئے اصول وضوابط بنا رکھے تھے جن پر ہمیشہ سختی سے کاربند رہتے آپ علی گڑھ میں اپنے حلقہ احباب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اصول و قانون کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ان کی مجلس کے اصولوں کو مقتدیٰ خاں شروانی نے یوں بیان کیا ہے:

ان کی مجلس میں کبھی بدخوئی نہ ہوتی کوئی خود غرضی کا معاملہ نہ ہوتا قابل ہمدردی لوگوں کی بات پر غور ہوتا دوسروں کی اخلاقی اقدار کو سراہا جاتا اور ان ہی سب باتوں کی تعلیم وہ اپنے طلباء کو دیتے اگر آپ کا کوئی سٹوڈنٹ کلاس میں لیٹ آتا تو آپ کو کبھی کلاس میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔

[1] بہاری، سید سلیمان اشرف، السبیل، ادارہ پاکستان شناسی، لاہور، 1924 ص 10

علی گڑھ میں دینی تعلیم کا آغاز

سید سلیمان اشرف کا تقرر جب مسلم یونیورسٹی میں ہوا تو آپ نے رشد وہدات کے لئے ہر روز عصر کی نماز کی بعد درس قرآن دینے کا سلسلہ شروع کیا جو کہ بعد میں آپ کا مستقل معمول بن گیا اس مجلس میں مستفید ہونے والوں میں یہ نام شامل ہیں

مولانا فضل الرحمن

۲۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی

۳۔ قاری انوار احمد صمدانی

۴۔ ڈاکٹر سید عابد علی

۵۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

شعبہ اسلامیات کی اصلاح

آپ جب یونیورسٹی میں آئے تو بہت جلد اپنی قابلیت اور علم کی بناء پر اپ ایک لیکچرار سے صدر شعبہ اسلامیات منتخب ہو گئے اور یہ سب کچھ آپ کی انفرادی خصوصیات کی بناء پر تھا جو آپ کو اتنی جلدی اتنا بڑا عہدہ تفویض کیا گیا۔[1]

پروفیسر عبد الرقیب حقانی لکھتے ہیں۔

مولانا کے علمی مشاغل خطابت منشی صوفی گھر کی مجلس ان کے گرد مشاہیر کا مرجوعہ علمائے ہند میں ان کا مرتبہ ان کے کردار کا وقار اپنوں کے ساتھ ان کی بے لوث محبت غیروں کے ساتھ شفقت ان کی حق بینی اور صداقت پسندی کا سلسلہ بہت طویل ہے حقیقت میں انہی خصوصیات نے ان کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز بنا رکھا تھا مولانا نے اپنا سب کچھ علی گڑھ کو دے رکھا تھا اور اسی کو اپنا مستقل مستقر بنا رکھا تھا مسلم یونیورسٹی کے صدر تھے مولانا کا علم و عرفان مرجع خاص و عام تھا ۔یونیورسٹی کے طلباء مولانا کی سادگی سے بہت متاثر تھے مولانا کے شاگردوں کی ایک بہت بڑی تعداد پاکستان اور ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے۔[2]

علی گڑھ کی کی حفاظت

علی گڑھ میں بہت سے طوفان اٹھے اور اپنے ساتھ بہت کچھ بہا کر لے گئے لیکن کچھ لوگ ایسے تھے جو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند تھے جن کے عزائم اور ارادوں سے ان کے قدم کبھی نہیں ڈگمگائے۔ایسے ہی جب تحریک ترک موالات ۱۹۲۰ء کے دوران آزاد قومی یونیورسٹی کے قیام میں مسلمانوں کے

---

[1] بہاری، سید سلیمان اشرف، السبیل، ص 13

[2] ۔حقانی، عبد الرقیب، ارض بہار اور مسلمان، ص342

تعلیمی اداروں جیسے اسلامیہ کالج لاہور کو نشانہ بنایا گیا اور اسلامیان ہند کی عظیم یونیورسٹی علی گڑھ پر حملہ آور ہوئے خلافت کا کام کرنے والوں میں ۳/۴ طلباء علی گڑھ بھی شامل تھے اور علی گڑھ ہی ان کی فیکٹری تھی اگر فیکٹری کو تباہ کر دیا جائے گا تو کام کرنے والے کہاں سے ملیں گے تو تب ان حالات میں سید سلیمان اشرف نے حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے ان حضرات کو خبر دار کیا جو اس میں شامل تھے کہ اس وقت علماء سیاسی جوش و خروش میں ہیں اور وہ بھی انگریز خوانوں کی وجہ سے ہے انہی کے ہاتھوں نے ان کو جھنجھوڑا اور ان کی آنکھیں کھولیں۔

نصاب تعلیم میں رہنمائی

علی گڑھ میں مولانا کی خدمات اور قربانیوں سے انکار ممکن نہیں ہے یونیورسٹی کا کوئی بھی کام ہو کوئی بھی اصلاح ایسی نہ تھی جس میں سید سیلمان اشرف کا کردار شامل نہ ہو تا لارڈ کرزن کی تقسیم بنگال کے بعد ڈھاکہ یونیورسٹی قائم ہوئی تو وہاں اسلامک اسٹڈیز کے نام سے ایک خاص شعبہ قائم ہوا صاحب زادہ آفتاب احمد خاں نے اپنی وائس چانسلری کے زمانے میں اس کی نقل علی گڑھ میں کرنا چاہی اور مولانا سید سلیمان اشرف بہاری سے اس کے نصاب کے لئے فرمائش کی تو اس موقع پر بھی سید سلیمان اشرف بہاری نے جہاں تک ممکن ہو سکا اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھایا لیکن آفتاب احمد خاں کی باہر چلے گئے نواب مزمل اللہ خاں قائم مقام ہوئے اور نصاب کی تکمیل ان کو بہت ناگوار گزری

علوم اسلامیہ کا نصاب

آپ کی حیثیت بطور ماہر تعلیم مسلم تھی ۱۹۲۵-۲۶ میں جب علی گڑھ یونیورسٹی میں میٹرک سے لیکر ایم۔اے تک کے لئے شعبہ اسلامیات کے لئے نصاب کو رتب کرنے کی ضرورت پڑی تو نصاب مرتب کرنے والی کمیٹی میں دیگر ماہرین تعلیم یں آپ بھی شامل تھے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "منتظمین یونیورسٹی کی دعوت پر چند ایسے علماء جو جدید ضروریات سے آگاہ اور نصاب ہائے تعلیم اور درس گاہوں کا تجربہ رکھتے تھے علی گڑھ میں جمع ہوئے اور ۱۹۲۶ء میں متواتر سات اجلاسوں میں جو ۱۱ فروری سے ۱۷ فروری تک منعقد ہوتے رہے مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو سمجھا اور اس کے لئے ایک نقشہ عمل اور ایک نصاب میٹرک سے ایم۔اے تک تیار کر کے یونیورسٹی کے سامنے پیش کر دیا اور ان میں حسب ذیل اکر ان شامل تھے نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، مولانا مناظر احسن گیلانی استاد دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، مولانا امجد علی گھوسوی صدر مدرس معینیہ عثمانیہ اجمیر اور سید سلیمان ندوی مولانا عبد العزیز صاحب میمن راجکوٹی استاد عربی مسلم یونیورسٹی نے بھی خاص طور پر شرکت کی علوم مشرقیہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا عقلیات دینیات اور ادبیات اور ہر ایک کا علیحدہ نصاب ترتیب دیا گیا ہے جو ایف۔اے کے پہلے سال سے ایم۔اے تک ختم ہو جائے گا۔"[1]

[1] حقانی، عبد الرقیب، ارض بہار اور مسلمان، ص30

سرکاری سند کی ضرورت

سید سلیمان اشرف بہاری نے مسلم یونیورسٹی میں اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کہ طلباء کو سرکاری اسناد سے نوازا جائے کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ کسی کے ہاتھ میں خواہ کیسی ہی افضل سند کیوں نہ ہو جب تک وہ حکومت سے مصدقہ نہ ہو وہ کسی کام کی نہ ہو گی اس لئے علی گڑھ کے طلبہ کو بھی گورنمنٹ کی طرف سے تصدیق شدہ ڈگری ملنی چاہئے تاکہ انہیں اس معاشرے میں آگے بڑھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

انگریزی تعلیم ناگزیر ہے

اس بات سے کبھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حکومت کے ساتھ صرف درہم اور دینار یہی ضروری نہیں ہوتے بلکہ بہت سے کمالات و محاسن اس کے علاوہ ہوتے ہیں جن کی قدردانی اور ضرورت سلطنت کو زوال آنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔یورپ ایک ایسا خطہ ہے کہ جو سب کے لئے باعث پرکشش اور عظیم سلطنت بنا ہوا ہے اس لئے اس زبان کا جاننا بہت ضروری ہے جو کہ ترقی کا زینہ بنی ہے مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ نظام تعلیم کے تغیر و تبدل سے اتنا تو معلوم ہو گیا ہے کہ مسلمانان برصغیر کو اپنی وجاہت اپنی معاشرت اور اپنے خوش منظر تمدن کے لئے انگریزی تعلیم سے انکار ممکن نہیں لیکن سید سلیمان اشرف نے اس بات کا یقین دلایا کہ اپنی مذہبی زندگی کی بقاء کے لئے علوم اسلامیہ سے بھی انکار ممکن نہیں ہے اور دوسری یہ بات یاد دلائی ہے کہ نہ تو صرف علوم اسلامیہ کی تعلیم انصرام حاجات اور ضروریات کے لئے کافی ہے انگریزی زبان قومی درد کی دوا ہو سکتی ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ علوم اسلامیہ کو پس پشت ڈال دیا جائے اور انگریزی تعلیم کو ہی سب کچھ نہیں سمجھا جا سکتا اس کی ضرورت اور افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔[1]

عصر حاضر کے مطابق تعلیم

مولانا صاحب نے یونیورسٹی میں اس بات کو بھی نافذ کرانے کی کوشش کی ہے کہ علم کو محض ان بیش بہا فوائد کی غرض سے حاصل کرنے والوں کے جو مقاصد ہیں اس زمانہ میں نہ صرف کم یاب ہیں بلکہ نایاب ہیں لہذا اپنے نظام تعلیم میں اس بات کا لحاظ ضرور رکھنا چاہئے کہ بعد فراغت سند یافتہ طلبہ کے لئے وہ تمام دروازے کھلے رہیں جو عموماً ایک گریجوایٹ کے لئے کھلے رہتے ہیں اگر ان کی وسعت میں کمی آتی ہے تو اپنے نظام تعلیم کو فوراً بدل دینا چاہئے کیونکہ ایسی تعلیم کا کوئی فائدہ نہیں جو عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکے اور طلبہ کو روزگار نہ مہیا کر سکے۔

---

[1] حقانی، عبدالرقیب، ارض بہار اور مسلمان، ص24

طلبہ کے لئے وظائف کا مختص کرنا

آپ نے علی گڑھ کے طلبہ کے لئے حکومت وقت سے گزارش کی کہ اسلامک سٹڈیز کے شعبہ کو مؤثر اور دلگیر بنانے کے لئے ذی رسوخ اور ذی وجاہت ہستیاں مسلم یونیورسٹی کی تحریریں لکھیں اس کی ضرورت واہمیت پر مستقل تحریریں لکھیں اور تقریریں کریں اور حکومت سے درخواست کریں کہ وہ طلبہ کے لئے وظائف مقرر کریں حکومت چند ایم۔اے عربی کرنے والوں کو اچھی خاصی رقم دیتی ہے وظیفہ کے لئے تو شعبہ اسلامیات کی بنیاد بغیر وظائف کے کیسے استوار ہو سکتی ہے اس لئے اس شعبہ کے لئے الگ سے وظائف کا انتظام کیا جائے اور ایم۔اے عربی کی بجائے اسلامک سٹڈیز کی سند کو بالاتر سمجھا جائے۔

عربی زبان کی اہمیت اجاگر کرنا

مولانا نے علی گڑھ یونیورسٹی میں اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کہ سرکاری یونیورسٹیوں میں جو نصاب ایم۔اے کا مقرر کیا گیا ہے اور جو تعلیم عربی کی دی جاتی ہے اس نے بھی مسلمانوں کو بددل بنا رکھا ہے لیکن چونکہ ایم۔اے کر لینے کے بعد لوگوں میں اس بات کا اعتماد ضرور آجاتا ہے کہ اب ان کو نوکری کے حصول میں آسانی ہو جائے گی۔اس لئے کچھ لوگ یونیورسی میں داخلہ صرف اس وجہ سے لیتے ہیں کہ ان کو ملازمت مل جائے طلبہ کا مقصد صرف سند حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کہ تعلیم کی لگن۔موجودہ یونیورسٹیوں کی تعلیم تجارتی تعلیم ہے طالب علم اپنے وقت اور روپے کے عوض سند لینا چاہتے ہیں قابلیت پیدا کرنا نہ یونیورسٹی کے مقاصد میں ہے نہ ہی طلبہ کا مقصد ہے۔چنانچہ مسلمانان ہند اور مسلمانان برصغیر کے لئے علم کی اہمیت اور شعبہ اسلامیات کا نفاذ ضروری اور اہم قرار دیا گیا اور اس اہمیت ہو مولانا صاحب نے علی گڑھ یونیورسٹی میں بھی مسلم قرار دیا گیا۔

اسلامک سٹڈیز کے شعبہ جات کا قیام

اسلام کے متعلق لوگوں کے ذہن میں جو خاکہ بن چکا تھا لوگ اس کو پسند نہ کرتے تھے اور اسلام اور اس سے جڑی ہر چیز کو ناپسند کرتے تھے لوگ اسلام کے نام سے بھی متعارف ہونا نہ چاہتے تھے مولانا نے اس بات کی کوشش کی کہ علی گڑھ میں اسلامیات کے شعبہ کو اس قدر مظبوط اور ٹھوس شکل دی جائے کہ لوگوں کے ذہنوں میں اس کے اصل معنی اور اصل مطلب رائج ہو جائے اور لفظ اسلام کسی کی طبیعت پر گراں نہ گزرے۔اس لئے آنے مسلم یع نیورسٹی میں شعبہ اسلامیات کا رائج ممکن بنایا اور اس شعبہ کو پھیلانے کی کوشش کی جو بہت حد تک کامیاب بھی ہو گئی[1] اس سلسلے میں آپ نے اسلامک سٹڈیز کے شعبہ جات کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا:

---

[1] بہاری، سلیمان اشرف سید، السبیل، ص 27

۱۔ تعلیم یافتہ گروہ کو اس بات سے باخبر کرنا کہ اسلامیات کے شعبہ یونیورسٹی میں وہ معیار نہیں ہے جو لفظ یونیورسٹی سن کر ذہن میں آتا ہے بلکہ اس کا معیار بہت بلند ور اس کی تعلیم بہت صحیح اصول پر دی جارہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر کوئی طالب علم بی۔اے کی سند لیکر اہل مغرب کے ساتھ ہونے میں فخر محسوس کرے گا تو اسلامک سٹڈیز کی سند اسے علمائے مشرق کے پہلو بہ پہلو عطا کی جائے گی مولانا کا خیال یہ تھا کہ اس طرح سے بھی اسلام پھیلے گا اور لوگوں کا رجحان اسلامک سٹڈیز کی طرف زیادہ ہو جائے گا۔

۲۔ یہ شعبہ اس لئے قائم کیا جائے گا تا کہ ان مشکلات پر بھی غور کیا جائے جو ان مراحل کے دوران پیشِ آئین گی ان تدابیر پر غور کیا جائے گا جن کی وجہ سے ان مشکلات کو حل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اسلام کو پھیلانے کا یہ ایک مستند ذریعہ تھا جس کی وجہ سے قوم اور دین دونوں کی خدمت کی جاسکتی تھی۔

عربی تعلیم کی طرف رجحان

ہندوستان کی اکثر یونیورسٹیوں میں عربی کی تعلیم دی جاتی رہی ہے لیکن ہر جگہ اس کے نصاب میں خامی اور خستگی ضرور ہے آپ نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ عربی نصاب تعلیم صحیح اصول پر قائم کیا جائے اور پوری صحت کے ساتھ تعلیم دی جائے تا کہ طلبہ میں فہم معانی اور تمیز عبارت پیدا ہو سکے۔

علم ریاضی کی تعلیم

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ علم ریاضی بھی علوم اسلامیہ کی مانند ہے لہذا یونیورسٹی میں اس کا اجراء اسلامک سٹڈیز کا درس سمجھا جائے گا اس بات پر مولانا نے فرمایا کہ دنیا کا کوئی بھی فن ایسا نہ تھا جو کہ مسلمانوں نے نہ سیکھا ہو اور اس میں اضافہ جات نہ کئے ہوں ریاضی کی تعلیم یورپ میں بہت سہولت اور شرح وبسیط کے ساتھ رائج ہو چکی ہے اسے عربی میں پڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے مسلم یونیورسٹی میں فن ریاضی کا علم بہت ترقی پا سکتا ہے اگر کسی لائق ریاضی دان کو یورپ بھیجا جائے اور جرمنی اور فرانس جا کر یہ تحقیق کرے کہ ریاضی کے شعبہ جات کیسے اور کیوں ترقی کر رہے ہیں اور پھر ان اصول و قوانین کو ہندوستان میں رائج کیا جائے کیونکہ اگر مسلمانوں کو زمانہ مہلت دیتا تو وہ بھی آج اس مقام پر پہنچ جاتے جس پر آج یورپ نظر آرہا ہے۔

تبصرہ

مولانا نے اپنی تمام زندگی علی گڑھ کے لئے مختص کر دی اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ اپ نے اپنی پوری زندگی علی گڑھ کے لئے وقف کر دی اس دوران حالات نے نہ جانے کتنے ہچکولے کھائے آپ کے خلاف سازشیں کی گئیں اخبارات میں ناروا جملے کہے گئے بہتان تراشی کی گئی آپ کو قدامت پسندی کے

طعنے دیئے گئے لیکن آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر جنبش نہیں آئی کبھی بھی بلکہ آپ نے تن تنہا ہر مشکل اور آزمائش کا مقابلہ کیا اور کسی کی طرف توجہ دیے بغیر اپنے کام میں مصروف رہے۔

آپ کے عزم واستقلال کا تذکرہ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے یوں کیا ہے:

"آج کم وبیش گیارہ سال ہو گئے یونیورسٹی پر تحقیقاتی کمیٹی بیٹھ چکی تھی بعض دوسرے لوگوں کی طرح مولانا خاص طور پر زد میں تھے ہر طرف سراسیمگی کا عالم چھایا ہوا تھا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا بڑے بڑے سورماؤں کے پاوں لڑکھڑانے لگے تھے اس وقت کا حال وہ ہی لوگ جانتے ہیں جن پر وہ عالم گزر چکا ہو اس زمانے میں مولانا کو دیکھا کیا مجال کہ روزمرہ کے معمولات میں ذرہ برابر بھی فرق آجاتا۔ جن کے بارے میں جو کچھ رائے رکھتے تھے اس کا علی الاعلان اظہار کرتے شام کے وقت لوگ چائے کے لئے آتے ایسے معلوم ہوتا جیسے مصیبت کا کہیں نام ونشان نہیں کسی کی مجال تک نہیں ہوتی کہ آنے والی آفت کا تذکرہ کرتا ایک شب میں حاضر ہوا میں اکثر ایسی باتیں بھی کہہ جاتا جو دوسرے نہ کہہ پاتے عرض کیا مولانا کیا ہونے والا ہے خدانخواستہ اگر معاملہ کچھ اور ہوا تو کیا ہو گا کہنے لگے رشید تم بھی ایسا کہتے ہو مجھے تو خیال تھا کہ تم ایسی بات نہ کروگے ہونا کیا ہے وہ ہی ہو گا جو روز اول سے تقدیر ہو چکا ہے مومن کی شان یہی ہے کہ اس پر ہراس طاری نہ ہو تم ڈروگے تو ان لوگوں کا کیا ہو گا جو تم کو اپنا سردار سمجھتے ہیں جو ہونے والا ہے وہ تو ہو چکا ہے پھر ڈرنے جھجکنے کا کیا فائدہ۔ مرحوم پر اس وقت جلال ساطاری تھا شہنشاہیت روما کا وہ عہد یاد آگیا جب گاگس نے روم پر قبضہ کیا تھا اور وحشیوں نے فتح کے نشہ میں آکر سینٹ کا رخ کیا تھا جہاں کا ہر رکن اپنی اپنی جگہ متانت اور وقار لئے بیٹھا تھا جن میں سے ہر ایک کو وحشیوں نے نشست پر ہی ذبح کر دیا لیکن کسی نے اپنی جگہ نہ چھوڑی اور نہ ہی آہ وزاری کی"

تحقیقاتی کمیٹی کا زمانہ کوئی معمولی زمانہ نہ تھا اس وقت صرف مرحوم کی ذات ایک ایسی تھی جو اپنی جگہ پہاڑ کی طرح قائم تھی مولانا پچاس برس تک یونیورسٹی میں منصب درس وتدریس پر فائز رہے آپ سے بے شمار افراد نے استفادہ کیا آپ کی قیام گاہ پر صاحب علم وفن کا جمگھٹا ہوتا اور آپ کی علمی گفتگو سے ہر آنے والا مستفیض ہوتا۔ مولانا کا تقرر اگرچہ یونیورسٹی میں ایک لیکچرار کی حیثیت سے ہوا تھا مگر اپنی قابلیت کی بناء پر آپ یونیورسٹی پر چھا گئے۔ علی گڑھ میں رہتے ہوئے آپ نے بہت سی تصانیف بھی قلمبند کیں جن میں "البلاغ"، "الحج"، "الخطاب"، "المبین" اور "السبیل" شامل ہیں۔ مولانا اپنے زمانے کے جید عالم تھے انہوں نے محبت ملنساری اور دوستی کی حدود مقرر کر رکھی تھیں جن سے کبھی تجاوز نہ کرتے تھے۔ آپ کی یہ خصوصیت بھی لائق تحسین ہے کہ یونیورسٹی کی حدود میں رہتے ہوئے بھی وہاں کی تقریبات میں شریک نہ ہوتے تھے مولانا کا یہ عمل بھی ناقابل فراموش ہے کہ کہ وہ اپنے تدریسی فرائض کے علاوہ روزانہ عصر کی نماز کے بعد اعزازی طور پر مسجد میں درس دیا کرتے تھے جس میں یونیورسٹی کے سٹاف ممبران اور سٹوڈنٹس بلا تکلف شریک ہوتے تھے۔ تقریباً تیس سال کی خدمت جلیلہ کے بعد علی گڑھ میں ہی ۲۵ اپریل ۱۹۳۹ء آپ کا وصال ہو گیا اور یونیورسٹی کے قبرستان میں ہی آپ کی تدفین ہوئی۔

فصل دوم

تحریک خلافت میں سید سلیمان اشرف بہاری کی خدمات

سلطنت عثمانیہ کی ابتداء

عثانوی سلطانوں کا خلیفہ کا مقام حاصل کرنا ایک متنازعہ عمل رہا ہے۔جدید دور میں جب عثانی سلطانوں نے اپنے لئے خلیفہ کا لقب چنا تو اس کے بارے ان کا دعویٰ یہ تھا کہ انہیں "خلیفہ "کالقب عباسی خاندان کے ایک فرد المتوکل نے عثانی سلطان سلیم اول کو منتقل کیا تھا۔ المتوکل بیبارز نامی ایک حکمران کا قیدی تھا اس کے باپ کو شان وشوکت کے ساتھ مسند پر بٹھایا تھا جسے محققوں نے نمائشی خلیفہ کالقب دیا تھا جس کے پاس بے شک اختیار اور نام تو تھا لیکن بغیر کسی اختیار کے اس نمائشی خلیفہ کو مسند پر بٹھانے کے پس پشت بیبارز کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ذریعے وہ اپنے اقتدار کے لئے مسلمانوں کی نظروں میں جائز مقام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا اس کا دعوی یہ تھا کہ وہ آخری عباسی خلیفہ کا قانونی وارث ہے جبکہ در حقیقت وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے پاس نہ ملک تھا نہ ہی کوئی اختیار تھا اس کے پاس بس ایک علامتی تعلق تھا۔یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ المتوکل اس حیثیت میں ہی نہ تھا کہ وہ خلافت کسی اور کو منتقل کرتا کیونکہ وہ خود تو نہ کسی ملک پر حکمرانی کر رہا تھا نہ خلافت کسی اور کو منتقل کر سکتا تھا اس بات کا سب سے اہم ثبوت یہ تھا کہ سلیم اور اس کے بعد آنے والے جانشینوں نے آئندہ آنے والی تقریباً ساڑھے تین صدیوں تک اپنے آپ کو کبھی خلیفہ نہیں کہلوایا اس تمام عرصے میں عثانی خلافت کا کوئی وجود ہی نہ تھا اس کی بجائے عثانی سلطانوں نے اپنے آپ کو غازی کہلوانے میں فخر محسوس کیا۔ خلیفہ کا لقب بھی ان دیگر کئی القابات میں سے تھا جو کہ عثانی سلطانوں نے اپنے لئے منتخب کئے لیکن سرکاری اور باقاعدہ طور پر خلیفہ کالقب عثانیوں نے ۱۷۷۴ء تک استعمال نہیں کیا۔

تعارف وپس منظر تحریک خلافت

خلافت کا سلسلہ خلفائے راشدین کے بعد بنوامیہ اور بنوعباس سے ہوتا ہوا ترکی کے عثانی خاندان کو منتقل ہوا پہلی جنگ عظیم کے وقت اسلامی سلطنت کا مرکز ترکی اور اس کے سربراہ خلیفہ عبد الحمید تھے خلفائے راشدین نے دارالحکومت کا درجہ مدینہ منورہ کو دیا جبکہ حضرت علی نے انتظامی مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے دارالحکومت کو کوفہ منتقل کیا بنوامیہ کے دور میں دار الحکومت کوفہ سے دمشق لے جایا گیا بنی عباس کے دور میں دارالحکومت کی سرگرمیوں کا مرکز بغداد بنا۔ بغداد کی تباہی ۱۲۵۸ء میں ہوئی تو اس کے بعد دارالحکومت قاہرہ کو ٹھہرایا گیا۔۱۵۱۸ء میں ترک عثانی بادشاہ سلیم نے خلافت کے اختیارات سنبھالے اور دار الحکومت قسطنطنیہ (استنبول) کا اعلان کیا پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے برطانیہ کے خلاف جرمنی کا ساتھ دیا ترکی کی جنگ میں شمولیت سے ہندوستان کے مسلمان پریشان ہو گئے کہ اب انگریز کامیاب ہو گیا تو ترکی کے ساتھ اچھا نہیں ہو گا۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے انگریزوں کا ساتھ دینے کے لئے وزیر اعظم برطانیہ لائیڈ جارج سے وعدہ کیا کہ جنگ کے دوران مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی نہیں کی جائے گی اور جنگ کے بعد مسلمانوں کی خلافت محفوظ جرمنی کو شکست اور برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے اپنی فوجیں بصرہ اور جدہ میں داخل کر دیں ہندوستان کے مسلمانوں نے انگریزوں کے وعدے یاد دلانے اور خلافت کے تحفظ کے لئے ایک تحریک شروع کی جسے تحریک خلافت کا نام دیا گیا۔[1]

سلطنت عثمانیہ کی حالت

انیسویں صدی میں خلافت عثمانیہ کی حالت بہت کمزور بن چکی تھی۔ حکومت مقروض اور ترکی کی مالی حالت نہایت پست ہو چکی تھی اس زمانے میں یہودیوں کا ایک وفد جس کی قیادت ایک یہودی قرصوہ آفندی کر رہا تھا ترکی کے سلطان عبد الحمید کے پاس آیا اور کہنے لگا میں آپ کا سارا قرضہ اتارنے کے لئے تیار ہوں اگر آپ بیت المقدس اور فلسطین ہمیں دے دیں تو ہم خلافت عثمانیہ کا قرضہ اتار دیں گے اور مزید کئی ٹن سونا بھی دیں گے لیکن سلطان نے یہ بات ماننے کی بجائے اسے دینی غیرت و حمیت سے بھرپور جواب دیتے ہوئے اپنے پاؤں کی انگلی سے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم اپنی ساری دولت بھی دے دو اور بیت المقدس کی ذرہ سی مٹی بھی مانگو گے تو ہم نہیں دیں گے۔ اس واقعہ کے بعد خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا چنانچہ چند برسوں بعد جو شخص مصطفیٰ کمال پاشا کی طرف سے خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے لئے پروانہ لے کر خلیفہ عبد الحمید کے پاس گیا تھا یہ وہ ہی یہودی تھا جس نے بیت المقدس اور فلسطین کے بدلے قرض اتارنے کی پیشکش کی تھی۔

خود کمال پاشاہ بھی ایک یہودی النسل تھا اور اس کا باپ ترک تھا۔ بعد میں ساری دنیا نے دیکھا کہ ترکی میں نوجوان ترک کا غلبہ شروع ہو گیا اور وہیں "سے یہ young turks " اصطلاح نکلی۔

سلطنت عثمانیہ کے زوال کی وجوہات

۱۔ ترکی میں مسلمانوں کی خانہ جنگیاں انہیں کمزور کرتی چلی گئیں اگر طاقت کافی ہوتی تو دشمن انہیں کبھی مغلوب نہ کر سکتے تھے۔

۲۔ ترکوں کے بدخواہ ان کے اپنے حلقے میں پیدا ہو گئے جنہوں نے دشمن سے موافقت کی اور ترکوں نے ان پر اعتبار کیا۔

۳۔ طوائف الملوکی اور ہر شخص کا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی سلطنت علیحدہ قائم کرنے کا لالچ کرنا۔

---

[1]۔ بہاری، سلیمان اشرف سید، البلاغ، ادارہ پاکسان شناسی، لاہور، 1911ء، ص 52

۴۔بلقانی ریاستوں کو ترکی حکومت کے خلاف ایک متحد محاذ بناکر دول مغرب نے انہیں میدان جنگ میں اتارا ان کا ساتھ دینے انہیں مالی اور مادی مدد دینے کے لئے یورپین حکومتوں کے خزانے کھل گئے۔

۵۔ترکی کو ناچار کر دیا کہ وہ طرابلس سے نکل جائے جبکہ الجزائر، تیونس اور مراکش پر فرانس پہلے ہی قابض ہو چکا تھا۔

۶۔عراق شام اور لبنان و حجاز وغیرہ میں برطانیہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ترکوں کے خلاف سازشوں کے جال بچھائے اور ان علاقوں کو ترکی سلطنت سے بغاوت کرنے ناور گریٹ عرب ایمپائر کا خواب شیریں دکھایا گیا۔

۷۔انیسویں صدی کے اواخر میں عربوں میں قومیت کا شدید جذبہ لہریں مارنے لگا وہ پہلی جنگ عظیم کا فائدہ اٹھاکر عثمانی اقتدار اعلیٰ سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہو گئے۔

۸۔مذکورہ عالمی جنگ ختم ہوتے ہی استعمار نے دولت عثمانیہ کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا اور ہر ریاست پر اپنے ایک آلہ کار کو سربراہ کی حیثیت سے مسلط کر دیا۔

۹۔آل عثمان کیخلافت کو ختم کرنے کے لئے ملت سسٹم (اقلیتوں کے حقوق) کے ذریعے حاصل کردہ سہولتوں اور ارمنی بیگمات کے ذریعے باب عالی (مرکز آل عثمان) میں تخریبی سازشوں کا لامتناہی سلسلہ پھیلایا گیا اور جاسوس نظام کی مدد سے سلطنت کو تباہ کیا گیا۔

۱۰۔آل عثمان کے آخری دور میں ترکوں کے خلاف عربوں کو ابھارا گیا اور اس کو آخر کار مغرب کا غلام بنادیا گیا[1]۔

اس سازش پر علامہ اقبال نے کہا

ترکان "جفاپیشہ" کے پنجے سے نکل کر

بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار

مظالم کا آغاز

مصطفیٰ کمال پاشاہ کی قیادت میں اسلام پسندوں پر مظالم ڈھائے گئے۔علمائے اسلام کا قتل کیا گیا۔نماز کی ادائیگی اور تمام اسلامی رسومات پر پابندی لگا دی گئی اور عربی زبان میں خطبہ اذان اور نماز بند کر دی گئی۔مساجد کے اماموں کو پابند کر دیا گیا کہ وہ ترک زبان میں اذان دیں اور نماز ادا کریں اور خطبہ پڑھیں اسلامی لباس اتار لیا گیا اور مسلمانوں کو یورپی لباس پہننے پر مجبور کیا گیا۔

---

[1] بہاری، سلیمان اشرف سید، البلاغ، ص 49

مصطفیٰ کمال پاشاہ اور اس کے ساتھی نوجوان ترکوں نے اسلام کو کچلنے کے لئے جتنی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو جتنا نقصان پہنچایا اس کی مثال روس اور دیگر کمیونسٹ ملکوں کے علاوہ شاید ہی کسی اور جگہ ملے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک ترکی میں خلافت عثمانیہ قائم رہی اس وقت تک استعماری قوتوں کا فلسطین میں یہودی مملکت کا قیام نہ ہو سکا لیکن ۱۹۲۳ء میں ترکی سے خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو فلسطین میں یہودی مملکت اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔ پہلی عالمی جنگ ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی جس کا نتیجہ ۱۹۱۸ء میں ترکی اور جرمنی کی شکست پر منتج ہوئی اس جنگ میں ایک طرف برطانیہ اور اس کے حواری تھے تو دوسری طرف ترکی اور جرمنی کے آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید کی افواج تھیں جنگ کا خاتمہ سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ پر ترکی میں خلافت اسلامیہ کے خاتمے کے بعد ملت اسلامیہ کی رہی سہی مرکزیت کو بھی ختم کر کے رکھ دیا۔[1]

یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمان خلفت عثمانیہ کے خاتمہ پر تڑپ اٹھے۔ ۵ جولائی ۱۹۱۹ء کو خلاف کے مسئلہ پر رائے عام کو منظم کرنے اور متفقہ لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے بمبئی میں آل انڈیا خلافت کمیٹی قائم کی گئی اور محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے ترکی میں خلافت کی بحالی کے لئے تحریک خلافت تحریک شروع کی جس کے مقاصد میں خلافت کی برقراری، مقامات مقدسہ کا تحفظ اور حفاظت سلطنت ترکی کو تقسیم نہ کرنا خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی میں منعقد ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ وہاں مسلمان انگریز کے جشن فتح میں شریک نہیں ہوں گے۔ اگر ان کے مطالبات نہ مانے گئے تو وہ حکومت سے عدم تعاون کریں گے اس اجلاس میں ہندوؤں سے تعاون کی اپیل کی گئی دسمبر ۱۹۱۹ء میں کانگریس مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی کے اجلاس امرتسر میں منعقد ہوئے جہاں گاندھی جی نے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔ ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں ایک وفد انگلستان اٹلی اور فرانس کے دورے پر روانہ ہوا تاکہ برطانیہ کے اتحادیوں اور وزیر اعظم کو ان کے وعدے یاد دلائے جائیں۔

وفد نے برطانوی وزیر اعظم لائیڈ جارج سے ملاقات کی اور اٹلی اور فرانس کا بھی دورہ کیا مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وفد کی ناکامی اور معاہدہ سیورے کی ذلت آمیز شرائط کے خلاف خلافت کمیٹی نے ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کا فیصلہ کیا اور گاندھی کو اس تحریک کار ہنماء مقرر کیا گیا بھلا گاندھی جیسے انتہائی درجے کی متعصب ہندو لیڈر کو خلافت اسلامیہ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے وہ اپنے اس منافقانہ عمل سے سیاسی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ میثاق لکھنوء کے سیاسی اثر کو زائل کرنا چاہتا تھا گاندھی تحریک خلافت میں شریک ہو کر ہندوستان کے سادہ دل مسلمانوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ کانگریسی مسلمانوں کے مفادات اور حقوق کے محافظ ہیں اس طرح ہندووں اور مسلمانوں کے مشترکہ لیڈر کی حیثیت سے گاندھی کا سیاسی قد کاٹھ اتنا بڑھ گیا کہ وہ ہندوستان کی سیاست پر چھا گیا۔ اس نے اس سیاسی چال سے مسلمانوں کے لئے علیحدہ تشخص کے ابھرنے کے لئے ایک نادر موقع مسلمانوں سے چھین لیا اس طرح گاندھی متحدہ قومیت کو فروغ دینے کے لئے کامیاب ہو گیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے اپنی چالاکی سے تحریک خلافت کو ایسے راستے پر ڈال دیا کہ جو مسلمانوں کو ہندوستان سے باہر لے جانے

---

[1] ڈاکٹر، محمد مسعود احمد، فاضل بریلوی اور ترک موالات، مطبوعہ، لاہور، 1972ء، ص74

والاراستہ تھا۔ اور یہ بات تحریک خلافت سے لیکر خلافت ترک موالات اور تحریک ہجرت تک جاپہنچی تھی۔ اس دوران کچھ کانگریسی علماء نے بر اعظم کو دار الحرب قرار دے کر یہاں اس دوران ہجرت کا فتویٰ دے دیا جس سے ہزاروں مسلمانوں نے اپناگھر بار چھوڑ کر افغانستان کارخ کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو جانی ومالی کافی زیادہ نقصان ہوا ہندو مسلمانوں کا اتحاد سطحی و جذباتی تھا دونوں قوموں کو حکومت کی نفرت نے کچھ دیر کے لئے اکٹھا کر دیا تھا۔ لیکن شدھی اور سنگھٹن تحریکوں نے مل کر خلافت تحریک کو کمزور بنادیا تھا۔ مسلمان سیاسی فائدہ تلاش کر رہے تھے جو تحریک خلافت کی کامیابی سے ملنا مشکل تھا چنانچہ گاندھی نے اس وقت اچانک تحریک ختم کرنے کا اعلان کر کے مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا تھا جب مسلمانوں کے تمام رہنماء جیل میں تھے اور تحریک کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔[1]

تحریک کی تنزلی

گاندھی کے اس عمل سے تحریک بھی ختم ہو کر رہ گئی تھی اور مسلمانوں کا اپنے قائدین سے اعتماد بھی ختم ہو کر رہ گیا تھا یوں گاندھی ہندوؤں کے رہنماء اور مہاتما بن گئے تھے اور مولانا محمد علی جوہر گوشہ گمنامی میں چلے گئے۔ تحریک خلافت سے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا تھا وہ 1857ء کی جنگ آزادی کی تباہی و بربادی کے بعد سب سے بڑا نقصان تھا اس تحریک کے زمانے میں ترک موالات کے دوران مسلمانوں کو اس بات پر بھی اکسایا گیا کہ وہ احتجاجاً تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کر دیں۔ ہندو طلبہ نے اپنی تعلیمی سرگرمیاں برابر جاری رکھیں مسلمان پہلے ہی تعلیم کے میدان میں ہندوؤں سے کافی پیچھے تھے ان میں جو تھوڑا بہت تعلیم کا عمل جاری تھا وہ بھی رک گیا تھا مارچ ۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی کے علاقے آزاد کرا کے جمہوریہ کے قیام اور اپنی صدارت کا اعلان کر دیا۔

خلافت کمیٹی کے مقاصد

تحریک خلافت کے قیام کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے

۱۔ ترکی کی خلافت برقرار رکھی جائے۔

۲۔ مقامات مقدسہ (مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ) ترکی کی تحویل میں رہیں۔

۳۔ ترکی سلطنت کو تقسیم نہ کیا جائے۔

تحریک ترک موالات

وفد خلافت کی ناکام واپسی اور معاہدہ سیورے کی ذلت آمیز شرائط کے خلاف خلافت کمیٹی نے ۱۹۲۰ء میں تحریک موالات کا فیصلہ کیا جس کے اہم پہلو یہ تھے:

۱۔ حکومت کے خطابات واپس کر دیئے جائیں۔

---

[1] بہاری، سلیمان اشرف سید، البلاغ، ص13

۳۔ کونسلوں کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا جائے سرکاری ملازمتوں سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔

۴۔ تعلیمی اور سرکاری امداد لینا بند کر دی جائے۔

۵۔ مقدمات سرکاری عداتوں کی بجائے ثالثی عداتوں میں پیش کئے جائیں۔

۶۔ انگریزی مال کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔

تحریک ہجرت

مولانا محمد علی جوہر نے علی گڑھ کی انتظامیہ سے سرکاری امداد نہ لینے کی اپیل کی کالج کے انتظامیہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں مولانا محمد علی جوہر نے بہت سے طلبہ کو اپنے ساتھ ملا کر جامعہ ملیہ کی بنیاد رکھی یہ ادارہ ۱۹۲۵ء میں دہلی میں منتقل کر دیا گیا۔

تحریک خلافت میں گاندھی کا کردار

تحریک ترک موالات کے دوران گاندھی کی جانب سے تحریک خلافت کی جس انداز میں حمایت کی گئی تھی مسلمانوں نے سمجھا کہ گاندھی جی اسلامی کی حمایت کر رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا یہ سارا فریب تھا اور ڈھونگ تھا جو مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے اور ان کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تھا جو انسان اسلام کا ہی مخالف ہو وہ تحریک کی حمایت کیسے کر سکتا ہے۔[1] خلافت کے تحفظ اور عدم تحفظ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس کے باوجود مسٹر گاندھی نے تحریک خلافت میں مسلمانوں کی رہبری کا فریضہ ادا کیا اس دوران گاندھی جی کو جہاں مختلف القابات سے نوازا گیا ہے وہیں کئی پڑھے لکھے لوگ مسلم قومیت اور ہندوستانی قومیت کے امتیاز و فرق کو مٹا دینے اپنا ملی تشخص کھو دینے اور اپنی انفرادیت کو ملیامیٹ کرنے پر تل گئے اس وقت بڑے بڑے رہنماء حالات کی نزاکت کا اندازہ نہ کر سکے۔[2]

24 انومبر کو مجلس خلافت اور کانگریس کا مشترکہ اجلاس زیر صدارت مسٹر گاندھی منعقد ہوا جس میں ممتاز لیڈر شریک ہوئے گاندھی نے اپنی تقریر میں مسئلہ خلافت کو تمام پہلوؤں پر ایک پر مغز تقریر کی اور مسلمانوں کو یقین دلایا کہ خلافت کے مسئلہ میں مسلمان ان کے ساتھ ہیں اور ہندو بھائی ہر طرح سے آمادہ رفاقت ہیں۔ گاندھی نے مسلمانوں سے اس وقت درخواست کی کہ وہ اس وقت تک جشن صلح میں شریک نہ ہوں جب تک انہیں اس بات کا یقین نہ دلایا جائے کہ سلطنت عثمانیہ کے بٹوارے اور خلافت کے برقرار رکھنے میں مسلمانوں کا جذبات کا پورا خیال رکھا جائے گا۔

---

[1] محمد شفیع اگوانی، پروفیسر، ہندوستان اسلام اور مغربی ایشاء، ایچ۔ ایس پرنٹنگ پریس، دہلی، 1999ء، ص 1

[2] فیض الانبالوی و شفق صدیقی، علامہ شبیر احمد عثمانی، س۔ن، ص 21

۸جولائی ۱۹۲۰کو گاندھی نے خلافت کانفرنس کی مجلس عدم تعاون کی طرف سے ترک موالات کے منصوبے کا اعلان کر دیا۔ جس کے تحت:

1. خطابات کی واپسی،
2. سرکاری عہدوں سے دستبرداری
3. سرکاری مجالس میں عدم شرکت
4. قانون پیشہ افراد کا وکالت ترک کر دینا
5. سرکاری مدارس کا مقاطعہ
6. مجلس اصلاحات کا مقاطعہ
7. سودیشی مال کا پروپیگنڈہ

اور ترکی کے اراکین ترکی کی حفاظت کے جنون میں کھو گئے اور اسی کام میں مصروف ہو گئے۔ انہیں اس بات کا قطعاً ہوش نہ رہا کہ گاندھی ان کے ساتھ وقتی طور پر ہمدردیاں دکھا رہا ہے اور کانگریس کی ہمدردیاں بھی صرف وقتی ہیں اور وہ انہیں کسی بھی منزل پر جا کہ چھوڑ سکتے تھے اسطرح گزشتہ چند سالوں میں جو تھوڑی بہت سیاسی اور معاشی ترقی ہوئی ہے اسے نا قابل برداشت نقصان پہنچے گا۔

۱۹۲۰ء میں گاندھی نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے ایک اور چال چلی جمیعت العلماء ہند اور خلافتی لیڈروں سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دلوا کر ہندوستان سے ہجرت کا فتویٰ جاری کیا۔ گاندھی نے اپنی اس چال سے یہ چاہا کہ مسلمان احتجاجاً ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان چلے جائیں گے مسلمانوں نے اپنے مکانات اور تجارتی مراکز چند ہی دنوں میں ہندوؤں کے ہاتھوں کوڑیوں کے بھاؤ فروخت کر دیے۔ کانگریسی لیڈر اور گاندھی مسلمانوں پر اپنے بچھائے ہوئے جال میں پھنستا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے تحریک خلافت اور جمیعت علمائے ہند کے زعماء گاندھی سے اتنے مسحور ہو چکے تھے کہ گاندھی کی قیادت کو ایمان کا جزو تسلیم کیا گیا اسلامی شعائر کو ترک کر کے کفر کے شعار کو اختیار کیا گیا ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعرے لگائے گئے۔[1] قرآن و حدیث پر ایمان کو ایک بت پرست پر نثار کر دیا گیا۔ قرآن اور گیتا دونوں کو الہامی کتابیں سمجھ کر ایک ہی درجہ دیا گیا ناپاک ہندوؤں کو مساجد میں لے جا کر انہیں مسلمانوں کا واعظ و خطیب کا درجہ دیا گیا انہیں منبروں پر بٹھایا گیا اور صرف ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور انہیں خوش کرنے کے لئے انہوں نے گائے کو ذبح کرنا بند کر دیا ماتھوں پر قشقے لگائے گئے ہندوؤں کی آرتھی کو کندھا دیا گیا۔

---

[1]۔ محمد جلال الدین، قادری، مولنا ابوالکلام کی تاریخ شکست، مکتبہ رضویہ، 1921ء، ص50

گاندھی کو بالقوہ نبی کہا گیا اسے مذکر کہا گیا جمعہ کے خطبات میں اس کی تعریف و توصیف کی جاتی اس کی ہر بات کو قرآن اور حدیث پر منطبق کیا گیا اسلام کو برباد کرنے کی یہ سب سے ناپاک کوششیں تھیں جو کہ خود اسلام والوں کے ہاتھوں سے ہوئیں مسلمانوں کے قومی مفاد کو جس طرح بے دردی سے نقصان پہنچایا گیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے اس سے بھی بڑھ کر مسلمانوں کے ملی تشخص کو ہندو مذہب میں مدغم کرنے کی ناپاک کوششیں کی گئیں جو کہ علمائے ہند کے زعماء کے ہاتھوں پروان چڑھ رہی تھیں۔ غرض مسلمانوں نے جو کچھ کیا ان کا محض تذکرہ بھی طبائع پر گراں گزرتا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک تہذیب اور رواداری کے خلاف ہے۔[1]

روزنامہ نوائے وقت لاہور اپنی ۲۷ مارچ ۱۹۷۶ کی اشاعت میں رقمطراز ہیں کہ

"اگر مسلم قومیت کا تصور دھندلایا تو تحریک خلافت کے بعد جس کی باگ دوڑ کمال ہوشیاری و عیاری سے گاندھی نے اپنے ہاتھ میں لے لی مسلمانوں کی منفرد قومی حیثیت بھی مخدوش بنی مسلم سیاست کی بے وقعتی اور بے وزنی کا عالم یہ تھا کہ کانگرس نے پھر مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابات کو نہ مانا حالانکہ معاہدہ لکھنوء کے ذریعے ۱۹۱۶ء میں اس نے انہیں تسلیم کر لیا تھا۔"

مسلمانوں کی حالت زار

ان حالات میں مسلمانوں پر بہت زیادہ ظلم و ستم کئے جا رہے تھے انہیں طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار کیا جا رہا تھا مسلمانوں پر جو ظلم و ستم کئے گئے ان کا حال مولانا محمد علی یوں بیان کرتے ہیں

"مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا مسلمان عورتوں کو جبراً عیسائی بنایا گیا ان کے خاوندوں کو قتل کیا گیا دو لاکھ چالیس ہزار مسلمان شہید کئے گئے"

ترکوں پر ڈھائے جانے والے مظالم اور ہندوستان کے مسلمانوں کے ردعمل کے بارے میں نسیم احمد لکھتے ہیں:

"سلطنت عثمانیہ کے خلاف اتحادی مملک کے جارحانہ حملے سے پورے یورپ عالم اسلام کے مسلمانوں مین بے چینی اور اضطراب پھیل گیا اور دنیا بھر کے اسلامی خطوں میں تمام تر ہمدردیاں ترکوں کے حق میں تھیں اور وہ ان کی کامیابی کے ممتنی تھے ہر لحظہ مقامات مقدسہ حرمین شریفین کی طرف پھلتی آگ کی تپش ان کے دلوں میں نفرت کا لاوا ابھڑ کا رہی تھی"[2]۔

رولٹ ایکٹ کے پاس ہوتے ہی ہندوستان میں ہڑتالیں اور مظاہرے شروع ہو گئے جلسوں اور جلوسوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو گیا ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں ہندو اور مسلمان کثیر تعداد میں شریک ہوئے جنرل ڈائر نے بے دردی سے اس جلسہ پر فائرنگ کا حکم دے دیا اور

---

[1] محمد جلال الدین، قادری، مولانا ابوالکلام کی تاریخ شکست، ص 51

[2] بہاری، سلیمان اشرف، سید، البلاغ، ص 37

سینکڑوں لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ اس سانحہ کے فوراًبعد پنجاب میں مارشل لاء نافذ کرا دیا اور اس مارشل لاء میں پنجاب کے شریف اور بے گناہ شہریوں کے ساتھ دنیا کے عیار ترین حکمرانوں نے جو وحشیانہ سلوک کیا اس کی ایک جھلک ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔

"لاہور، گوجرانوالہ، امرتسر، گجرات اور شیخوپور میں مارشل لاء نافذ کر کہ مظالم کی وہ آگ برسائی گئی جس کی مثال ملنا مشکل ہے ان مظالم کے ذکر سے سینکڑوں نہیں ہزاروں صفحات سیاہ ہو چکے ہیں چودہ چودہ برس کے بچوں کو ٹکٹکی میں باندھ کر کوڑوں سے پیٹا گیا کم از کم بیس کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی حالانکہ بڑے سے بڑے سخت جان کی کھال ۶ کوڑوں کے بعد ادھڑ جاتی اور وہ بے ہوش ہو جاتا ہر ہر محلے سے علماء کرام کو چن چن کر باہر نکالا جاتا اور برہنہ سر اور برہنہ پاؤں ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر بازاروں میں پھرایا گیا تاکہ سب کے سامنے ان کی تذلیل ہو۔ جو لوگ آئندہ ہائی کورٹ کے جج اور صوبے کے وزیر بننے والے تھے انہیں گورا فوج کے سپاہیوں سے پٹوا کر پھانسی کے مجرموں کی کوٹھریوں میں بند کرا دیا گیا مئی کی گرمی میں کالج کے طلبہ کو حکم دیا گیا کہ اپنے سروں پر بستر اٹھا کر سولہ میل کا فاصلہ طے کر کے آئیں اور یونین جیک کو سلامی دیں۔ لاہور کے تمام لوگوں کو حکم مل گیا کہ وہ اپنی بجلی کی تمام چیزیں بجلی کے پنکھے بجلی کے لیمپ فوج کے حوالے کر دیں۔ سکول کے بچوں کو ہر روز دھوپ میں کھڑا کر کے ایک فوجی کے سامنے یہ کہنا پڑتا حضور ہم سے غلطی ہو گئی ہماری توبہ ہم آئندہ بھی کوئی خطا نہیں کریں گے۔"[1]

ایک پوری بارات کو جس میں دولہا بھی شامل تھا بلا وجہ پکڑ کر کوڑوں سے پٹوا دیا ریل گاڑی پر سفر کی ممانعت کر دی گئی اور سوائے ان لوگوں کے جن کے پاس فوجی حکام عنایت کرتے تھے عورتوں کی کھلی منہ بے عزتی کی گئی شہر کے معزز لوگوں کے گھروں کی دیواروں پر مارشل لاء کے اشتہارات چسپاں کر دئے گئے اور حکم تھا کہ اگر کسی نے اس اشتہار کو پھاڑا تو مالک مکان کو گرفتار کر لیا جائے گا چنانچہ صاحب خانہ کو گھر کے سامنے پہرہ دینا پڑتا جن میں یہ ہستیاں شامل تھیں جن کے گھروں پر اشتہار چسپاں کئے جاتے لاہور میں سر فضل حسین خلیفہ شجاع الدین اور پیر تاج الدین جیسے لوگ شامل تھے۔

یہ بھی حکم صادر کیا گیا کہ جونہی کوئی انگریز نظر آئے تو تانگے سے اتر کر فوراً اسے سلام کیا جائے

ایک پچیس فٹ کے لمبے اور بارہ فٹ چوڑے کمرے میں پچیس آدمیوں کو بند کر دیا گیا جہاں وہ ہفتہ بھر مقید رہے اور انہیں بول و براز کے لئے بھی باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔[2] گوجرانوالہ میں محض ایک پٹوار خانہ کو آگ لگ گئی اس کی پاداش میں ۵ آدمیوں کو پھانسی اور دس کو حبس دوام کی سزا ملی امرتسر میں چونتیس کو پھانسی اور پندرہ کو حبس دوام کی سزا ملی۔ جلیانوالہ باغ کے قتل عام اور اس کے بعد مارشل لاء کے دور میں پبلک کے ساتھ اس سلوک کی وجہ سے

---

[1] غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، تحریک ہجرت 1920 پس منظر و پیش منظر، بزم اقبال لاہور، 1997ء، ص 3-4

[2] بہاری، سلیمان اشرف، سید، النور، ص 9

پورے ہندوستان میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اسی دوران ترکی کی شکست نے مسلمانوں کو زیادہ ہی متاثر کر دیا اور انہوں نے تحفظ خلافت اور مظلوم ترک عوام کیامداد کے لئے مجلس خلافت ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء میں قائم کر لی اور اس پر مزید جلتی کا کام ہنگامی معاہدہ صلح نے کیا جو جرمنی اور اس میں طے پایا کہ

۱۔ ترکی اپنی تمام افواج برخاست کر دے گا۔

۲۔ اس کے جنگی جہاز فاتحین ضبط کر لیں گے۔

۳۔ ملک کی ریلوں کی نگرانی اور کنٹرول کا اتحادیوں کو حق ہو گا۔

۴۔ ایشیایئے کوچک اور عرب میں سرحدوں کے تعین کے علاوہ اندرون ملک کا انتظام ترکی ہی کے اختیار میں ہو گا۔

مسئلہ تعلیم

بیسویں صدی کے آغاز میں جب مختلف حقوق کے نام پر آزادی اور تحریک خلافت وغیرہ کے نام سے تحریکیں چلنی لگیں تو مسلمانوں کی اجتماعی اور دینی زندگی سے متعلق کئی طرح کے مسائل پیدا ہوئے اور اس سلسلے میں مختلف فتوے جاری ہوئے کہ مسلمان بچوں کو اسلامیہ کالجوں میں پڑھانا بند کر دیں تحریک خلافت کے جذباتی اور ہنگامی دور میں جمیعت العلماء کے راہنماء اور بعض دوسرے لیڈر تحریک ترک موالات کو کامیاب بنانے کی غرض سے اسلامیہ کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو بند کرانا چاہتے تھے لیکن صرف مسلمانوں نے نظام تعلیم کو تباہ و برباد کرنے اور نظام تعلیم کو ملیامیٹ کرنے کا راز پوشیدہ تھا۔

مشتاق حسین فاروقی

"ہندو لیڈران کو یہ بات گوارانہ تھی کہ اکادکا مسلمان بھی کسی سرکاری عہدہ پر نظر آئے مگر کوئی بس نہیں چلتا تھا جس یونیورسٹی کی بدولت مسلمان کچھ آسامیاں پر کر لیتے تھے اس کو بند کرا سکیں اس تحریک میں ان کو یہ موقع مل گیا کہ انہوں نے انگریزی تعلیم کا بائیکاٹ شروع کر دیا سکولوں اور کالجوں کے طلبہ کو تعلیم رولنے کی تجاویز دیں لیکن اس میں صرف یہ ہی راز مضمر تھا کہ علی گڑھ یونیورسٹی کو توڑ دیا جائے تا کہ ہندوستان میں کوئی واحد درس گاہ نہ بچے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور باوجود یہ کہ تعلیم کے بائیکاٹ کا حکم عام تھا ہندو یونورسٹی پر آنچ نہ آنے دی گئی۔"

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ

"احکام شرعیہ کی رو سے یہ بات کس عاقل و بالغ مسلمان طالب علم کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ کس سرکاری یا ایسے کالج میں تعلیم حاصل کرے جو سرکار سے امداد قبول کرتا ہو اور سرکاری یونیورسٹی سے ملحق ہو۔"[1]

[1] بہاری، سلیمان اشرف، سید، النور، ص40

تحریک خلافت میں مسلمانوں کے جذبات

جب تحریک خلافت شروع ہوئی تو مسلمان بہت پر جوش اور جذبات سے پر تھے کیونکہ یہ تحریک جو عزائم لے کر اٹھی تھی وہ ہر طرح سے مسلمانوں کی حفاظت کرتی تھی اس سلسلے میں مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ

تحریک خلافت کے پر آشوب زمانے میں مسلمان ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح تھے انگریز سامراج کے مقابلہ میں سد سکندری بن کر ڈٹ گئے تھے لیکن امت اسلامیہ کے بعض قابل احترام بزرگ مسلمانوں کے لئے اس تحریک کو مضر قرار دیتے تھے انہی میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی شامل تھے۔[1]

پروفیسر انوار الحسن اس بارے میں لکھتے ہیں کہ

مسلمانوں میں تحریک خلافت کے جوش و خروش کو دیکھ کر ہندو قوم کو بھی جھر جھری آئی اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر آزادی کی تحریک کا جھنڈا بلند کیا یہاں سے ہندو مسلم اتحاد کا ولولہ اٹھا اور دونوں قوموں میں ایسی یگانگت ہوئی کہ ایک دوسرے پر قربان ہو جاتے تھے ہندو مسجدوں کے منبروں پر بیٹھ کر تقریریں کرتے اور مسلمانوں کو ہندو مندروں میں خوش آمدید کہتے اس زمانے میں مسلمان اور ہندوؤں کی زبانوں پر اس قسم کے نعرے بھی آتے تھے۔

"مندر میں اذاں دلوادیں گے مسجد میں ناقوس بجادیں گے "[2]

گاندھی کی عیاری

تحریک خلافت جن مقاصد کو لے کر اٹھی تھی وہ بہت پاکیزہ اور مضبوط تھے ان مقاصد میں مقامات مقدسہ کی حفاظت اور سلطنت ترکی کی بحالی شامل تھے چونکہ یہ مقاصد خالص اسلامی روحانی اقدار کے حامل تھے ان کا تعلق براہ راست مسلمانوں سے تھا اس لئے اس براعظم کے باقی اقوام کو ان سے کوئی سروکار نہ تھا۔

بریگیڈئر گلزار احمد لکھتے ہیں

"قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ خلافت تحریک کے دوران دس کروڑ مسلمانوں کا مستقبل ایک ایسے آدمی کے ہاتھ میں دلوایا گیا جو کسی طرح بھی ان کا خیر خواہ نہیں کہلا سکتا اور جس کا اسلام سے دور تک واسطہ نہ تھا"

سردار محمد خاں عزیز لکھتے ہیں

---

[1] ظہیر علی صدیقی، ڈاکٹر، مولانا محمد علی اور جنگ آزادی، سندھ، ساگر اکادمی، لاہور، 1999ء، ص99،98

[2] فیض الانبالوی و شفق صدیقی، علامہ شبیر احمد عثمانی، ص19

"مسلمان تباہ و برباد ہو رہے تھے لیکن اپنے جذبات کے جنون میں کسی کی نصیحت پر کان نہ دھرتے تھے ان کی سمجھ میں یہ معمولی سی بات نہ آرہی تھی کہ چلئے ہندوستان کو سوراج دلانے کی بات تو ٹھیک ہو سکتی ہے لیکن مہاتما گاندھی کو ترکی خلافت اور ترکی سلطنت سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے خلافت کے تحفظ اور عدم تحفظ سے ان کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"[1]

اسلام کی پامالی:

تحریک خلافت کے دوران ہندو مسلم اتفاق کے جوش میں اسلامی خصائص کو مٹایا جانے لگا اسلام کی بنیادی تعلیمات سے انحراف کرنا شروع کر دیا اس دور میں مسلمانوں کی عصبیت اس طرح سے ختم کر دی گئی کہ معاشرت اور تمدنی امور کا کیا ذکر دینی امور میں کفار کی تقلید کمال ارادت و عقیدت سے ہونے لگی تھی یہاں تک کہ ہندووں کے متعلق آیات اور احادیث کہی جانے لگیں اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل تھیں:

۱۔ اپنے ناموں کے ساتھ پنڈت لکھوایا گیا مجمعوں میں اپنے مسلمان ہونے سے انکار کیا گیا اور یہ دعا کی گئی کہ اگر میں اپنا دین بدلوں تو سکھ مذہب میں داخل ہوں۔

۲۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی ٹکٹکیاں کاندھوں پر اٹھائیں ارتھیوں کو کندھا دیا اور ان کے ساتھ "رام رام است" کہتے ہوئے مرگھٹ تک گئے۔

۳۔ کفار ہند کو اہل کتاب قرار دیا گیا۔

۴۔ ہنود سے یک رنگی کے لئے پیشانیوں پر قشقے لگائے۔

۵۔ ناقوس بجانے کے لئے دسہرے میں شامل ہوئے۔

۶۔ ہندوؤں کی جانب سے یہ تجویز کی گئی کہ مسلمان رام چندر جی کی لیلا رچائیں اور ہندو محرم منائیں۔

۷۔ گنگا وجمنا کی سرزمین کو مقدس کہا گیا۔

۸۔ اگر اس سرزمین پر ترک چڑھ آئیں تو ان پر بھی تلواریں اٹھالیں۔

۹۔ دین الٰہی کی طرح ایک نیا دین نکالنے کی فکر کی گئی۔

۱۰۔ مشرکین کی موت پر سوگ منایا گیا۔

۱۱۔ مشرک میت کے لئے مسجد میں دعائے مغفرت کی گئی۔

۱۲۔ مسجدوں میں مشرکوں کی موت کے لئے تعزیت پر جلوس نکالے گئے۔

۱۳۔ مسلمان ویدوں سے تقریر شروع کرتے اور ہندو بزرگوں کی تعریف کرتے۔

---

[1] محمد جلال الدین، قادری، مولانا آزاد کی تاریخی شکست، ص47

۱۴۔ تین نعرے بیک وقت لگاتے ہندو نعرہ تکبیر کہتے مسلمان بندے ماترم اور ست سری اکال کی طویل گونج میں تینوں قوموں کی آوازیں شامل ہوتیں۔

۱۵۔ مسلمان یہ نعرہ بھی لگاتے مندر میں اذان دلوادیں گے مسجد میں ناقوس بجادیں گے۔

۱۶۔ مسلمانوں نے مندروں میں دعائیں مانگیں مساجد کو چھوڑ کر وہاں نمازیں پڑھیں۔

۱۷ ہندوؤں نے مسلمانوں کو چندن کا ٹیکہ بھی لگایا۔

۱۸ ستیا گرہ کے دن مسلمانوں نے گاندھی کے کہنے پر روزہ رکھا۔

۱۹۔ ہندو اور مسلمان ایک ہی مٹکے سے پانی پیتے۔

۲۰۔ قرآن کریم کی توہین کی گئی اور وید کو الہامی کتاب مانا گیا۔

۲۱۔ قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر لے جا کر دونوں کی پوجا کی گئی۔

۲۲۔ اللہ کو رام اور خدا کی قسم کی جگہ رام دوہائی کہنا جائز بتایا گیا۔

۲۳۔ ایک ڈولہ میں قرآن کریم اور گیتا رکھ کر جلوس نکالے گئے۔

۲۴۔ حضرت موسیٰ کو کرشن کا خطاب دیا گیا۔

۲۵۔ گنگا پر پھول چڑھائے گئے رام لچھمن پر پھولوں کا تاج رکھا گیا بتوں پر ریوڑیاں چڑھائی گئیں۔

۲۶۔ ہندو لیڈروں کو مساجد میں لے جا کر منبروں پر بٹھایا گیا۔

۲۷۔ دہلی کی جامع مسجد میں سوامی شردھانند جیسے اسلام دشمن آدمی کو منبر رسول پر بٹھا کر تقریر کرائی گئی۔

۲۸۔ گاندھی کی تصویروں اور بتوں کو گھروں پر آویزاں کیا گیا۔

۲۹۔ گائے کی بجائے بکری کی قربانی کی گئی۔

۳۰۔ گاندھی کو روحانی فرشتہ قرار دیا گیا۔

وہ مرتبہ گاندھی کو ملا خدمت دیں سے

مسلم کو بھی ہے رشک کہ کافر نہ ہوا تھا

اسلامی درسگاہوں کے بند کرنے والوں کا مقابلہ کرنے والوں کو بدنام کرنے کی غرض سے بعض مسلم رہنماؤں پر قادیانی ہونے کا فتویٰ لگایا گیا۔

۳۲۔ بار بار اس بات کا اعلان کیا گیا کہ گاندھی نبوت کا مستحق تھا۔

۳۳۔ یہ بھی کہا گیا کہ امام مہدی کی جگہ امام آخر الزمان امام گاندھی کا ظہور ہوا ہے۔[1]

تحریک خلافت کی کمزوری

بات تحریک خلافت سے نکلی اور کہاں تک جا پہنچی مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو اس حد تک مسحور کر دیا تھا کہ ان کی سوچنے سمجھنے کی قوت سلب ہو چکی تھی اس وقت ان میں ایک جنون سا پھیل گیا تھا اس نے خود ہندوؤں کو بھی حیرت میں ڈال دیا تھا

بقول موہن لعل بھٹنا گر

مسلمانوں نے مہاتما جی پر وہ اعتبار دکھایا کہ دنیا حیرت واستعجاب میں ڈوب گئی مہاتما خلافت کے لیڈر اور خلافت کمیٹی کے ممبر بن گئے

سردار محمد خاں لکھتے ہیں

"اگر گاندھی جی تحریک خلافت کی کمیٹی قیادت نہ کرتے تو کانگریس مضبوط کیسے ہوتی مسلم لیگ کی ساکھ کیسے بگڑتی ان کے سامنے تو یہ پروگرام تھا جس میں انہیں پوری کامیابی حاصل ہوئی مسلمانوں کے سامنے اب کوئی سیاسی نصب العین نہ تھا اور نہ ہی ان کے سامنے کوئی منزل تھی وہ منتشر لوگوں کا ایک آوارہ گروہ تھا جو اپنی قومی وحدت کھو چکا تھا۔ وہ صرف ہندوؤں کے رحم و کرم پر تھا در حقیقت گاندھی نے ہندوؤں کے لئے وہ کام کیا جو ان کے ہزاروں رہنما بھی نہ کر سکتے تھے نہ صرف یہ بلکہ خود مسلمانوں کی مرکزیت فناہ کروادی مسلمانوں کی ملی وحدت اور ملی تشخص کو پارہ پارہ کر دیا یہ وہ زمانہ ہے جہاں لاتعداد مسلمان خانہ کعبہ سے منہ موڑ کر سمائے وار دھاکے کے الہامات پر یقین کر کے اسلام اور کفر کے غیر فطری امتزاج سے رسوائے عالم کا خمیر تیار کرتے نظر آتے ہیں مسلمانان ہند کے سب سے بڑے دانا دشمن مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی نے ان کے جسد قومی میں ایسا زہر بھرا جس کا اثر ابھی تک مکمل طور پر زائل نہیں ہوا"[2]

ڈاکٹر معین الدین کے بقول

ہندوستانی مسلمانوں میں اپنی قومیت کے تعلق سے شکوک شبہات اسی وقت کی یادگار ہیں"

چودھری خلیق الزمان:

"تحریک خلافت کے خاتمے کے بعد کچھ لوگ کانگریس کی طرف سے اس عقیدہ کے ساتھ ڈھل آئے کہ مسلمانوں کا ہندوستان میں تحفظ صرف نیشنلزم میں ہے"

ڈاکٹر وحید قریشی

---

[1] بہاری، سلیمان اشرف، سید، النور، ص68

[2] محمد علی چراغ، اکابرین تحریک پاکستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1990ء، ص290-291

"بعض کانگریس کے تصور وطنیت کو اپنا کے نیشنلسٹ مسلمان کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے معاشرتی زندگی کا یہ تضاد مسلمانوں کو عجیب وغریب صورت حال سے دوچار کر چکا تھا تعلیم یافتہ مسلمان دو حصوں میں بٹ چکے تھے"

تحریک خلافت جو صورت حال اختیار کر چکی تھی اس کا نتیجہ یقیناً مسلمانوں کے لئے تباہی و بربادی تھا۔ مسلمانوں نے ہندوستان پر سات سو سال تک حکومت کی تھی ہزاروں علمائے دین اس مٹی سے پیدا ہوئے تھے لیکن ان طویل سالوں میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی کہ ہندووں کو مسلمانوں کا رہبر بنا دیا گیا ہو۔ اسلامی امتیازات وخصوصیات کو ہندوں نے مٹاڈالا طرح طرح کی خرافات اپنائیں اور اسلامی شعائر کو مٹانے کی کوششیں کیں خلافت اسلامیہ قائم کرنے کے لئے کانگرس سے امیدیں وابستہ کیں اور ہندووں کی حمایت کو اپنا شعائر بنالیا گیا اور اس طرح مسلمان قوم کو تباہ کر کہ رکھ دیا۔ اس قوم پر اعتماد اور بھروسہ ہی مسلمانوں کو لے ڈوبا تھا ترکی کی حمایت اور حرمین طیبین کی حفاظت کے نمائشی مرثیے پڑھ پڑھ کر لوگوں کو اپنے خلوص کا یقین دلاتے تھے۔

گاندھی کی نقاب پوش سیاست نے جو رنگ مسلمانوں کو دکھایا تھا اس کے نتیجے میں مسلمانوں اور کفر وکفار کا ادغام عمل میں آیا۔ گاندھی کے اتحاد کا نتیجہ تھا جس کے متعلق مسلمان کہتے تھے کہ کہ پھر شاید ایسا موقع ایک صدی میں بھی ان کے ہاتھ نہ آئے گا جس کا گاندھی نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو سیاسی، دینی، معاشرتی لحاظ سے مفلوج کر کہ رکھ دیا تھا۔ اس میں نام تو خلافت کا تھا مگر کام سوراج کا تھا۔ گاندھی نے بہت دور اندیشی اور چالاکی سے مسلمانوں کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔[1]

ایرانی انقلاب کے بانی امام روح اللہ موسوی خمینی اپنی کتاب "الحکومتہ الا اسلامیہ" میں تحریک خلافت کے بارے میں کچھ چیزیں پیش کرتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

حقیقی اسلام اور ظاہری اسلام کا فرق

جو بھی وسائل آپ کو میسر ہوں ان کے ذریعے اسلامی قوانین اور اسلام کے نظام کے تمام شعبوں کو متعارف کرائیں اسلامی نظام کے برے میں لوگوں کے دلوں میں موجود غلط فہمیوں اور شکوک وشبہات کو دور کرنے کی کوشش کریں اس کے لئے اپنی پوری زندگیاں وقف کر دیں لوگوں کو اسلام کے صحیح معنی سمجھائیں اور بتائیں کہ شروع میں اسلام کو کتنی مشکلات اور رکاوٹیں پیش آئیں وہ کون سی قوتیں ہیں جو اس کو شروع سے مزاحمت کا شکار بناتی رہی ہیں جن حقائق کا بھی آپ کو علم ہو اس کو بلا کسی کم وکاست لوگوں تک پہنچائیں اور لوگوں کو دین کی دعوت اس طریقے سے نہ دیں کہ وہ دین اسلام کو موجودہ عیسائی مذہب سمجھ لیں جس میں فرد کا رشتہ صرف خدا سے قائم کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور مسجد اور کلیسا کو برابر قرار دیا گیا ہے ان میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ وہ نوجوانان اسلام سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ آپ اس بات پر غور کریں کہ تحریراً یا تقریراً اور سیرت وکردار میں سے۔

[1] بہاری، سلیمان اشرف، سید،، النور، ص70

اقامت دین اور ہماری ذمہ داری

اسلامی حکومت کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ آگے بڑھ کر عوام میں اسلامی حکومت اسلامی دستور اور اسلامی قوانین کی وسیع پیمانے پر تشہیر کریں اسلامی حکومت کے قیام کا فریضہ بلا خوف اور پوری لگن اور خود اعتمادی سے ادا کریں یہ ہم سب مسلمانوں پر خدا کی طرف سے عائد کردہ فرض ہے اسی کو توفیق و نصرت کی امید پر اس کی ادائیگی میں اپنا سب کچھ لٹادیں [1]

دین وسیاست میں تفریق

اس وقت دنیا میں تمام مغربی طاقتوں نے یہ شر پھیلا رکھا ہے کہ مذہب کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے معاشرے میں روحانی زندگی کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور علماء اور فقہاء کا یہ حق ہے کہ وہ مسلمانوں کی اصلاحی کے لئے کوئی اقدام کریں یا ان کی اصلاح کا پہلو تلاش کریں اور سب سے افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اس بات پر یقین بھی رکھتے ہیں اور ان کی سازشوں کا شکار بھی ہو جاتے ہیں ایسی فضا اور ایسے ماحول میں یہ نغمہ بالکل بر محل ہے

سنو مغرب سے آیا ہے یہ پیام

سیاست میں دجل اور اتہام

دخل اس میں اہل دین کو ہے حرام

یہی ہے بس اہل دین کا جب مقام

زبان پر ہو "لا الہ" ذکر مدام

نہ ہو عالم کو کبھی اس میں کلام [2]

دین وسیاست میں تفریق کیوں؟

اہل مغرب نے بہت ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ ہمارے نصاب میں یہ بات ڈال دی ہے کہ دین کو سیاست سے الگ رکھا جائے اور یہ آج کے دور کی بہت اہم ضرورت ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ کس نے یہ بات مسلمانوں کے دل میں ڈال دی ہے حالانکہ ایسا کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ حضور ﷺ کے زمانے میں سیاست اور دین علیحدہ نہ تھے نہ صحابہ کے دور میں نہ خلفائے راشدین کے دور میں تو پھر آج ایسا کیا ہو گیا ہے کیوں ایسا کہا جارہا ہے اور اس بات پر عمل کرنے کی بھی

---

[1] بہاری، سلیمان اشرف، سید، البلاغ، ص

[2] بہاری، سلیمان اشرف، سید، البلاغ، ص

کوششیں کی جارہی ہیں[1] یہ۔ بھی اہل مغرب کی ایک چال ہے کہ علماء اور دین کے داعی دور رہیں وہ اسلام کو عوام سے بہت دور کرنا چاہتے ہیں تا کہ ان پر خود غلبہ پا سکیں۔ بلکہ وہ مسلمانوں پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے اپنی راہیں ہموار کر رہے ہیں تا کہ انہیں اپنی مرضی کی فضاء میسر آ جائے اور پھر وہ اپنی من مانیاں کرتے پھریں جہاں چاہیں دندناتے پھریں لوگوں کی جان ومال اور عزت جب چاہیں لوٹیں اور کوئی انہیں روکنے اور ٹوکنے والا نہ ہو۔

نام نہاد پیری فقیری کا ڈھونگ

یہ ڈھونگ آج کل کے دور میں بہت عام ہے اور لوگ اس پر بہت اعتبار بھی کرتے در حقیت یہ اسلام کے چہرے پر کالک پوتنے کی کوشش ہے۔ یہ اسلام کی انتہائی مسخ شدہ تصویر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نجف، قم اور خراساں کی درسگاہوں میں بہت زیادہ ہے اور جا ہل اور بے شعور عوم میں اس کا اثر بہت زیادہ ہے۔ عیسائیوں کی طرح ذلت اور گمراہی میں نہ کھو جائیں ہمارا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں اور اسلام اور اہل اسلام کو جو خطرہ ان سے در پیش ہے اس سے عوام کو متنبہ کریں اور انہیں وہ خطرہ دکھائیں جو یہودیوں اور اینگلو امریکیوں کے ہاتھ اسرائیلی سامراج کی صورت میں ہماری اجتماعی زندگی کو در پیش ہے۔

اسلام کے خلاف یہودیوں کی یلغار

یہودیوں نے ہمیشہ ہر طرح کی گمراہی اور ضلالت سے لیس ہو کر مسلمانوں پر حملہ کیا ہے اور اپنے مکروہ عزائم سے ایسے حالات پیدا کئے جن میں اسلام کی تمام تر اقدار کو ملیامیٹ کیا جاسکے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے ماضی میں ایک طویل دور ایسا گزرا ہے جس میں بہت سی ایسی جماعتیں گزری ہیں جنھوں اسلامی کی ہئیت اجتماعی اور تنظیم سیاسی کو اتنابڑا نقصان پہنچایا ہے جو شیطان اور اس کی ذریت کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بھی کہیں زیادہ نقصان دہ ہے۔

دعوت الی الخیر

ہم سب پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جب بھی جہان بھی لوگوں کو روزہ اسلام اور زکوۃ جیسے مسائل بتائیں وہیں ان کو اسلام کے سیاسی اور اجتماعی اصولوں سے بھی آگاہ کرائیں۔ ملک میں جمہور عوام کی منظم سیاسی بیداری اور دینی راہنمائی کی ایک ہمہ گیر لہر دوڑادیں تا کہ اس کے رد عمل میں تمام مسلمان اپنے اندر دین کا تمسک پیدا کر سکیں اور پورے جوش اور جذبہ کے ساتھ اسلامی حکومت کی تشکیل کے لئے تیار ہو جائیں۔

---

[1] حسنین رضا خاں، دنیائے اسلام کے اسباب زوال، مطبوعہ لاہور، 1979ء ص 23

تحریک خلافت میں سید سلیمان اشرف بہاری کی خدمات

سید سلیمان اشرف بہاری نے اور دوسری تحریکات کی طرح تحریک خلافت میں بھی مسلمانوں کا بھرپور ساتھ دیا انہوں نہ نے صرف تحریراً بلکہ تقریراً بھی مسلمانان ہند کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور مذکورہ طوفانی اور ہیجانی دور میں اس انجام سے بچانے کی کوشش کی جس سے گاندھی کی گہری سیاست انہیں دوچار کرنا چاہتی تھی ان حالات میں مسلمانوں پر خصوصی طور پر یہ عیاں کیا جانا ضروری تھا کہ متحدہ قومیت کا تصور محض سیدھا سادھا نہ تھا اس کی جڑیں بہت گہری تھیں یہ دو فلسفوں کا کھلا تضاد تھا شرار بولہبی اور چراغ مصطفوی سے آمادہ پیکا تھا ایک طرف فلسفہ گاندھی تھا تو دوسری طرف فلسفہ محمدی ﷺ تھا ذیل میں ان کی خدمات کو پیش کیا جارہا ہے جو انہوں نے تحریک خلافت کے دوران کیں۔

مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے باز رکھا

سید سلیمان اشرف بہاری نے مسٹر گاندھی کے مہاتمائیت کا طلسم توڑ کر مسلمانوں کو سیاس خودکشی سے بچایا تھا ان کے سینوں کو نور ایمانی سے روشن کیا تھا اور ان کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار پر بہت ماتم کرتے ہیں جس سے ان کے ملی درد کا اندازہ ہوتا ہے۔

نیز جمیعتہ العلماء کے سیاسی مفتیوں اکابر لیڈران جو ہندوؤں سے سیاسی دوستی اور محبت کا دم بھرتے تھے ان کی حقیقت کشا کرتے ہوئے کہتے ہیں

"اے سرمستان بادہ لیڈری ذرا ہوش میں آکر ہمیں بتا کہ تم سوراج کے لئے اٹھائے گئے ہو یا خلافت کے لئے تم نے ہندوؤں کو آمادہ کیا تھا تم اسلام کے نشر و تبلیغ کا علم لے کر بڑھے تھے یا کفر و شرک کی حکومت قائم کرنے کی غرض سے یہ لشکر آرائی کی گئی تھی اسلام کی حقانیت اور ارکان اسلام کا غیر مسلم کو گرویدہ بنانا تمہارا نصب العین تھا یا خود کفر و شرک کے جال میں پھنس کر آزادی ہند کا ترانہ گانا مقصود طلب تھا"

اسلام کی حقیقی روح سے روشناس کرایا

تحریک خلافت کے دوران جو اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار تھی وہ کوئی مخفی عمل نہیں ہے۔ اس تحریک کو کچلنے میں اسلام کو اس کی اصل صورت سے ہٹانے کی بہت کوششیں کی گئیں گاندھی کو خدا کا رسول ﷺ اور اس کا بھیجا ہوا قاصد بتایا گیا علمائے اسلام کی جگہ ہندوؤں کے بانیان کو مانا گیا انہیں منبروں پر بٹھایا گیا ان کی توقیر و تعظیم کی گئی یہ ایسی صورتحال تھی کہ جس سے مسلمانوں کے کلیجے پھٹ پڑتے ہیں اور ان کی اس حالت پر ترس آتا ہے کہ کس طرح انہوں نے اسلام کی تصویر کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور ایسے بے باک انداز میں اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کی کہ کوئی بھی مسلمان اس پر تڑپ اٹھتا ہے۔[1]

مسلمانوں کو اس حالت زار سے نکالنے کے لئے سید سلیمان نے بھی بہت کوشش کی اور مسلمانوں کی حالت زار پر سید سلیما اشرف یوں نوحہ کناں ہیں

---

[1] رضا، امام، احمد، تدبیر فلاح و نجات، مطبوعہ کلکتہ، 1331ھ، ص122

"لا الہ الا اللہ گاندھی نے کس حسن تدبیر سے مسلمانوں کو اپنا اور اپنے مذہب کا غلام بنالیا ایک برس بھی گزرنے نہ پایا جو حمایت خلافت سے نہ صرف ہندو دست کش ہو گئے بلکہ اس عیارانہ چال سے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں نے مسلہ خلافت کو دھکے دے کر پس پشت ڈال دیا خلیفتہ المسلمین اور امیر المومنین کی جگہ گاندھی کو دے دی اب یہ مدعیان اسلام اسی کی کوشش کر رہے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے گا گاندھی کی محبت وعظمت سے کوئی قلب مومن خالی نہ رہنے پائے۔"

کوئی اس کو امام مہدی کا مثیل کہتا کوئی یہ کہتا کہ نبوت اگر ختم نہ ہو گئی ہوتی تو گاندھی نبی ہو تا یعنی کہ ان کا یہ خیال تھا کہ نبوت کے ماتحت جو سب سے بڑا رتبہ و منصب ہو سکتا ہے وہ گاندھی کا ہے کوئی اسے پسر و گاندھی کہتا اور اسلام کی نجات اسی کے ہاتھوں سے یقین رکھتا ہے۔ مسلمان اپنے کانوں سے سنتے ہیں آنکھوں سے دیکھتے ہیں اخبارات میں مضامین دیکھتے ہیں پھر بھی عالم وجد و تواجد میں آکر گاندھی کی رٹ لگاتے ہیں

کانگریس کی بحالی

آپ نے مسلمانوں کی توجہ کانگرس کی طرف مبذول کرائی کہ ایک بے جان جسم کی مانند ہوتی جارہی تھی اس کو تحریک خلافت میں شامل کر لیا کانگرس میں جان ڈال دی کیونکہ مسلمانوں کے مذہبی ولولے نے کانگرس کی عدم تعاون کی تحریک کو اتنی قوت دی کہ کانگرس نے ایک سال میں وہ کچھ کر دکھایا جو ہندو کانگرس چالیس سال میں بھی نہیں کر سکتی تھی آپ اس بات کو یوں مسلمانوں پر عیاں کرتے ہیں۔

"فرزندان اسلام ہندوؤں نے تمہارے لیڈروں کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا کر کس سہولت و نرمی سے آہستہ آہستہ انہیں اپنے نقطہ نظر خیال پر اتار لیا لفظ سوراج جس سے لاکھوں کان آج تک نا آشنا تھے خلافت کے عوض کس جوش سے وہ ہر ایک زبان پر جاری ہے۔ گاندھی جس کو پانچ برس قبل ہندوستان کے کسی مسلمان کے علم میں بھی نہ تھا خلیفتہ المسلمین کی جگہ آج اس کے تقدس وعظمت کے فسانے کس کمال عقیدت سے مستورات تک میں کہے جاتے ہیں۔"[1]

علمائے سوء کو بے نقاب کیا

سید سلیمان اشرف نے مسلمانوں کی ڈوبتی ناو کو بچانے کے لئے بہت سے اقدام کئے اور اپنی تحریر و تقاریر سے بہت حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے تحریک خلافت کے سر بر آوردہ حضرات کے منفی کرادر کو اجاگر کیا مسلمانوں کے علماء کرام جنھوں نے اپنی مجالس کو کفار اور مشرکین کی مجالس سے پاک کرنا تھا اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اسلامی قوانین کی پاسداری کرنی تھی انہوں نے خود ہی کفریات پر سکوت اختیار کیا ہوا تھا اور بار بار اس جانب توجہ مبذول کرانے کے بھی ان پر ذرا اثر نہ ہوا اور وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے اور قومیت کے پرچار کے لئے جمیعتہ العلماء کے سر کردہ حضرات کو بھاری بھر کم خطابات سے نواز کر اندھا کر دیا تھا جبکہ وہ سیاسی بصیرت اور مومنانہ فراست سے تو پہلے ہی خالی تھے چنانچہ آپ نے علمائے سوء کے متعلق فرمایا

---

[1] بہاری، سلیمان اشرف، سید، النور، ص 72

آپ نے ان علماء کا ذکر کیا جو اپنے آپ کو شیخ الہند کا لقب دیتے ہیں اور کسی کے بھی قلم میں اتنی طاقت نہ تھی کہ مسلمانوں کو ان کے اعمال خبیثہ کی شناخت و معصیت بتاسکتے انہوں نے قشقہ لگایا تو علمائے سیاسی خاموش رہے کافر کی ٹکٹکی اٹھائی گئی تو علمائے سیاسی خاموش رہے کافر کا ماتم سر وپا برہنہ ہو کر کیا گیا علمائے سیاسی خاموش رہے گاندھی کی جے پکاری گئی گئوماتا کی جے پکاری گئی اور حد یہ کہ گاندھی کو کہا گیا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا علمائے سیاسی اس پر بھی خاموش رہے اس خاموشی سے شیخ الہند بھی مستثنیٰ نہ ہو سکے اگرچہ خادمان اسلام تقریراًاور تحریراًانہیں اعمال کفریہ پر بھی بیدار کرتے ہیں لیکن پھر بھی کسی عالم میں اتنی جرات نہ ہوئی کہ وہ چالیس اعمال واقوال میں سے ایک کو بھی جنبش دیتا حالانکہ ۱۹ نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ایک جلسہ قائم کیا گیا اور وہاں کسی نے ان مسائل کو پیش بھی کیا لیکن یہ کہہ کر کہ مصلحت وقت اس کی مقتضٰی نہیں ہے بات کو ٹال دیا گیا حالانکہ اس اجلاس کی کرسی صدارت ایک عالم ہی کی نشست کا فخر رکھتی ہے۔

گاندھی کی حقیقت کو بے نقاب کیا

سید سلیمان اشرف نے گاندھی کے کردار کو بھی بے نقاب کرنے کی بھرپور کوشش کی جو کہ لوگوں کے سامنے ایک مصلح اور عظیم شخصیت کے روپ میں نظر آرہا تھا آپ نے مسلمانوں کے دلوں میں گاندھی کی عظمت اور محبت پیدا کرنے والے سیاسی علماء کا بھرپور تعاقب کیا اور لوگوں پر اس بات کو عیاں کیا کہ مذہب کی حقیقت اور وقعت ان کے نزدیک کیسی تھی دین اور مذہب کا نام کیوں لیا جاتا ہے چونکہ علماء کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ ان کے اس تاریک کردار اور پہلو کو اس طرح بے نقاب کیا جاتا تو انہوں نے شریعت اسلام کا حکم سنانے اور جادہ مستقیم پر چلانے والوں پر طرح طرح کے الزام لگائے جب اس بات سے بھی کچھ بھی ہوتا ہوا نظر نہ آیا تو اپنی حرکات وسکنات پر گرفت کرنے والوں پر تکفیر کا حربہ آزمایا آپ نے اس موضوع کو بنیاد بناتے ہوئے آنے والی تاریخ سے سوال کیا ہے وہیں مسلمانوں کو ناحق کافر ٹھہرانے والوں کی بھی خوب خبر لی ہے اور اس کے ایک ایک لفظ سے مولانا کی دردمندی اور ملی حمیت جھلکتی صاف نظر آتی ہے۔ وہ ہندوؤں اور گاندھی سے یوں مخاطب ہوتے ہیں

"لوگو ایمان سے کہنا یہ جمیعت العلماء ہے یا امت گاندھی کا حلقہ ہے یہ اسلام اور شارع کی طرف اللہ کے بندوں کو دعوت دے رہی ہے یا گاندھی کی نبوت تسلیم کرا رہی ہے یہ حضرات اسلام کی دردمندیوں میں انگریزوں سے لڑنا چاہتے ہیں یا گاندھی کی حمایت کرنا چاہتے ہیں اور اگر کوئی ان کی بات نہیں سنتا تو وہ کافر، منافق، یزیدی، ملعون اور جہنمی کیوں ہوا؟

لیڈران قوم اج اخبار و جرائد تمہارے ہاتھوں میں ہیں جسے چاہو گالیاں دو جسے چاہو کافر کہو حق کو باطل اور باطل کو حق کہو اور چھاپ کر شائع کر دو اس وقت مخلوق اندھی ہے اور تمہاری بات بن آئی ہے لیکن ایک وقت آئے گا جب ساری حقیقت عریاں ہو جائے گی۔"[1]

مسئلہ گاؤکشی کی طرف توجہ

قربانی شعائر اسلام میں سے ایک ہے جو کہ انبیاء کی سنت رہی ہے اور مسلمانون نے اس پر عمل کر کہ دکھایا ہے اور اس سنت کو دل و جان سے مانتے ہیں اس کا احترام کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ جبکہ تحریک خلافت کے دور میں مسلمانوں کی حالت زار کو دیکھ کر کسی بھی ذی ہوش انسان کی روح کانپ جاتی ہے کہ کوئی مسلمان ہو کر کفار کے ساتھ مل کر اسلام کو تہہ و بالا کیسے کر سکتا ہے حالانکہ ہندووں نے اس بات کا وعدہ کیا تھا کی مسلمانوں کے مقدس مقامات اور شعائر اسلام کی حفاظت کی جائے گی۔

مسلمانوں کو اللہ پاک نے قرآن اور حدیث دونوں میں قربانی کی تاکید کی ہے سورہ حج میں ان جانوروں کی قربانی کا حکم ہمیں ملتا ہے سورۃ انعام میں ان بہایم کے نام بتائے ہیں جو حلال اور طیب ہیں اور سورہ حج میں ان بہایم کی قربانی کا حکم دیا اور فرمایا

﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ﴾[2]

"ہر ایک امت کے لئے ہم نے قربانی قرار دی تا کہ جو خدا نے انہیں چوپائے دئے ہیں قربانی کرتے وقت ان پر خدا کا نام لیں"

پھر سورۃ حج میں فرمایا

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ.﴾[3]

"خدا نے جو چوپائے ان کو دیئے ہیں ان خاص دنوں میں انہیں قربان کرتے وقت خدا کا نام لیں بعد ذبح قربانی کا گوشت آپ بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاو"

سید سلیمان اشرف بہاری نے اس جانب بھی مسلمانوں توجہ مبذول کرائی اور اس پر اپنی کتاب "الرشاد" تحریر فرمائی جس میں مختلف آیات قرآنی اور احادیث شریف بھی نقل کیں اور عوام کو اس جانب مائل کرنے کی کوشش کی

---

[1] بہاری، سلیمان اشرف، سید، النور، ص74

[2] الحج22 : 34

[3] الحج22 : 28

اور احادیث شریف سے بھی قربانی کے واجب ہونے کا پتہ چلتا ہے اور حسب ذیل مفہوم وارد ہوتے ہیں

۱۔ قربانی واجب ہے

۲۔ اس کا تارک مستحق وعید ہے

۳۔ بقر عید کے دن قربانی پسندیدہ ترین عبادت ہے

۴۔ قربانے کے جانور تین ہیں اونٹ، گائے، غنم

۵۔ قربانی کرتے ہی مغفرت کی نعمت ملتی ہے

جبکہ کفار گائے کی پوجا کرتے تھے اس لئے انہوں نے اس فعل کو حرام قرار دیا اور کہا کہ گائے کا احترام کیا جائے اور اس کی قربانی کرنے والا گوشت کھانے والے کو کمینہ بتایا گیا۔

گاے کی قربانی کو مثل سور کہا گیا۔

قربانی نہ چھوڑنے والوں کی ناحق تکفیر کی گئی اور ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا گیا۔[1]

سید سلیمان اشرف نے قربانی کو ترک کرنے سے مستقبل میں مرتب ہونے والے اثرات سے بھی آگاہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں

مسلمانوں آنکھیں کھولو اور لیڈروں کی باتیں ہرگز نہ سنو ورنہ پچھتاؤ گے اور پھر اس وقت یہ پچھتانا کچھ فائدہ نہ دے گا قربانی گائے کی جس شہر یا قصبہ یا دیہات سے اٹھ گئی پھر تمہاری طاقت سے یہ باہر ہو جائے گا کہ تم دوبارہ گائے کی قربانی وہاں دے سکو دیکھو ہوشیار ہو جاؤ[2]

جمیعتہ العلماء کے کردار کو اجاگر کیا:

سید سلیمان اشرف نے تحریک خلافت کے سرکردہ افراد کے منفی کردار کو بھی عوام کے سامنے بے نقاب کیا ہے تو وہیں جمیعتہ العلماء کے علماء کو بھی بے نقاب کیا ہے یہ وہ افراد تھے جنہوں نے اپنی مجالس کو مشرکین سے پاک کر کہ اسلامی احکام پر عمل پیرا ہو کر اصول اسلام کی پاسداری کرنا تھی اور مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینا تھا لیکن وہ بھی اپنے ایمان کے بہت کچے نکلے اور انہوں نے بھی گاندھی کے بنائے اصول وضوابط پر عمل کرنا شروع کر دیا اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان اصولوں پر کاربند رہنے کی تلقین کی[3]

---

[1]۔ بہاری، سلیمان اشرف، سید، الرشاد، ص49

[2]ملک، سعید احمد، ڈاکٹر، گاندھی مسلمان اور پاکستان، ہیومن ویلفئر ایسوسی ایشن، لاہور، فروری2008، ص66

[3]بہاری، سلیمان اشرف، سید، النور، ص82

تبصرہ: تحریک خلافت

تحریک خلافت جیسی عوامی تحریک کی مثال برصغیر پاک وہند میں کہیں نہیں ملتی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تحریک اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہی ہے لیکن اس نے ہندوستان کی سیاست اور مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اعلی حضرت امام احمد رضا نے اور ان کے ساتھیوں نے دینی فراست اور مومنانہ بصیرت سے پہلے ہی تحریک خلافت کے مسلمان قائدین اور برصغیر کی عوام پر واضح کر دیا تھا کہ تحریک خلافت سے مسلمانوں کو صرف سخت نقصان کے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں

مورخ رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:

"تحریک خلافت ایک ہولناک طوفان کی طرح ہندوستان کے سیاسی مطلع پر نمودار ہوئی مسلمانوں کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ وہ سر پر کفن باندھ کر میدان جہاد میں اتر چکے تھے جیل جانا ایک کھیل بن چکا تھا سینے پر گولیاں کھانا روز مرہ کا معمول بن چکا تھا اس طوفان کا رخ جس نے موڑنا چاہا اس کی خوب پگڑی اچھالی جاتی انہوں نے طے کر لیا تھا کہ جو ان کے ساتھ ہے وہ ان کا دوست اور جو ان کے ساتھ نہیں ہے وہ ان کا مخالف اور دشمن ہے جس کو انہوں نے اپنا مخالف سمجھا اس کا سیاسی وجود ختم کر دیا محمد علی جناح ک وبھی گوشہ نشین ہونے پر مجبور کر دیا۔ اکابر علماء اور صلحاء میں سے جس نے بھی مسلمانوں کو روکنا چاہا اسے مسلمانوں کے پلیٹ فارم سے ہٹنا پڑا مسلمان آزادی ہند کے نشے میں اتنے بے خود ہوئے کہ انہوں نے واقعات سے آنکھیں بند کر لیں حقائق سے منہ موڑ لیا تھا کہ کہیں ہندو مسلم اتحاد کا آبگینہ پاش پاش نہ ہو جائے۔"

تحریک خلافت ایک ایسی تحریک تھی جس میں اپنے پرائے کا بھی کوئی امتیاز نہ تھا طوفانوں کا رخ موڑنے والے جرات مند لوگ کانگریس اور گاندھی کے فریب میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن ایسے میں امام احمد رضا اور اپ کے رفقاء علامہ حامد رضا خاں، مولانا افتخار الحق صدیقی مولانا نعیم، الدین صدیقی، مولانا امجد علی، مولانا ظفر الدین بہاری ابو البرکات، اور سید سلیمان اشرف جیسے مومنانہ بصیرت رکھنے والے لوگ ایس بھی تھے جو قرآن وسنت کی روشنی میں مسلمانوں کو اس خود کش اقدام سے بچانے کی کوشش میں لگے ہوئے۔

فصل سوم

جماعت رضائے مصطفیٰ میں سید سلیمان اشرف کی خدمات

امام احمد رضا کا مختصر تعارف

1272ھ 1856ء میں پیدا ہوئے آپ شمالی بھارت کے شہر بریلی کے ایک مشہور عالم تھے جن کا تعلق فقہ حنفی سے تھا امام احمد کی شہرت میں سب سے اہم حضور ﷺ سے آپ کی محبت آپ کی شان میں لکھے نعتیہ مجموعے اور آپ ہزار ہا فتاویٰ ضخیم علمی مجموعہ جو ۳۰ جلدوں پر مشتمل ہے جو کہ "فتاویٰ رضویہ" کے نام سے موسوم ہے۔ برصغیر پاک وہند میں اہل سنت کی ایک بڑی تعداد آپ کی نسبت سے ہی بریلوی کہلاتے ہیں۔ دینی علوم کی تکمیل گھر پر اپنے والد مولوی نقی علی خاں سے کی اور دو مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے درس وتدریس کے علاوہ مختلف علوم وفنون پر کئی کتابیں اور رسائل تصنیف وتالیف کئے علوم ریاضی اور جعفر میں بھی مہارت رکھتے تھے شعر وشاعری سے بھی لگاؤ تھا رسول ﷺ کی شان میں بہت سی نعتیں اور سلام لکھے۔[1] انہوں نے عربی فارسی اور اردو میں ایک ہزار کے قریب کتابیں تصنیف کیں اور مجموعی طور پر ان کی کتابوں کی تعداد چودہ سو تک ہے۔

بچپن

مولانا نے چار سال کی ننھی عمر میں قرآن مجید ناظرہ مکمل کیا اور چھ سال کی عمر میں منبر پر مجمع کے سامنے میلاد شریف پڑھا اردو اور فارسی پڑھنے کے بعد مولانا نے اپنے والد نقی خاں سے عربی زبان میں اعلی تعلیم حاصل کی ۱۳ برس کی عمر میں ایک عالم دین ہو گئے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ ۱۹ نومبر ۱۸۶۹ء میں آپ کو باقاعدہ طور پر ایک عالم دین کی سند دی گئی اور مولانا نے ان کی علمی کمال اور پختگی کو دیکھ کر فتویٰ نویسی کی خدمت ان کے سپرد کی جسے مولانا نے اپنی موت تک جاری رکھا۔[2]

سلسلہ تعلیم

رسم بسم اللہ خوانی کے بعد ان کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ بہت چھوٹی عمر میں قرآن پاک کا ناظرہ ختم کیا پھر چھ سال کی عمر میں بہت بڑے مجمعے کے سامنے میلاد شریف پڑھا اردو فارسی کی کتابیں پڑھنے کے بعد مرزا غلام قادر بیگ سے میزان منشعب کی تعلیم حاصل کی آپ تیرہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے اور دستار فضیلت سے نوازے گئے اسی دن رضاعت کے تعلق ایک فتوٰی اپنے والد کی خدمت میں پیش کیا جو کہ بالکل صحیح تھا آپ کے والد نے آپ کے ذہن

---

[1] طاہر القادری، حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں کا علمی نظم، منہاج پبلیکیشنز،1988ء، ص،15

[2] اقبال اختر قادری، مولانا، امام احمد رضا بریلوی ایک تعارف، رضا اکیڈمی لاہور، س۔ن، ص13

نقاد اور طبع و قار کو دیکھ کر اسی وقت فتوی نویسی کی خدمت ان کے سپرد کر دی۔[1] آپ نے تعلیم و طریقت کے سید آل رسول مارہروی سے حاصل کی مرشد کے وصال کے بعد بعض تعلیم طریقت نیز ابتدائی علم جعفر وغیرہ سید ابو الحسین احمد نوری سے حاصل فرمایا شرح چغمینی کا بعض حصہ عبد العلی رامپوری سے پڑھا پھر آپ نے بغیر کسی سے تعلیم حاصل کیے خداداد بصیرت سے مندرجہ ذیل علوم میں مہارت اور دسترس حاصل کیے اور ان کے شیخ و امام مقرر ہوئے۔[2]

1. قرات
2. علم اخلاق
3. اسماء الرجال
4. سیرت
5. تاریخ
6. تجوید
7. لغت
8. ادب
9. جبر و مقابلہ
10. حساب
11. انگریزی
12. تصوف
13. فلسفہ
14. علم جعفر
15. علم زائچہ
16. عربی

---

[1]۔ حضرت علامہ حکیم اختر خاں شاہجہاں پوری، سیرت مجدد دین امام احمد رضا، رضوی فاونڈیشن، معارف نعمانیہ، لاہور، 2008، ص 15

[2] محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، امام احمد رضا اور عالم اسلام، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، 2000، ص 58

17. فارسی

18. علم ہندسی

19. علم تکسیر

20. علم ہیئت

21. علم رسم خط

قرآن مجید

ان سب علوم میں آپ کو بغیر کسی استاد کے مہارت حاصل تھی[1]

اساتذہ

آپ کے اساتذہ میں مندرجہ ذیل لوگ شامل تھے

والد ماجد محمد نقی خاں

حضرت غلام قادر بیگ

مولانا عبد العلی خاں رامپوری

شاہ ابو الحسین احمد نوری

شاہ آل رسول مارہروی

امام شافعیہ شیخ حسین صالح

مفتی شافعیہ شیخ احمد بن زین[2]

بیعت و خلافت

فاضل بریلوی ۱۲۹۴ھ ۱۸۷۷ء میں اپنے والد کے ساتھ حضرت شاہ آل رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ قادریہ میں بیعت سے مشرف ہو کر اجازت و خلافت سے بھی نوازے گئے[1]

---

[1] مصباحی، یسین اختر، امام احمد رضا رد بدعات و منکرات، فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور، 2000، ص، 11

[2] سعیدی، عمر فاروق، امام احمد رضا عظیم المرتبت عالم جلیل القدر شاعر، رضا کیڈمی لاہور، س۔ن، ص 7

حج وزیارت

ذوالحج ۱۲۹۴ھ ۱۸۷۷ء میں پہلی بار آپ حج کے لئے تشریف لے کر گئے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی بار گاہ میں حاضر ہوئے ایک ماہ تک مدینہ طیبہ میں رہ کر بار گاہ رسالت کی زیارت کرتے رہے۔[2]

نظریات

1. رد احمدیہ
2. رد شیعت
3. رد وہابیت[3]

تحریک رضائے مصطفیٰ کا تعارف پس منظر

1920ء میں ہندوستان مخالفین اسلام کے لئے ایک تماشہ گاہ بنا ہوا تھا اور اسلام کو تباہ کرنے والی تحریکیں زور و شور پر تھیں اس زمانے میں مسلمانوں کی بھی کئی تنظیمیں تھیں تحریک خلافت اور ترک موالات کے زمانے میں جب اسلام کے خلاف لیڈروں کی غیر اسلامی حرکات حد سے بڑھنے لگیں اور اس دور میں ہندو مسلم اتحاد اور متحدہ قومیت کے نعرے بلند ہوئے اسلامی شعائر کی پامالی کی گئی قرآن و سنت کے احکام کو پس پشت ڈالا گیا۔ اسلامی تعلیمات سے گریز اور کنارہ کشی روز کا معمول بن گیا گاندھی کو خوش کرنے کے لئے قرآنی تعلیمات کو پس پشت ڈالا جارہا تھا تحریک خلافت اور ترک موالات کے حامی اکثر حضرات نے قرآن و حدیث کے نظریات کو گاندھی کی مرضی اور منشاء کے مطابق بنا کر پیش کیا۔ اور کانگرسی علماء نے اپنے سے ہی نعوذ باللہ ہم پلہ بنا دیا اس صورت حال نے علمائے اسلام اور اہل سنت کو تڑپا کر رکھ دیا اقبال اس بارے میں کہتے ہیں

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر

تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پاژند

لیکن دشمنان اسلام کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں ہر دور میں اللہ پاک نے اسلامی کی حفاظت کرنے والے لوگ بھی پیدا کئے ہیں جو اس کے بنائے ہوئے دین کی حفاظت کرتے ہیں اس دور میں بھی مسلم قیادت کے حامی اور داعی علماء کی کمی نہ تھی لیکن کچھ لوگوں کی صورتحال ایسی تھی کہ مسلم قائدین تو تھے مگر ہندوؤں کے

---

[1] محمد صابر القادری، مولانا، اعلیٰحضرت بریلوی، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور، ص، 81

[2] نعمانی، محمد عبد المبین، قادری رضوی، المصنفات الرضویہ، رضا اکیڈمی، لاہور 2004، ص4

[3] مقبول جہانگیر، اعلیٰحضرت بریلوی، ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور، 2005، ص17

فرمانبردار تھے انہیں اسلام اور مسلمانوں سے کوئی ہمدردی و تعلق نہ تھا تنظیموں کی لاشیں اپنے سربراہوں کے کندھوں پر چل رہی تھیں اور کچھ تنظیمیں سسک سسک کر دم توڑ چکی تھیں۔ مطلق العنانی دیکھ کر مخالفین اسلام نے اپنے حملے زیادہ تیز کر دئے کیونکہ وہ اس بات سے خوب فائدہ اٹھانا چاہ رہے تھے کہ مسلمان اندر سے اپنے دین اور ایمان میں اتنے بھی مضبوط نہیں تھے کہ ان کی مرکزیت کو توڑا نہ جاسکتا ہو اس لئے انہوں نے مسلمانوں کے اس کمزور پہلو سے خوب فائدا اٹھایا اور مسلم علماء انگریز سامراج کے ایجنٹ بن بیٹھے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے نام پر لوگوں سے پیسہ وصول کیا جارہا تھا۔ اور پھر سب سے زیادہ ستم اور مقام افسوس یہ تھا کہ وہ ہی پیسہ پھر مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جاتا تھا۔ ایسی کسمپرسی کے دور میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شخصیت کو رہانہ گیا چونکہ وہ خود بھی احیائے سنت کی تحریک تھے قرآن و سنت اور سلف صالحین کے طریقوں پر سختی سے کاربند تھے اور تمام مسلمانوں کو بھی اس پر عمل کرنے کی۔

آپ کے اندر اسلام سے محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ اسلام پر مرمٹنے کے لئے تیار رہتے تھے اور ایسے مسلمان لیڈر جو کہ اپنا دین اور ایمان بیچ کر خود بھی غیروں کے ہاتھوں میں بکے ہوئے تھے ان کے سخت خلاف تھے۔[1]

جماعت رضائے مصطفیٰ کی بنیاد

امام احمد رضا خاں نے ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء کو جماعت رضائے مصطفیٰ کے نام سے ایک کل ہند تحریک کی بنیاد ڈالی وہ کیا حالات تھے اور کیا وجوہات تھیں کہ جن کی وجہ سے تحریک کا وجود ہوا حضرت سید ایوب علی رضوی اس بارے میں کہتے ہیں

"آہ اسلام وہ اسلام جو کہ کن نوبتوں تکلیفوں کی برداشت سے مصطفیٰ نے اس کا باغ لگایا صحابہ کرام نے اپنے مقدس خونوں سے اسے سینچا آج کن کن مصیبتوں میں مبتلا ہے آج اس میں باغبانوں کا لباس پہن کر ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں جو باغ اسلام کے پھولوں کو اپنے پاوں تلے مسلنا چاہتے ہیں اس کے غنچوں کا پامال کرنا ان کی دلی مراد ہے۔ اس کے خوش نمانونہالان چمن سرو د شمشاد کو بیخ و بن سے اکھاڑنا ان کی دلی خواہش ہے۔ کیا ایسے وقت میں مسلمانوں پر فرض نہیں ہے کہ ان بیخ کنان اسلام کی بیخ کنی میں جان توڑ کوشش کریں اسلام اس وقت فریادی ہے وہ فریاد کرتا ہے اس کی فریاد سننے والے بہت کم ہیں بحمد اللہ اس زمانہ پر فتن میں اہل سنت نے اس فریاد کو سنا اور اس کی حمایت کے لئے جماعت مبارکہ جماعت رضائے مصطفیٰ قائم کی اہل جماعت نے حمایت اسلام میں نمایاں حصہ لیا مصطفیٰ کی مدد و نصرت سے جو اس مقدس جماعت کے مقابل آیا منہ کے بل گرا۔"[2]

جماعت رضائے مصطفیٰ کے مقاصد

جماعت رضائے مصطفیٰ کا مقصد اول یہ ہے کہ

---

[1] چشتی، محمد مرید احمد، خیابان رضا، عظیم پبلی کیشنز۔لاہور، 1982، ص126

[2] رضوی، محمد شہاب الدین، تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، رضا اکیڈمی، بمبئی، ص76

۱۔ حتی الوسع مخالفین کے حملوں کی تحریر ر تقریراًہر طرح مدافعت کرنا

۲۔ مخالفین کے افتراوں اور بہتانوں کی جن سے سادہ لوح مسلمانوں کو علمائے اہل سنت سے بدعقیدہ کرتے ہیں ان کی پردہ دری کرنا

۳۔ محمد رسول ﷺ کی عزت و عظمت کا تحفظ

۴۔ متحدہ قومیت کا نعرہ بلند کرنے والے فرقہ گاندھویہ کا تحریری و تقریری رد کرنا

۵۔ آریہ اور عیسایوں کے اعتراضات کا جواب دینا

۶۔ بدمذہبوں کی چیرہ دستیوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا

انہی مقاصد عالیہ نے ماعت رضائے مصطفیٰ کو بام عروج تک پہنچادیا تھا اکثر مسلمانوں کی حمایت جماعت کو حاصل تھی اور مسلمانوں نے بھرپور جوش و خروش سے اس میں حصہ لے رہے تھے [1]

جماعت رضائے مصطفیٰ کی شاخیں

جماعت رضائے مصطفیٰ کی متعدد شاخیں تھیں جو کہ الگ الگ ناموں سے پہچانی جاتی تھیں ناموں کے علیحدہ کرنے میں بھی ایک سیاسی حکمت عملی تھی کہ اگر حکومت نے اس تنظیم اور اس کی سرگرمیوں پر پابندی لگادی تو دوسری شاخیں جو دوسرے ناموں سے پہچانی جاتی ہیں ان میں اس تنظیم کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کی شاخوں میں بھی مندرجہ ذیل تنظیمیں اہمیت کی حامل ہیں جنہوں نے اپنے اپنے طور پر بہت کارنامے انجام دیئے۔

۱۔ جمااعت انصار الاسلام

۲۔ اشاعت الحق محلہ بانس منڈی بریلی

۳۔ جماعت ظاہریں علی الحق جبل پور

۴۔ جماعت اہل سنت جام جودھ پور

۵۔ دارالعلوم اہل سنت و جماعت بریلی

۶۔ انجمن اہل سنت مراد آباد

[1] محمد جلال الدین، قادری،، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، ص86

جماعت انصار الاسلام بریلی

یہ جماعت رضائے مصطفیٰ کی ایک اہم سیاسی ذیلی تنظیم تھی۔ اور اس جماعت کا مقصد یہ تھا کہ سیاسی حالات کو مذہب کی طرف موڑا جائے امام احمد رضا سیاست سے دور رہ کر سیاست کو سنوارنا چاہتے تھے اس لئے انصار الاسلام کی بنیاد ڈالی ۱۳۳۹ھ کو انصر االاسلام کا پہلا اجلاس ہوا

اغراض و مقاصد

اس جماعت کے اغراض و مقاصد بالکل صاف اور واضح تھے اور اس سے صرف اہل اسلام کا فائدہ وابستہ تھا اور ان کے ملی تشخص کو برقرار رکھنا بھی ان مقاصد میں شامل تھا

۱۔ حفاظت اماکن مقدسہ۔

۲۔ سلطنت اسلامیہ اور مظلومین ترکی کی ہمدردی۔

۳۔ ناجائز اور نامفید راہوں سے مسلمانوں کو بچانا۔

۴۔ اسلام و مسلمین کو بیرونی دشمنان دین کے حملوں سے بچانے کی حتی الوسع جائز کوشش۔

۵، مسلمانوں کو ان کی اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی مفاد کی طرف رہنمائی کرنا۔

۶۔ مسلمانوں کو حقیقی و خالص پابندی احکام شرعی کی راہ بتانا۔

کانفرنس منعقد کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی

کانفرنس منعقد کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ خلافت کمیٹی کے افراد نے یہ بات مشہور کر دی تھی کہ ہم لوگ مقامات مقدسہ کی حفاظت کرتے ہیں تو امام احمد رضا ہمیں اس بات سے منع کرتے ہیں اور ہماری مخالفت کرتے ہیں اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے امام احمد رضا کو غلط سمجھنا شروع کر دیا اور سمجھنے لگے کہ امام احمد رضا مقامات مقدسہ اور سلطنت ترکیہ کی ترقی کے خلاف ہیں۔ اور یہ ہی ان کا مقصد تھا کہ عوام کو ان کے خلاف کر دیا جائے۔ مگر اپنی اس قبیح کوشش میں وہ کامیاب نہ ہو سکے اللہ تعالی نے جماعت رضائے مصطفیٰ کو شاندار فتح سے ہمکنار کیا۔[1]

کانفرنس کی کامیابی پر رد عمل

کانفرنس کا لوگوں نے بائیکاٹ کر دیا اور لیڈروں نے جگہ جگہ مخالفت شروع کر دی اور مسلمانوں کو طرح طرح سے بہکانا شروع کر دیا اس کے بارے میں

---

[1] رضوی، محمد شہاب الدین، جماعت رضائے مصطفیٰ کی تاریخ، ص302

ناظم جماعت انصار الاسلام لکھتے ہیں

"مخالف ہواؤں کے بادل صرصر طوفانی تموج کے ساتھ اس نوبادہ امید کو ازبیخ برکندہ کرنے میں اپنی پوری جدوجہد اور کامل طاقت صرف کرتے رہی اور ہمدردی اسلام کے مدعیوں نے اس جلسہ کو ناکام بنانے کے لئے اپنی ہر قسم کی طاقتیں صرف کردیں اشتہارات واخبارات میں اس جلسہ کو بدنام کیا گیا اور گورنمنٹ کا جلسہ بتاکر مسلمانوں کو اس جلسہ کی طرف سے بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی مختلف جماعتیں اس کام پر مامور تھیں کہ وہ جگہ جگہ گشت کرکہ دھوپ اور لو میں پھر کر مسلمانوں کو جلسہ سے روکیں اور علماء کے پاس ممانعت کے خطوط بھیجے گئے مگر حق کی آواز بلند ہو کر رہی اور باطل کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں لیکن اہل عناد نے اپنے مساعی تیزرفتاری کو سست کرنا گوارہ نہ کیا"

کانفرنس کو ناکام بنانے کی کوششیں

دشمنوں اور مخالف لوگوں نے طرح طرح کی کوششیں کیں کہ کسی بھی طرح اس جماعت اور اس کی ذیلی شاخوں کو بھی تباہ کردیا جائے مگر اسلام کو باقی اور اسے سلامت رکھنے والی تو اس کی ذات ہے جو ان کو یاد بھی نہ تھی اور یہ بھی ایک بنیادی بات ہے کہ جس کی جتنی مخالفت ہوتی ہے اس کی تشہیر بھی اتنی ہی ہوتی ہے اس کانفرنس کی بھی اتنی تشہیر نہیں کی گئی تھی جتنی تشہیر مخالین نے کردی[1]۔ اور انسان کی فطرت بھی یہ ہی ہے کہ جس بات سے اس کو منع کیا جائے روکا جائے اس کی طبیعت اسی کی طرف مائل ہوتی ہے کہ آیا اس کام میں ہے کیا ایسا ہی اس جماعت کے ساتھ بھی ہوا اور ایسے ہی ان باتوں نے اس کانفرنس کو کامیاب کردیا حالانکہ جلسہ کے دن بھی راستوں پر ایسے لوگ مقرر کردئے جو آنے والوں کو یہ بتاتے کہ جلسہ تو ملتوی ہو گیا ہے اور کبھی کہا گیا کہ یہ اپنے مقام سے منتقل ہو گیا ہے کبھی یہ کہ باہر سے علماء نہیں آئے جلسہ پھر اور تاریخوں میں ہوگا۔

مسلمانوں کا جذبہ اسلام مزید بیدار ہوا

مخالفین کانفرنس کے سارے ہتھکنڈے ناکام ہو گئے اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں میں جذبہ اسلام مزید بیدار ہوا اور اس ساری بات میں مخالفین چپ سادھے رہے کیونکہ وہ اپنے مقصد میں بری طرح ناکام ہو چکے تھے کیونکہ ان کی تو کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کیا سلام اور دین اسلام کی تعلیمات دینے والوں اور اسے مزید ترقی دینے والوں کا بھی قلع قمع کردیا ائے لیکن ایسا نہ ہوا اور دین اسلام اپنی انتہا کی ترقیوں کو چھونے لگا۔

---

[1] محمد میاں، علمائے حق، مطبوعہ مرادآباد، 1946ء، ص96

کانفرنس کی کامیابی

کانفرنس کی کامیابی پر رضاخاں بریلوی لکھتے ہیں

"مسلمانوں میں جو شوق پیدا ہو چکا تھا اس نے تمنا کے بڑھتے قدم کے لئے ان افواہوں اور غلط خبروں کو سہارا دیا اور زنجیر پانہ ہونے دیا اول وقت سے ہزارہا آدمی کا مجمع مسجد نو محلہ میں محو اشتیاق ہو کر پہنچا الحمد اللہ یہ اس جلسہ کی کامیابی کی پہلی منزل تھی ورنہ جلسہ کی دعوت پر اس قدر زور نہ دیا گیا جس قدر اس کو روکنے اور غلط خبروں سے نام بدنام کرنے کی کوشش کی گئی تھیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جلسہ کی مخالفت کیوں کی جاتی تھی"

مولانا حسن رضا بریلوی

"اس جلسہ کے مخالفین باطن میں سلطنت اسلامیہ سے مخالفت رکھتے ہیں ورنہ جو مجلس محض ترکوں کی امداد اور ہمدردی اور بلاد اسلامیہ کی صیانت و حفاظت کے لئے وضع کی گئی ہو جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے اور اس کے طریقہ عمل پر نکتہ چینی کا وقت بھی نہ آیا ہو پہلے ہی سے اس کا مخالف ہو جانا درست نہیں ہے"

کانفرنس میں شامل افراد

اس کانفرنس میں امید سے زیادہ مجمع تھا اور ہندوستان کے مشہور فاضل کرام و مشائخ عظام شرکت کے لئے رونق افروز ہوئے تھے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

مولانا شاہ مہدی حسن قادری

مولانا شاہ سید ولادرسول محمد میاں

مولانا محمد عبید اللہ صدر المسلمین

مولانا سید محمد آصف رضوی

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری

مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی

مولانا محمد یعقوب رضوی بلاسپوری

مولانا غلام محی الدین

مولانا خلیل الرحمن

مولانا شاہ دیدار علی رضوی

مسئلہ ترک موالات پر بحث و تمحیص

رضوی بہاری نے مسئلہ موالات پر محققانہ تقریر فرمائی اور ثابت کیا کہ ترک موالات انسان کا فطری و طبعی خاتمہ ہے اگر اس کے احساسات غلط نہیں ہو گئے تو وہ نقصان رساں سے طبعاً احتزاز کرے گا اس مسلہ کو شواہد و دلائل سے خوب ذہن نشین کرایا کہ کفارع مشرکین سے ترک موالات شرعاً فرض اور مسلمانوں پر لازم ہے۔

کانفرنس میں پاس شدہ تجاویز

جماعت انصار الاسلام کی تین روزہ کانفرنس میں جو تجاویز پاس ہوئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں [1]

ا۔ گورنمنٹ برطانیہ سے مطالبہ کہ وہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر عرب سے اٹھا کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے معاف رکھے۔

۲۔ مظلومین سمرنا وغیرہ کی مالی اعانت وارسال زر کے قابل اطمینان ذرائع بہم پہنچائے۔

۳۔ یہ جلسہ ترکو عرب میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے ایک وفد بھیجنا تجویز کرتا ہے اور گورنمنٹ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ عرب میں ہمارے وفد کی ذمہ داری کرے۔

۴۔ یہ جلسہ مسلمانوں کو ترغیب دیتا ہے کہ اپنے تمام مقدمات جن کو آپس میں طے کرنا چاہتے ہیں ان کا فیصلہ کریں اور کچہریوں کی مقدمہ بازی سے بچیں۔

۵۔ گورنمنٹ جو ایسا قانون بنائے جس سے کسی کسی اسلامی مسئلہ کو مضرت پہنچے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو اس کی ضرور ترمیم کر دی جائے۔

۶۔ یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اپنی تجارت بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے اور اس کے ذرائع کی توسیع اور حتی الامکان ان صورتوں کے بہم پہنچانے پر توجہ دلاتا ہے جس سے مسلمان کسی غیر مسلم تجارت کے محتاج نہ رہیں۔

۷۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ تجار اور روسا سے ایک اسلامی خزانہ قائم کرنے کی تحریک کی جائے جس میں ماہماہ یا سال بسال کچھ رقم جمع ہوتی رہے تاکہ وہ رقم ضرورت پڑنے پر ملت اسلامیہ کے کام آسکے۔

۸۔ یہ جلسہ مسلمانوں کو علم دین و مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق عقائد علماء حرمین شریفین کی اشاعت پر نہایت تاکید سے توجہ دلاتا ہے۔

---

[1] کوکب، قاضی عبد النبی، تحریک پاکستان اور علمائے اہل سنت، مطبوعہ خانیوال، 1979ء، ص6

۹۔یہ جلسہ مسلمانوں کو تجویز کرتا ہے کہ جو غلط طریقے ناجائز راستے مصرور غلط لباس شرعی پہنائے گئے ہیں ان کی شناعت پر مسلمانوں کو تحریراً و تقریراً مطلع کرے۔

مندرجہ بالا تجاویز جو کہ نصف صدی قبل پاس ہوئیں تھیں اس سے علمائے حق کے تدبر اور بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے یہ تجاویز آج بھی سود مند ہیں اگر ملت اسلامیہ نے ان پر عمل کیا ہوتا توان ک معاشی اور اقتصادی حالت آج سے بہت بہتر ہوتی مگر مسلمانوں نے ان پر عمل نہ کیا[1]

جماعت ظاہرین علی الحق جبل پور

جماعت ظاہرین علی الحق جبل پور کے سرپرست اور بانی مفتی برہان الحق جبل پوری تھے ان کے والد مولانا مفتی عبد السلام جبل پوری تھے ان دونوں حضرات کو امام احمد رضا سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ ۱۹۲۳ء میں کفار و مشرکین نے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی اسکیم شروع کی ان کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہا مسلمان کے دین اور تہذیب و تمدن کو مٹانا چاہا تو اس جماعت نے ابتداء سے لے کر انتہاء تک جنگ لڑی اور ہواؤں میں اسلام کی شمع روشن کی اس جماعت نے اسلام کے ناموس اور عزت پر اپنا سب کچھ لٹا دیا مگر اسلام پر آنچ نہ آنے دی

دین اسلام کی مقبولیت

دین اسلام دین فطرت ہے یہ ایک آفاقی مذہب ہے یہ اپنے اندر ایک ایسی قوت رکھتا ہے جو کہ کفار کو بھی تسخیر کر دیتا ہے یہ ہی کام جماعت ظاہرین علی الحق جبل پور نے بھی کیا اور دین کی تبلیغ سے درجنوں سکھوں اور ہندوؤں کو قبول اسلام کرایا اور اپنے دین کو پھیلایا۔[2]

جماعت رضائے مصطفیٰ کو صدمہ

جماعت رضائے صطفیٰ کے سرپرست اور بانی امام احمد رضا تھے۔ اس کو قائم ہوئے ابھی دو سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ کہ وہ اپنے سرپرست اور بانی سے محروم ہو گئی امام احمد رضا کا وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہوا جماعت کے لئے یہ صدمہ بہت بڑا تھا جبکہ تحریک ابھی اپنے پیروں پر صحیح طرح سے کھڑی بھی نہ ہو پائی تھی اس عظیم سانحہ کو یہ جماعت خود اپنی زبانی یوں بیان کرتی ہے

"حضرات کرام اہل سنت میں ایک نو خیز جماعت ہوں مجھے اس خاکدان عالم میں قدم رکھے ابھی پورے دو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ میرے سر سے میرے ر پرست کا مقدس سایہ اٹھ گیا وہ سرپرست جن سے دین اسلام کو نصرت ملی اسلام کو قوت پہنچی اور ہاں وہ جن کے دم قدم سے اہل سنت آج اہل سنت ہیں وہ جس

[1] رضوی، محمد شہاب الدین، تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، ص308

[2] رضوی، محمد شہاب الدین، تاخ جماعت رضائے مصطفیٰ، ص309

نے اہل سنت کی تائید اور اہل فتن کے فتنوں کی نکایت کی جس کے نیزہ قلم کے حضور ہر قلم جھکا کون تھا جو اس کے سامنے آسکا جس کی ہیبت نے عالم پر سکہ بٹھالیا جس کی صولت نے دنیا بھر کو گھیر لیا وہ اللہ کا ولی نبی کرم کا سچا عاشق حضور کا نائب صادق جس کا فیض ہندوستان میں ہی نہ رہا عرب تک پہنچا حرمین طیبین کے اجلہ اعلام واکابر کرام نے جس سے شرف بیعت حاصل کیا جسے استاد مانا یکتا امام مانا اپنا سردار کہا اتنی کم سنی میں یہ حادثہ پیش آنا سخت مصیبت عظمیٰ ہے اور وہ بھی ایسے نازک وقت کہ ہر طرف سے اس پر کالی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں شدید مخالفت کی تیز وتند ہوائیں اسے جڑ سے ہلا رہی ہیں خود اسلام کے جان لیوا اسے جڑوں سے کھود رہے ہیں اس کے پھول کلیوں اور نونہالوں کو پامال کر رہے ہیں ایسے حالات میں ایسا واقعہ ہونا داہئیہ کبریٰ ہے۔ مجھ نو شگفتہ غنچے کے ملیامیٹ کرنے کے لئے ایک تیز ہوا کا جھونکا ہی کافی تھا میرا وجود کب کا ملیامیٹ ہو چکا ہوتا اگر اس حافظ حقیقی اور دین متین کے حامی کے، کہ وہ انبیاء اوران کے صدقے اولیاء وعلماء کو قبور میں زندہ رکھتا ہے"

امام احمد رضا کے بعد جماعت کی حالت

امام احمد رضا کے وفات پا جانے کے بعد اس جماعت کی سرپرستی امام حامد رضا خاں اور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا نوری نے قبول فرمائی اور مرتے دم تک یہ دونوں شخصیتیں اس جماعت کی نمائندگی کرتے رہے مخالفت کا ایک سیلاب تھا جو کہ تھمنے میں آہی نہیں رہا تھا امام احمد رضا تن تنہا کئی محاذوں پر اکیلے ہی لڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قدم پر کامیابی بھی عطا فرمائی انہوں نے قلمی جہاد کو کبھی بھی نہیں روکا اور اسے بھی جاری وساری رکھا۔ لیکن ان کی وفات کے بعد مخالفین کی رائے تھی کہ اب تو وہ دنیا سے چلے گئے ہیں تو اب ان کی چلائی ہوئی تحریک اور ان کے سارے کاموں کو کچل دینا ان کے لئے بہت آسان ہے جماعت رضائے مصطفیٰ اپنے بام عروج پر پہنچ چکی تھی۔

سید ایوب علی رضوی لکھتے ہیں:

اگرچہ بظاہر میرے سر سے ان کا سایہ اٹھ گیا تھا مگر در حقیقت اعلیٰ حضرت کے مکارم میرے شامل حال رہے اور ان کے بعد مخالفین نے بہت سے ناپاک حملے کیے شدید نرغے کئے مگر اس جماعت کا بال بھی بیکا نہ کرسکے جو بھی اس کے مقابل آیا منہ کے بل گرا اور پھر کبھی سنبھل نہ سکا سیدھا اپنے مقر پہنچا۔

جماعت رضائے مصطفیٰ کی کامیابی

سید محمد اشرف کچھوچھوی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے خلیفہ وتلمیذ تھے آپ کی جماعت کی پامردی اور استقلال دیکھ کر وہ بہت خوش اور متاثر ہوئے اور انہوں نے ایک تفصیلی مضمون لکھ کر مجاہدین رضائے مصطفیٰ کو خراج تحسین پیش کیا۔ قدرت کے خزینہ فضل وکرم میں جہاں جمال ورحمت کے بے بہا زر وجواہر ہیں وہیں اس کے خزانہ بے نیازی میں جلال وہیبت کے بھی انمول موتی ہیں حقیقت شناس طبیعتیں اور حق بیں نگاہیں جمال ہو یا جلال دونوں کو ایک ہی سرکار کا عطیہ باور کرتی ہیں اور دنیا ایسے بہادروں سے خالی نہیں ہے

مسئلہ خلافت کی تصویر کشی

1339ھ مسلہ خلافت زور و شور سے چل رہا تھا مسٹر گاندھی نے نام نہاد مسلم قائدین مثلاً مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا عبد الباری فرنگی محلی کو ساتھ لیا اور تحریک خلافت چلائی۔ اس کا مقصد ترکی سلطنت اسلامیہ کی حمایت بتایا گیا حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی اس کا مقصد یہ نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد مسلمانوں کے ذہنوں کو ہموار کر کہ سیاسی اقتدار کو سنبھالنا اور ان سے چندہ جمع کرنا تھا امام احمد رضا نے اس تحریک کا تعاقب کیا اور ان کے عزائم کو بے نقاب کیا اور اپنے افکار و نظریات کو چھاپ کر عوام کے سامنے پیش کیا امام احمد رضا کے خلاف پوسٹر اور اشتہار شائع کئے گئے اور خلافت کی آڑ میں دین حق کے حامیوں پر حملے کئے جاتے رہے۔[1]

نظریہ وہابیت کی تصویر کشی

مراد آباد میں "کالا کافر پکا وہابی" کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا گیا پھر ایک رسالہ کی شکل میں گالی نامہ چھاپا گیا اور مختلف علاقوں میں تقسیم کیا گیا اور ان رسائل میں امام احمد رضا پر الزامات کی بارش کی گئی ان پر کیچڑ اچھالا گیا ان پر رکیک حملے کئے اور ان کی شان میں حد سے زیادہ سب و ستم کیا گیا اس کا مختصر جواب مولانا محمد عمر نعیمی نے اس طرح تحریر فرمایا ہے

"اعلیٰ حضرت موصوف ملک کے مایہ ناز اور سرمایہ ناز عالم ہیں جن کی بدولت ملک کی عزت ہے آپ کا دارالافتاء مدت ہائے مدیدہ سے ممالک و بلدان اور عالم کے گوشہ گوشہ کا مرجع ہے عرب، مصر، مراکش طرابلس اور افریقہ وغیرہ تمام ممالک میں ے آپ کی خدمت میں استفسار پہنچتے ہیں اور ہر مقام کے اہل علم آپ کے تمام اوقات بفضلہ تعالیٰ دین کی خدمت میں صرف ہوتے ہیں آپ کی تحقیقات انیقہ نے علوم اسلامیہ کا احیاء فرمایا آپ کے قلم نے دشمنان اسلام کی تمام مخالف کوششیں ملیامیٹ کر دیں[2] انہی میں وہابیہ بھی ہے جس کے سربستہ آپ نے طشت از بام کر دئے اور ان کا کوئی حیلہ کوئی حملہ اسلام پر چلنے نہ دیا۔ اس اشتہار میں اعلیٰ حضرت کو سلطنت اسلامیہ کا مخالف ظاہر کیا گیا ہے کس قدر عجیب و غریب ہے کہ دین اسلام کا حامی اور شریعت حقہ کا امام سلطنت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کا مخالف ہو اور وہابیہ جن کے نزدیک ساری دنیا ہی مشرک ہے ہر عرس میں شریک ہونے والا سب مشرک و بدعتی ہیں وہابیہ کے نزدیک مسلمان ہیں کون جن کی وہ اعانت کریں ترک کیا ان کے سامنے مشرک نہیں وہابیہ نے تو حرم شریف کی بے حرمتی کی حجر اسود کو توڑا کیا یہی اپنے دل میں کعبہ کا درد رکھتے ہیں وہ قوم جس کا

---

[1] جہاں پوری، شاہ، ابو سلمان، مکاتیب ابو الکلام آزاد، مطبوعہ کراچی، 1963 ص 163

[2] مسعود احمد، پروفیسر، حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ، سیالکوٹ، 1981، ص 172

پیشوا حضور ﷺ کے روضہ اقدس کو صنم اکبر کہتا تھا کیا حرمین طیبین کی خیر خواہ ہو سکتی ہے مگر دنیا کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے خلافت خلافت کہا جاتا ہے۔"[1]

امام احمد رضا پر الزامات

امام احمد رضا پر الزامات کی بارش کی گئی اور ایسے ایسے الزامات لگائے گئے کہ جو ہوش ربا ہیں اور ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ ان کی شہرت کو تباہ کریں اور ان کے نیک مقاصد میں ان کو کامیاب نہ ہونے دیں اشتہارات میں یہ بات پھیلا دی گئی کہ امام احمد رضا گورنمنٹ کے آدمی ہیں اور بعض لوگوں نے تو جھوٹ کا اتنا پلندہ باندھا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے ان کو انگریزی دفاتر میں ان کا نام درج دیکھا ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ قبض الوصول تنخواہ میں وصول کے دستخط ثبت ہیں چونکہ امام احمد رضا اپنی مجددانہ اور فقیہانہ صلاحیتوں سے اہل علم کے دل میں گھر کر چکے تھے تو مخالفین سے یہ سب کچھ برداشت نہ ہو رہا تھا تو انہوں نے الزامات کا ذخیرہ استعمال کرنا شروع کر دیا اس بات کے باوجود کہ ان کی تصانیف اس بات کی گواہ ہیں کہ ان کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی اور انکے خلاف تھے۔

اس بات کے جواب میں امام احمد رضا کے خدام اور جماعت رضائے مصطفیٰ کے اراکین نے ساڑھے چھ ہزار روپیہ انعام مقرر کیا کہ اگر کوئی شخص اس بات کو ثابت کر دے کہ امام احمد رضا گورنمنٹ سے پیسہ لیتے ہیں مگر آج تک کسی میں بھی اتنی جرات نہ ہوئی کہ وہ یہ انعام حاصل کر سکے خلافت کمیٹی نے بھی ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے اس کے رد عمل میں امام احمد رضا نے اپنا ایک بیان تحریر فرمایا اور اپنے نقطہ نظر سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جو کہ یہ ہے:

"میں اعلان کے ساتھ کہہ چکا ہوں اور کہتا ہوں کہ سلطنت اسلام نہ سلطنت بلکہ ہر جماعت اسلام نہ جماعت بلکہ ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کون سا مسلمان ہو گا کہ اماکن مقدسہ کی حفاظت نہ چاہے گا مگر دونوں کا لحاظ لازمی ہے اور ان کا ترک عقل و نقل دونوں سے خروج۔

اول: یہ کہ ہر فرض ہمیشہ بقدر قوت و سرمایہ استطاعت ہے قرآن کریم جابجا شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کسی کو حکم نہیں دیتا ایسی تحریکیں قوت سے باہر ہیں اور ان کا نتیجہ یہاں کے مسلمانوں کی تباہی ہے اسلام اور مسلمین کی خیر خواہی نہیں صریح بد خواہی ہے۔

دوم: اسلام کی تائید کبھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پیٹھ دکھا کر کبھی نہیں ہو سکتی مشرکین سے اتحاد اور داد ان سے استعانت و استمداد ان سے موافقت و انقعیاد جس کی ہوا چل رہی ہے قطعاً یقیناً بیخ کن اور حرام ہے اور اس کے سبب دین پر سخت آفت وہابیہ دیوبندیہ کی مداخلت ہے انہوں نے جوش بے معنی دیکھ کر موقع پایا اور اس میں اپنے مطلب کے لئے شریک ہو گئے کل تک ان کو جو کافر اور بد دین سمجھتے تھے ان سے مل کر متحد ہو گئے تھے ان کی رکنیتیں ان کی صدارتیں ان کی تنظیمیں ہونے لگیں اس سے سلطنت اسلامیہ یا اماکن مقدسہ کو فائدہ پہنچنے کے بجائے وہ تمام اہل سنت کو مشرک جانتے ہیں سلطان اور تمام ترکوں کو کیا مسلمانو

[1] رضوی، محمد شہاب الدین، تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، ص89

جائیں گے وہ تو اماکن مقدسہ کو مشرکستان سمجھتے ہیں کیا ان کی حفاظت چاہیں گے ؟ یہ تو سب زعم باطل ہے ہاں وہابیت کے پنجے جمتے جاتے ہیں اور یہ دین کی سخت بربا دی ہے آنکھ کھولو اور دوست دشمن میں تمیز کرو دنیوی معاملت مطابق احکام شرع ہر کافر اور غیر مرتد سے جائز ہے اور موالات اصلاً کسی سے جائز نہیں ہے یہاں اس کا عکس ہو رہا ہے آٹھ برس ہوئے جب اس جنگ کا نام ونشان بھی نہ تھا فقیر نے فلاح مسلمین کے لئے چار تدابیر شائع کی تھیں۔"[1]

سید سلیمان اشرف بہاری کی جماعت رضائے مصطفیٰ میں خدمات

سید سلیمان اشرف بہاری نے جماعت رضائے مصطفیٰ میں بہت سی خدمات انجام دین اور احیائے دین کی خدمات انجام دیتے ہوئے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی۔

جماعت رضائے مصطفیٰ کے پلیٹ فارم پر حاضری

خلافت کمیٹی کے اراکین خاص طور پر ابو الکلام آزاد اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی مولانا عبد الماجد بدایونی نے رجب ۱۴ ۱۳۳۹ھ کو بریلی میں ایک اجلاس منعقد کیا اور اس سے قبل ان حضرات نے منافی اسلام کلمات کہے تھے اور گاندھی کو مذکر من اللہ کہا اور یہ بھی کہا کہ اگر خلافت ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتے ان کے یہ کلمات اخبارات میں چھپے جماعت رضائے مصطفیٰ نے اس بات پر فی الفور ایکشن لیا اور ان مذکورہ شخصیات سے ۷۰ سوالات کے جوابات طلب کیے۔[2] اور ان کو ایک اجلاس منعقد کرنے کا پیغام بھیجا تو انہوں نے اس بات پر خاموشی اختیار کی۔ ۱۳ رجب کو مناظرے کا شدید تقاضا کیا گیا سید سلیمان اشرف نے بھی طلب مناظرہ جماعت رضائے مصطفیٰ میں اپنے دستخط کر دئے اور اپنے طور پر ایک منفرد خط بھی بھیجا جماعت رضائے مصطفی کی طرف سے یہ افراد شامل تھے

1. مولانا حامد رضا خاں
2. مولانا نعیم الدین مراد آبادی
3. مولانا امجد علی اعظمی
4. مولانا حسنین رضا خاں بریلوی
5. مفتی برہان الحق جبل پوری
6. مولانا ظفر الدین بہاری

---

[1] رضوی، محمد شہاب الدین، تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، ص 91

[2] آغا اشرف، پاکستان کا اسلامی پس منظر، مطبوعہ مقبول اکیڈمی، لاہور، 1995ء، ص 37

مناظرہ کا پر زور مطالبہ

جماعت رضائے مصطفیٰ کی طرف سے چوتھی بار پر زور مطالبہ کیا گیا تو مولانا آزاد کی تحریر سامنے آئی جس میں جدید اختراعی بحث مسئلہ خلافت اسلامیہ اور ترک موالات پر امام احمد رضا سے مناظرہ کا مطالبہ کیا حالانکہ اس کا جواب امام صاحب نے آٹھ سال قبل لکھ دیا تھا جس کا سب کو علم تھا مگر مولانا آزاد صرف مناظرہ سے بچنے کے لئے یہ سب ہتھکنڈے استعمال کر رہے تھے اور جماعت رضائے مصطفیٰ سے مناظرہ کے لئے بالکل تیار نہ تھے کیونکہ ان کی تمام کمزوریوں اور کفریات کو سامنے لا کر رکھ دیا تھا مگر انہوں نے اپنی کوشش کو جاری رکھا او دو خط روانہ کئے ایک جماعت کی طرف سے اور ایک سید سلیمان اشرف کی طرف سے سید سلیمان اشرف کے خط کا جواب مولوی عبد الودود نے دیا۔ اس خط کا جواب تحریری دیا گیا مگر اس میں بھی گریز اختیار کی گئی اور یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا گیا کہ فی الحال دوسرے مباحث سے اس مناظرے کا کوئی تعلق نہیں ہے اس حیلہ اور ٹال مٹول سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کا وہ مناظرے کی سکت نہیں رکھتے۔ سید سلیمان اشرف بہت شان و شوکت سے پنڈال میں پہنچے اور ہزاروں مسلمان ان کے ہمراہ تھے اور جماعت کا نورانی وفد دیکھ کر عوام میں جوش و خروش پیدا ہو گیا تھا اور سید سلیمان اشرف کو تقریر کی دعوت دی گئی اور یوں تقریر شروع فرمائی۔ حضرات فقیر کی حاضری اور خطاب کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ نہایت وضاحت اور صراحت سے امر بہ الاتفاق اور مابہ الاختلاف کو آپ کے سامنے پیش کروں مسلہ خلافت وتحفظ وصیانت اماکن مقدسہ اور ترک موالات یہ وہ مسائل ہیں جنہیں نہ صرف میں بلکہ تمام مسلمانان عالم پر بقدر استطاعت فرض ہے۔[1]

مسائل شرعیہ پر تقریر

حاضرین جلسہ یہ وہ مسائل شریعہ ہیں جنہیں نہ صرف میں اس وقت بیان کر رہا ہوں بلکہ آج سے دس برس پیشتر فقیر نے لکھا چھاپا ملک میں شائع کیا میرا اور دیگر علمائے اہل سنت کا آپ سے اس مسلہ میں ہر گز نہیں ہاں اختلاف اس میں ہے کہ آپ ہندوؤں سے موالات برتتے ہیں اور مسلمانوں کو حرام و کفریات کا مرتکب بناتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ

قرآن پاک میں ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ[2]﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو یہودیوں اور نصرانیوں سے موالات مطلقاً حرام ہے

پھر ایک دوسرے مقام پر فرمایا

---

[1] محمد جمیل الرحمن، پاسبان مذہب وملت، مطبوعہ، بریلی، 1921ء ص47

[2] المائدہ5: 51

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ[1]﴾

اور تم نہ بناؤ کسی کافر کو کسی مومن کا ولی

گاندھی کے کردار کو اجاگر کیا

سید سلیمان اشرف بہاری نے گاندھی کے کردار سے پردہ چاک کیا اور لوگوں پر اس بات کو عیاں کیا کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے اور مسلمان ہونے کا حق ادا نہیں کیا اور اس بات میں انہوں نے مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے اس بات کو بیان کیا ہے کہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے گائے کی قربانی اپنے ہاں سے اٹھا دی اور پھر کہتے ہیں کہ میں پس رو گاندھی ہوں ان کو اپنا رہنما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہ ہی کرتا ہوں۔[2]

علمائے سوء کا پردہ چاک کیا

آپ نے اپنی تقریر میں ان علماء کے پردے بھی چاک کئے جو کہ گاندھی کو اپنا پیشوا اور ہمدرد مانتے ہیں آپ نے مولانا بدایونی کی طرف متوجہ ہو کر زور سے کہا کہ کہو یار تمہاری بھی کہہ دیں تم نے گاندھی کو کہا کہ خدا نے ان کو مذکر بنا کر بھیجا ہے اور وہ اس بات پر خاموش رہے اور کچھ نہ کہہ سکے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ﴾[3]

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف محبت کی نگاہ ڈالتے ہو اور وہ اس حق سے کفر کر رہے ہیں جو تمہارے پاس آیا"

تعلیمات شریعہ کو از سرنو اجاگر کیا

صدر کانفرنس کی اجازت سے مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے تقریر فرمائی

آپ کی تقریر میں دریا کی روانی تھی اور واقعات کا سلسلہ تھا عجب دل پذیر باتیں تھیں مولانا سلیمان اشرف نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمان احکام شریعت پر پورے طور پر کاربند رہیں یہی ان کی کامیابی کا ذریعہ ہے انہوں نے اپنی تقریر کے ساتھ یہ تجویز پیش کی کہ علماء اہل سنت اور مسلمانان بریلی کا یہ عظیم الشان جلسہ

---

[1] ال عمران 3: 28

[2] عبد االوحید خاں، مسلمانوں کا ایثار جنگ آزادی، یونائیٹڈ انڈیا پریس، لکھنوء، 1938ء، ص142۔143

[3] ال عمران 3: 118

گورنمنٹ برطانیہ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنااور تمام اتحادیوں کا اثر جزیرۃالعرب سے اٹھا مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے معاف رکھے تقریر کے اخیر میں مولانانے ہندو مسلم اتحاد کے برے نتائج کی طرف توجہ دلائی۔

﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾[1]

اگر ان کا اللہ پر اور اس کے نبی ﷺ پر اور جو اس نبی ﷺ پر اتارا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو وہ کبھی کفار و مشرکین کو دوست نہ بناتے

سید سلیمان اشرف نے اپنی تقریر میں جن مسائل پر غور فرمایااور اظہار خیال کیاوہ یہ ہیں

۱۔ ہندوؤں کی رضامندی کے لئے ذبیحہ گاؤپر پابندی کا مطالبہ کیوں؟

۲۔ گاندھی کے زیر اثر اکابر جمیعت علماء ہند اور خلافتی لیڈروں کا شعائر اسلام ترک کرنا۔

۳۔ کانگریس کی خوشنودی کے لئے شعائر کفر میں مبتلا ہونا۔

۴۔ تمام کفار سے موالات کا ناجائز و ممنوع ہونا عام ازیں کہ وہ نصاریٰ ہوں یا ہنود سلطنت کی خاطر مذہب کو قربان نہ کرنا۔[2]

مقامات مقدسہ کا تحفظ و صیانت

آپ کی تقریر کے چند اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں

"مسئلہ خلافت و تحفظ و صیانت اماکن مقدسہ اور ترک موالات یہ وہ مسائل ہیں جن میں نہ صرف میں بلکہ تمام علمائے کرام نہیں بلکہ تمام عامتہ المسلمین ہمیشہ متفق اللسان ہیں سلطنت ترکی ہماری دینی بھائی اس پر اسلامی سلطنت اس پر اسلام کی قوت دفاعی پھر حرمین شریفین کی خادم و محافظ بس ان کی اعانت اور نصرت نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ مسلمان عالم پر بقدر استطاعت فرض ہے۔ میرا اور دیگر علمائے سنت و جماعت کا آپ سے اختلاف اس مسئلہ میں ہر گز نہیں ہاں اختلاف اس میں ہے کہ ہندووں سے موالات برتتے ہیں اور مسلمانوں کو حرام و کفریات کا مرتکب بناتے ہیں۔

اللہ کا ارشاد ہے

کفار ارادہ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے نور (اسلام) کو اپنے ذہنوں سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو تمام کرنے والا ہے

---

[1] المائدہ 5: 81

[2] احمد جلال الدین، قادری، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، ص150

مسلمانوں کے غیر مذہبی رد عمل کو بیان کیا

" آپ نے قشقہ لگایا گاندھی کی جے ایک دو بار نہیں بلکہ بیسوں بار پکاری ہے جس طرح صلیب علامت تثلیث ہے کیا اس طرح قشقہ علامت شرک نہیں ہے ہندووں نے قربانی بند کرنے کے لئے بہت سے مظالم کئے ہیں قرآن مجید پھاڑے ہیں عورتوں کی بے حرمتی کی ہے مسلمانوں کی جانیں لی ہیں مسجدوں میں بے ادبیاں کی ہیں"

قرآن پاک میں ہے

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾[1]

اور تم اللہ کی رسی کو مظبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ پھیلاؤ

در پیش مسائل کا حل پیش کیا

" آپ نے پیش آمدہ مسائل کو لوگوں کے سامنے اس طرح بیان کیا مقامات مقدسہ اور خلافت اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے ہندوستان کے مفاد کی کوشش کریں اس سے بھی مخالفت نہیں ہے ہمیں مخالفت ان حرکات سے ہے جو آپ لوگ دین کے مخالف حرکات کر رہے ہیں ان سے خدارا باز آیئے اور انکی روک تھام کیجئے عوام کو ان سے بعض رکھیئے تو خلافت اسلامیہ و ممالک مقدسہ کی حفاظت ہندوستان کی مملکی مفاد کی کوشش میں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار ہیں "[2] اور یہ ساری مصیبتیں اور سزائیں اسی بات کی وجہ سے ہیں کہ ہم نے کفار کو اپنا دوست بنایا انہیں اپنے عقیدے اور ایمان میں کمزوری دکھائی اور ان کی اتنی جرات ہوئی کہ وہ ہمارے دین کو مٹانے کے درپے ہو گئے قرآن پاک میں آتا ہے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾[3]

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف محبت کی نگاہ کرتے ہو اور وہ اس حق سے کفر کر رہے ہیں جو تمہارے پاس آیا۔

تبصرہ

جماعت رضائے مصطفیٰ جو عزائم لے کر اٹھی وہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہی۔ اور احیائے دین کی کوششیں آج بھی جاری و ساری ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمانوں کے اندر سے مسلمانیت کا جذبہ ختم ہو گیا تھا انہوں نے اپنی اسلام اقدار اور خود اسلام کو بہت پیچھے کہیں چھوڑ دیا تھا اور کفار اور ہندوؤں کی تقلید میں اپنا سب کچھ

---

[1] ال عمران 3 : 103

[2] محمد جلال الدین، قادری۔ ابو الکلام آزاد کی تاریخی شکست، ص152

[3] المائدہ 5 : 81

گنوانے کو نکل پڑے تھے مگر خدا نے ہر دور میں دین اسلام کی حفاظت کرنے والے مجاہدین پیدا کئے ہیں جو ہمیشہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنا سب کچھ اس کی حرمت پر قربان کر کے اپنے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کٹھن حالات میں یہ ہی کردار جماعت رضائے مصطفیٰ نے ادا کیا تھا مسلمانوں نے ہندوؤں کی خوشنودی اور اتحاد کو انتہائی منزل تک پہنچانے میں عقل کا ساتھ چھوڑ کر شریعت کے احکامات کو پیٹھ دے کر کون سی نا کردنی تھی جو انہوں نے نہ کی تھی انہوں نے ماتھے پر قشقے لگوائے مشرکین کی جے پکاری ان کو مسجدوں کے منبر تک لے کے گئے۔ جمعہ کے خطبہ میں مشرکین کی تعریف کی مشرکوں کی ٹکٹکی کو کاندھا دیا مسلمان اپنی تمدنی مذہبی قومی اور سیاسی زندگی کو خود اپنے ہاتھوں سے تباہ کر رہے تھے جس کا انہیں احساس تک نہ تھا اور نہ ہی وہ ان کے عزائم سے آگاہ تھے ان کے کردار سے پردہ چاک کرنے والوں میں بہت بڑا حصہ جماعت رضائے مصطفیٰ نے بھی ادا کیا ہے۔ حالانکہ یہ کس قدر ستم کی بات ہے کہ ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ برا کیا ان کے حقوق کو سلب کیا لیکن وہ اب بھی ہوش کے ناخن لینے کو تیار نہ تھے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں بھی مسلمانوں کو مشرکین کے ساتھ اتحاد سے منع کیا گیا ہے۔

دوسری جگہ قرآن پاک نے صاف الفاظ میں مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے داد و اتحاد کریں اس کا اللہ پر اس کے رسول ﷺ پر اور اس کے حکمت بھرے احکام پر ذرہ برابر ایمان نہیں ہے

فصل چہارم

سید سلیمان اشرف بہاری کی متفرق تحریکی خدمات

تحریک پاکستان اور سید سلیمان اشرف بہاری کی خدمات

تحریک پاکستان کا تعارف

تحریک پاکستان اس تحریک کو کہتے ہیں جو برطانوی ہند میں مسلمانوں نے چلائی جس کے نتیجے میں پاکستان قائم ہوا تحریک پاکستان سے مراد وہ تحریک تھی جس نے مسلمانوں کو الگ مسلم تشخص دیا ایک الگ پہچان دی وہ پہچان جو کہ ایک آزاد اور خود مختار ریاست کی ہونی چاہئے یہ مملکت کسی طشتری میں سجا کر ہمارے سامنے پیش نہیں کر دی گئی بلکہ اس کو بنانے اور اس کو بچانے کے لئے لاکھوں کروڑوں لوگوں نے اسے اپنے خونوں سے سینچا ہے ہزاروں ماؤں نے اپنے بیٹے کھوئے لاکھوں بہنوں نے اپنے بھائی قربان کئے کروڑوں بیویوں نے اپنے سہاگ کی قربانیاں پیش کیں تب کہیں جا کر یہ مملکت حاصل ہوئی جس میں ہم سب آزاد ہیں اور آزادی کے ساتھ سانس لے رہے ہیں۔ [1]

نظریہ پاکستان کا تاریخی پہلو

نظریہ پاکستان کی ترغیب پاکستان برصغیر میں سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی نے پیش کی شاہ ولی اللہ سر سید احمد خاں اور علامہ اقبال اور دیگر علمائے کرام نے نظریہ پاکستان کی وضاحت کی برصغیر میں مختلف ادارے اسی نظریے پر قائم ہوئے اور مختلف تحریکیں معرض وجود میں آئیں۔ [2]

دو قومی نظریہ

مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں جو کہ اپنا اپنا ملی تشخص رکھتی ہیں اور دونوں مختلف معاشرتی نظام رکھتی ہیں اس کا اعلان قائد اعظم نے لاہور میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں کیا ہندو اور مسلمانوں کو دو الگ الد مذہب ہی نہیں بلکہ الگ الگ معاشرتی نظام قرار دیا ہندو اور مسلمان نہ آپس میں شادی کر سکتے ہیں نہ ایک دستر خوان پر کھانا کھا سکتے ہیں ان کے رزمیہ نظمیں غزلیں ہیرو ایک دوسرے سے مختلف ہیں جو کبھی بھی ایک نہیں ہو سکتے دونوں تہذیبوں کا تجزیہ کرتے

---

[1] محمد اسلم، پروفیسر، تحریک پاکستان، ریاض برادرز اردو بازار، لاہور، س۔ن، ص 43

[2] حمزہ علوی، تخلیق پاکستان، تاریخ پبلیکیشنز، مزنگ روڈ لاہور، 2014ء، ص، 41

ہوئے آپ نے فرمایا میں واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی تہذیبوں کی بنیاد ایسے حقائق اور تصورات پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔[1]

نظریہ پاکستان کے مقاصد

نظریہ پاکستان کے اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل ہیں[2]

1. اسلامی ریاست کا قیام
2. اسلامی جمہوری نظام کا قیام
3. حاکمیت اللہ کا نفاذ
4. دو قومی نظریے کا تحفظ
5. مسلمانوں کی معاشی بہتری
6. رام راج سے نجات
7. انگریزوں سے نجات
8. معاشرتی ضرورت
9. پرامن فضا کا قیام
10. ملی و قومی اتحاد
11. عالم اسلام کا اتحاد
12. مسلمانوں کی سیاسی و معاشی ترقی
13. ہندوؤں کے تعصب سے نجات
14. کانگرس سے نجات
15. مسلمانوں کی آزادی

---

[1] ایس کے موجمدار، جناح اور گاندھی، عکس پبلیکیشنز، 2017ص 53

[2] زاہد چودھری، پاکستان کیسے بنا، مطبوعہ لاہور، 1993ء، ص 11-13

16. مسلم تہذیب وثقافت کی ترقی

17. اردو زبان کا تحفظ وترقی[1]

تحریک پاکستان کا آغاز

تحریک پاکستان کا باقاعدہ آغاز ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو ہوا مگر اس کی ابتداء اسی دن ہو گئی ہے جس دن کانگرس سے ہندوؤں نے اپنی راہیں الگ کر لی تھیں[2]

مسلم لیگ کا قیام

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو عملی سیاست میں حصہ لینے سے منع کر دیا آپ کے نزدیک تعلیم کے بغیر سیاست میں کامیابی ممکن نہ تھی ۱۸۸۵ء میں کانگریس بنی تو کانگریس نے اپنے مقاصد سے ہٹ کر ہندوؤں کے لئے کام کرنا شروع کر دیا جس سے مسلمانوں کے اندر یہ احساس پیدا ہو گیا کہ ان کی اپنی ایک علیحدہ مملکت ہونی چاہیے ۱۹۰۶ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا باقاعدہ اجلاس نواب مزمل خان کی رہائش گاہ پر ہوا اس اجلاس میں مسلم لیگ کے قیام کا فیصلہ ہوا۔[3]

مسلم لیگ کے قیام کے اسباب

1. کانگریس کا ہندوؤں کی جماعت بننا
2. اردو ہندی تنازعہ
3. گاؤ کشی کی مخالفت
4. انتہا پسند ہندو تحریکیں
5. تقسیم بنگال پر ہندوؤں کا رد عمل
6. متعصب ہندو لیڈروں کی سرگرمیاں
7. مسلمانوں کی محرومیت
8. انگریزوں کا رویہ

---

[1] چودھری، خلیق الزماں، شاہراہ پاکستان، مطبوعہ کراچی، 1967، ص358

[2] جعفری، رئیس احمد، قائد اعظم اور ان کا عہد، ص125

[3] یوسف زئی، مدرار اللہ، نقشبندی، مفتی، سیاست اور عقائد، ادارہ اشاعت مدرار العلوم، گلبرگ مردان، سرحد، 1995ء، ص 297

9. شملہ وفد کی کامیابی

10. فرقہ واریت

11. سیاسی اصلاحات کا نفاذ

سید سلیمان اشرف بہاری اور دو قومی نظریہ

دو قومی نظریہ سید سلیمان اشرف بہاری نے ۱۹۲۱ میں بریلی میں پیش کیا جب جماعت رضائے مصطفیٰ کا جلسہ بریلی میں ہوا اور اس کا مناظرہ مولانا ابو الکلام آزاد سے ہوا جس میں سید سلیمان اشرف نے اپنے مظبوط دلائل کا اظہار کیا اور مشرکین کے ساتھ ان کے اختلاط و اتحاد کے خطرناک نتائج سے عوام کو آگاہ کیا اور مسلمانوں کو اس بات سے روکنے میں ٹھوس دلائل دیے اور اسلامی نظریہ قومیت کا بھرپور دفاع کیا۔

اقبال اور سید سلیمان اشرف کا نظریہ پاکستان

سید سلیمان اشرف بہاری اور علامہ اقبال ایک ہی افکار و نظریات کے حامی رہے ہیں کیونکہ اقبال کے جذبات واحساسات بھی وہ ہی تھے جو سید سلیمان کے تھے علامہ اقبال کو بھی گاندھی کے ہاتھ میں قیادت گوارہ نہ تھی اور سید سلیمان اشرف بھی گاندھی کے کردار کے سخت مخالف تھے اور مسلمانوں کو مسٹر گاندھی کے عزائم سے خوب واقف کرایا آپ بیان کرتے ہیں حکومت کی ہمکناری جس چڑھاوے ور قربانی کی خواہاں تھی اب تک ہندوؤں کے ہاتھوں نے وہ نذرانہ پیش نہیں کیا تھا ضرورت تھی کہ بہت سی جانیں حکومت کی دیبی پر بھینٹ چڑھادی جائیں سیاست کے ساری منازل میں یہ منزل سخت تھی[1] قرب شوق کی آگ بھڑکا رہا تھا اور جان کی اضاعت دامن پکڑتی تھی نکمی اور رائیگاں جانوں کی ضرورت تھی بالاخر امعان نظر اور تعمق فکر کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ تینوں جماعتیں اپنے اسی سالہ کمائے ہوئے سرمایہ کی اس طرز خاص سے ایک جھلک مسلمانوں کو دکھلائیں کہ ان کی نگاہ خیرہ اور عقول حیرت زدہ ہو جائیں اور اپنا خیر و شر انہیں دکھائی نہ دے نہ سمجھ آئے ہاں اس پراگندگی حواس میں اپنی رہی سہی ہستی کھو بیٹھیں اس عمل سے قربانی کی ضرورت بھی پوری ہار جائے گی اور قربانی کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی اور وجود مسلم کا کانٹا بھی نکل جائے گا"[2]

یہی وہ وجوہات تھیں کہ جن کی وجہ سے اقبال اس اتحاد کے خلاف تھے کیونکہ ان کے نزدیک اس اتحاد کا مطلب ہندووں کے ہاتھوں اسلام کی فروخت قرار پائی اور خلافت کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا جس کی وجہ سید سلیمان اشرف کو یہ بتائی

---

[1] علی ارشد، ڈاکٹر، علامہ شبیر احمد عثمانی کا تحریک پاکستان میں کردار، پاکستان سٹڈی سینٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور، 2005، ص56، 61، 77

[2] عباسی، محمد عدیل، قاضی، تحریک خلافت نئی دہلی ترقی اردو بیورو 1978ء، ص80

"اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا افسوس اہل علم اپنی اصلی راہ سے بہت دور جا پڑے وہ ہم کو ایسی قیامت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتا"[1]

یہ براعظم کی مذہبی سیاسی تاریخ میں پہلا اور آخری دور تھا جس میں ہندو مسلم اتحاد اپنے عروج پر تھا

پروفیسر سعید احمد کے مطابق

"ہندوستان کی تمام تر تاریخ میں یہ دور پہلا اور آخری دور تھا جس میں ہندو مسلم اتحاد اپنے عروج پر تھا مسلمانوں نے ہندوؤں کی دل جوئی حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی مسلمان رضاکاروں نے رام لیلا کا بندوبست کیا مندروں میں دعائیں کیں وید کو اسلامی کتاب تسلیم کیا رامائن کی پوجا میں شرکت کی مسلمانوں نے اپنے ماتھے پر تلک لگایا گنگا پر پھول اور بتاشے چڑھائے بار بار اس بات کا اعلان کیا کہ گاندھی مستحق نبوت تھا اور یہ تک کہا گیا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا گائے کی قربانی کو موقوف کرنے کی تجاویز پیش کی گئیں اور سب سے زیادہ یہ غضب کیا کہ دہلی کی جامع مسجد میں منبر رسول ﷺ پر ایک متشدد ہندو شردھانند سے تقریر کرائی جس نے بعد میں مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے شدھی تحریک کا آغاز کیا"[2]

گاندھی کے خواب کی تعبیر

مسلمانوں کا یہ رویہ دیکھ کر گاندھی بہت مطمئن اور خوش تھا کہ یہ سب تو وہ چاہتا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے کیونکہ اب اس کی مسلمانوں کو تباہ کرنے اور ان کا اتحاد توڑنے کا منصوبہ اب حقیقی شکل اختیار کر چکا تھا۔[3]

کیونکہ گاندھی کا کہنا یہ ہی تھا کہ

"ہندو اور مسلمان دونوں ایک ہی مقصد یعنی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں پھر کیوں نہ وہ آپس میں تعاون کریں[4]"

شاطرانہ سیاست کی نقاب کشائی

سید سیلمان اشرف نے اپنی تقاریر اور خطابت کے ذریعے مسلمانوں کو ہندوؤں کی شاطرانہ چال اور گاندھی کے منافق کردار کو کھول کو واضح کیا اس کڑے وقت میں آپ نے ایک بیدار مغز قومی رہنماء کا فریضہ انجام دیا اور گاندھی کی مکارانہ سیاست کے پس منظر میں نہ صرف اس حقیقت سے پردہ اٹھایا بلکہ اس کی اصل سیاست اور عزائم سے پردہ بھی چاک کیا اور صاف لکھا کہ

---

[1] عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، مکاتیب اقبال، س۔ن، ص188

[2] قاضی محمد عبد الغفار، حیات اجمل، مطبوعہ علی گڑھ 1950ء، انجمن ترقی اردو، ص209

[3] احمد سعید، پروفیسر، حصول پاکستان، لاہور ایجوکیشنل ایمپوریم، 1972، ص123

[4] عباسی، محمد عدیل، قاضی، تحریک خلافت، جمہوری پبلیکیشنز، نومبر 2009، ص93

"جب گاندھی نے مسلمانوں کے اس جذبہ شہادت میں رمق حیات باقی پائی اور کمال دانشمندی سے مسلمانوں کے اس جذبہ کو آہستہ آہستہ بھڑکانا شروع کر دیا مسلمان یہ سمجھے کہ سچ مچ یہ ہمارے دوست ہیں اور انہیں ہماری بربادی پر اس قدر غم ساری و تاسف ہے کہ اپنا سر دینے پر تیار ہیں حالانکہ جس شخص کا مذہب خود اس کے مقامات مقدسہ کے لئے ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دیتا ہو وہ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کے لئے کب تلوار اٹھا سکتا ہے لیکن افسوس مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ وہ سر دینا نہیں چاہتے بلکہ انہیں مسلمانوں کے سروں کی حاجت ہے یہ کہہ کر ایک کثیر تعداد میں اسے تعداد میں مفت لینا چاہتے ہیں۔ "[1]

ملی وحدت کا نظریہ

سید سلیمان اشرف سب سے پہلے دو قومی نظریہ اور متحدہ قومیت کے داعی تھے آپ نے اس وقت آواز اٹھائی جب قائد اعظم اور علامہ اقبال ہندو مسلم اتحاد کے لئے جی جان سے کوشاں تھے اقبال ترانہ ہندی اور نیا شوالہ جیسی نظمیں لکھ کر ان میں جذبہ اتحاد پیدا کرنے میں مصروف تھے۔

قومی وحدت کا اصول

قومی وحدت وہ اصول ہے جس میں امت کی کامیابی و کامرانی کا راز مضمر ہے رسول ﷺ کامل نے بھی مسلمانوں کو شرعی قوانین و احکام کا پابند بنانے سے پہلے ان کے درمیان وحدت و مساوات پیدا کرنے پر زور دیا ہے اور تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

اے لوگو کہو اللہ ایک ہے فلاح پا جاؤ گے

سید سلیمان کا نقطہ نظر

سید سلیمان اشرف کا نقطہ نظر بھی قومی و ملی زوال کی سب سے بڑی وجہ اس اصول سے دوری اور انحراف تھا آپ نے اپنے اجلاس میں بھی بر اعظم کے مسلمانوں کو قومی امراض کی تشخیص کی اور اتحاد و کامیابی کا وہ اصول بیان کیا جو اس کلمہ میں پوشیدہ ہے آپ نے قوم کو اس کلمہ پر منظم ہونے اور اپنی جداگانہ قومی وحدت اختیار کرنے کی دعوت دی۔[2]

آپ نے اپنے جلسے میں فرمایا

دیکھئے قوم سر تا سر مریض ہے بیماریوں نے کوئی حصہ جسم کا چھوڑا نہیں اب اس وقت علاج کون سے مرض کا کیا جائے جس سے تمام بیماریاں خود بخود زائل ہو جائیں آیا اسے جہالت کے مرض سے علوم عقلیہ پڑھ کر شفا ہو یا تمدن کی مفرحات دی جائیں یا سلطنت کا جواہر مہرہ اسے استعمال کرایا جائے غرض یہ کہ کیا کیا جائے جس

---

[1] قاضی محمد عدیل عباسی، تحریک خلافت، نئی دہلی، ترقی اردو بیورو، 1978، ص 79-80

[2] تمیمی، جہانگیر محمد، ڈاکٹر، زوال سے اقبال تک، قیام پاکستان کا نظریاتی پس منظر، مرکز مطالعات، جنوبی ایشیاء، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2011ء، ص 440

سے یہ مریض نہ صرف صحیح و تندرست ہو جائے بلکہ دوسرے مریضوں کے لئے اس کا وجود اکسیر اعظم بن جائے تو اس کا صحیح و سچا جواب وہی پہلی تعلیم رسول کی ہو گی جو سب سے پہلے آپ نے اپنی قوم کو فرمائی وہی حقیقی علاج تھا اس قوم مریض کا اور وہی سچی شاہراہ تھی ترقی کی اور وہی کلید تھی خزائن تمدن کی کیا تم سے وہ اولین تعلیم مخفی و مجہول ہے نہیں ہر گز نہیں یہی تھا سراپا مرض قوم کا علاج کہ

اے لوگو کہو اللہ ایک ہے [1]

اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے علیحدہ رہنے کی تلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

مذہب اسلام نے اپنے متبعین کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ تمہارا غیر مسلم قوم سے کسی حال میں بھی ایسا میل جول نہ ہو جس سے فرق اسلام و غیر اسلام مٹ جائے ایسا تعلق خواہ تمہارے معاملات یعنی اعمال و جوارع کا پایا جائے یا معتقدات کا شریعت کے نزدیک جرم عظیم ہے۔ [2]

تبصرہ

سید سلیمان اشرف بہاری علوم عقلیہ اور نقلیہ کے ماہر اور ایک بلند پایہ مفکر، مفسر فقیہ، ماہر تعلیم فلسفی دانشور بھی تھے آپ ان علمائے حق میں سے ہیں جن کی جدوجہد نے بر اعظم کے ملی تشخص کو بر قرار رکھا یہ ان کا اور دیگر علماو مشائخ اہلسنت وجماعت کا عزم صمیم تھا جو بعد میں پاکستان کی تمہید ثابت ہوا۔ جب ہم سید سلیمان اشرف کے کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو اقبال کے ان اشعار کا مفہوم سمجھ آجاتا ہے

وہی ہے تیرے زمانے کا امام حق

جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کر دے

دے کر احساس زیاں تیرا لہو گرما دے

فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کر دے

آپ نے زندگی بھر مسلمانان ہند اور عالم اسلام کی بقاء کے لئے آواز بلند کی ہے وحدت ملی کا درس دیتے رہے اور جداگانہ ملی وحدت کا احساس جگا کر مسلمانان ہند میں دو قومی نظریہ کے تصور کو اجاگر کیا۔ آپ نے ساری زندگی اشاعت دین و مذہب میں گزار دی بد مذہبوں اور گمراہوں کا رد بلیغ کیا اور کئی شاہکار کتابیں تصنیف کیں اور تحریر و تقریر اور وعظ و نصیحت بلکہ اپنے کردار و عمل معمولات و تعلیمات کے ذریعے مذہب اسلام کی بیش بہا خدمات پیش کیں۔ ہمیشہ امت کی فکر میں لگے رہے آپ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ مذہب حق کی ترویج و تبلیغ اور قوم و ملت کی صلاح و فلاح سے عبارت ہے سید سلیمان ایک بالغ نظر، روشن خیال

---

[1] امام احمد بن حنبل، مسند احمد، باب حدیث ربیعہ بن عباد، حدیث 16066

[2] قریشی، اشتیاق حسین، ڈاکٹر، علماء میدان سیاست میں، کراچی یونیورسٹی پریس، 1994ء، ص 423

،معتدل مزاج اور مکالمے پر یقین رکھنے والے انسان تھے انہوں نے جس جس بات کے بارے میں مسلمانوں کو پہلے سے خبر دار کی اوہ سب سچ ثابت ہوا مثلاً تحریک خلافت ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد کے نتائج کے بارے میں جو کچھ آپ نے فرمایا تھا وہ حرف بحرف درست ثابت ہوا۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا اور اصل مقصد اسلام کی سر بلندی اور احیاء تھا جس کی خاطر انہوں نے تن من دھن سے جہد مسلسل کی وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ایک تحریک اور ایک بہترین اسلامی سپاہی تھے۔ آپ کی یہ تمام خدمات اور کارنامے شہرت وناموری کے لئے نہیں بلکہ رضائے الہی اور خوشنودی حبیب خدا کے لئے ہیں آپ کے علمی وفکری کارہائے نمایاں اور دینی وملی خدمات جلیلہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔اس تناظر میں یہ بلامبالغہ کہاجاسکتاہے کہ سید سلیمان اشرف نے اپنے عہد کے ایک دیدہ ور مدبر اور رہنماء تھے ان کاسب سے بڑاکارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی تحریروں کے ذریعے ایمان وایقان کی شمعیں روشن کیں اور مسلمانووں میں جذبہ حریت و آزادی پیدا کیاانہوں نے مضبوط دلائل کے ساتھ مغربی اور ہندوانہ تہذیب کاسحر توڑاہی نہیں بلکہ اس میں مدغم ہونے کے نقصانات وتباہ کاریوں سے بھی پردہ اٹھایاہے۔

تحریک ندوۃ العلماء میں سید سلیمان اشرف کی خدمات

ندوۃ العلماء کا تعارف

1857 ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے بر صغیر کے مسلمانوں سے انتقام لینا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں ایسی خون ریزی پھیلی کہ ہلاکو خاں اور چنگیز خاں کی یاد تازہ ہو گئی مسلمانوں کو بحیثیت قوم بری طرح مفلوج کر کے رکھ دیا گیا۔ ان کے نظام تعلیم کو تباہ کرنے کے لئے دوررس حکمت عملی ترتیب دی گئی۔ جن اوقاف اور جائیدادوں سے مسلمانوں کے مدارس چلتے تھے انہیں ضبط کر لیا گیا۔ شاہ عالم کے معاہدے کے بر خلاف حکومت کی زبان انگریزی قرار دے کر عربی اور فارسی کے تمام مکاتب کو ختم کر دیا گیا سکولوں اور کالجوں کا ایسا کورس ترتیب دیا گیا جو مسلمان بچوں کو عیسائی تو نہ بنائے مگر کم از کم انہیں مسلمان بھی نہ رہنے دیں اور وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھیں، دوسرے لفظوں میں ایک ایسا نظام تعلیم مرتب کیا گیا جس کے ذریعے سے ایسے افراد تیار کرنا مقصود تھا جو رنگ و نسل کے اعتبار سے تو برّصغیر کے باشندے ہوں مگر مزاج کے اعتبار سے انگریز کے مفادات کے عین مطابق ہوں۔ الغرض مشکلات کا ایک ایسا پہاڑ تھا جو فوری اور دور اندیشانہ حل اور فیصلہ کن اور واضح موقف کا طلب گار تھا اس پیچیدہ اور نازک ترین دور میں جب مشرقی اقدار اور مغربی تہذیب کی کشمکش زوروں پر تھی دو قیادتیں ابھر کر سامنے آئیں، پہلی قیادت خالص دینی قیادت تھی جس کے علمبر دار علمائے دین تھے دوسری قیادت سر سید احمد خاں اور جدید مکتب خیال کے افراد پر مشتمل تھی۔ علمائے دین نے اسلام کے دینی اور علمی سرمایہ کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کے دینی تعلق اور احساس کو باقی رکھنے کے لئے ایسے دینی مدارس کا قیام از حد ضروری سمجھا جو سیاسی زوال کے بعد مسلمانوں کو دینی اور اخلاقی زوال سے محفوظ رکھ سکیں اور ان مدارس سے ایسے علماء تیار ہو کر نکلیں جو اسلامی شریعت اور فقہ سے گہری دلچسپی رکھتے ہوں اور ان میں داعیانہ روح رضاکارانہ خدمت اور اشاعت علم کا جذبہ ہو اور جو حکومت کی اعانت اور سرپرستی کے بغیر علم کی اشاعت اور حفاظت کے لئے فرائض سر انجام دے سکیں۔[1] ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند کا بنیادی اور مرکزی کردار ہے۔[2] 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ایک طرف تو انگریزوں کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ غیر معمولی سنگدلی اور بے رحمی کا مظاہرہ کیا گیا تو دوسری طرف عیسائیت کی اشاعت و ترویج کے لئے حکومت کی سرگرمی اور گرم جوشی اور مغربی تہذیب کے مسلمانوں کے عقائد، اخلاق و معاشرت میں اثرات نے اسلامی معاشرے کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔ ان وجوہات کی بناء پر مسلمان علماء کو اقدام کی بجائے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اور انہوں نے اس چیز کی فکر شروع کی کہ تہذیب اسلامی کے جتنے بچے کھچے آثار رہ گئے ہیں ان کو محفوظ کر لیا جائے اور اسلامی تہذیب و تمدن کے لئے قلعہ بندیاں کر لی جائیں اور پھر ان قلعوں میں مبلغ اور داعی تیار کئے جائیں۔[3] اس جدوجہد کا تانا بانا ایک طرف

[1] ندوی، ابوالحسن علی حسنی، مدارس اسلامیہ (مرتب: عبد الہادی اعظمی ندوی)، دارالاشاعت، اردو بازار جناح روڈ، کراچی، 2013ء ص10

[2] جلیس ندوی، محمد اسحاق، تاریخ ندوۃ العلماء، لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس، آفسٹ، 1983ء، ص43

[3] ندوی، ابوالحسن علی حسنی، اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، کاکوری آفسٹ پریس لکھنؤ، 2003ء، ص88

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک سے ملتا تھا جنہوں نے شریعت محمدیہ کو تغیر و تحریف اور غلط تاویلوں سے بچایا[1] دوسری طرف سید احمد شہیدؒ کی تحریک سے ملتا تھا جنہوں نے خلافت راشدہ کے نقشے پر حکومت شرعیہ کی تشکیل کے لیے جانی ومالی قربانیاں دیں۔[2] دوسری قیادت کا پرچم سرسید احمد خاں نے بلند کیا یہ قیادت مغربی تہذیب اور اس کی مادی بنیادوں کی تقلید اور جدید علوم کو اس کے عیوب ونقائص کے ساتھ بغیر کسی تنقید و ترمیم کے اختیار کر لینے کی داعی تھی ۔[3] انہوں نے مغربی نظام تعلیم کو ہندوستان کے مسلم معاشرے کے حالات اور تقاضوں کے مطابق ڈھالنے اور اسے اسلامی شکل دینے پر غور نہیں کیا جس سے ایک ایسی اسلامی نسل پروان چڑھی جو نام کے لحاظ سے تو مسلمان تھی مگر ذہنیت کے اعتبار سے خالص مغربی تھی۔ ان کی اخلاقی پستی کا ذکر سرسید احمد نے اپنے مضمون میں کیا ہے کہ تعجب ہے کہ جو تعلیم پا جاتے ہیں اور جن سے قومی بھلائی کی امید تھی وہ خود شیطان اور بدترین قوم ہوتے جا رہے ہیں۔ غرضیکہ آخر میں سرسید خود بھی اس نظام تعلیم سے مطمئن نہ تھے۔[4] انسانی ذہن و فکر کی تعمیر، قول و فعل، فکر و عمل میں توازن اور کردار سازی میں نصاب تعلیم اور نظام تربیت موثر کردار ادا کرتا ہے۔ ہمارے دینی مدارس کا نصاب تعلیم سینکڑوں سال پرانا تھا وہ زمانے کی ضرورتوں سے ہم آہنگ نہ تھا ان مدارس میں قرآن وسنت اور تفسیر و حدیث کی بجائے فلسفہ و منطق ، فلکیات اور صرف و نحو پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی[5]۔ اور علماء کرام کی اکثریت فلسفیانہ موشگافیاں حل کرنے میں ہی مصروف رہتی دوسری جانب ایم اے او کالج علی گڑھ جو کہ 1875ء میں قائم ہوا[6] اور جدید طرز ہائے تعلیمی اداروں میں مشرقی اقدار و علوم کو یکسر نظر انداز کر کے تمام تر توجہ یورپی علوم پڑھانے پر دی جا رہی تھی۔ اس زمانے میں مشہور تھا کہ جو دیوبند چلا گیا اس کی دنیا گئی اور جو علی گڑھ چلا گیا اس کا دین گیا۔[7] چنانچہ ان حالات میں اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو مشرقی علوم واقدار اور مغربی نظریات تعلیم کا حسین سنگم ہو اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے چند درد مند مسلمان آگے بڑھے جن میں مولانا محمد علی مونگیری پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپریل 1893ء میں مدرسہ فیض عام کانپور کے سالانہ جلسہ میں ایک ایسے ادارے کا تخیل پیش کیا اور باہمی صلاح ومشورہ سے اس کا نام ندوۃ العلماء تجویز ہوا[8] بعد ازاں 1894ء میں لکھنوء کے مقام پر اس ادارے کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ تحریک ندوۃ العلماء دار العلوم

---

[1] ندوی، ابوالحسنی علی حسنی، تاریخ دعوت و عزیمت، کاکوری آفسٹ پریس لکھنوٗ،2010ء، جلد 5، ص45

[2] مہر، غلام رسول، سیرت سید احمد شہید، مطبوعہ لاہور، س۔ن، ص10

[3] ندوی، ابوالحسن علی حسنی، اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص71۔75

[4] عبدالحق، مولوی، سرسید احمد خاں: حالات وافکار، نذیر پرنٹنگ ورکس، کراچی،1959ء، ص80

[5] صدیقی، بختیار حسین، برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، کمبائن پرنٹرز بلال گنج، لاہور، 1982، ص25

[6] حالی، الطاف حسین، مولانا، حیات جاوید، انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی،1939ء، ص64

[7] محمد اسلم، پروفیسر، تحریک پاکستان، میاں نوید احمد حنفیپبلشرز، لاہور، س۔ن، ص161

[8] محمد اسلم، پروفیسر، تحریک پاکستان، ص162

دیوبند اور مدرستہ العلوم علی گڑھ کے بعد وجود میں آئی، گویا ندوۃ العلماء کی تاسیس اس وقت ہوئی جب کہ قدیم وجدید مکتبہ خیال کی دونوں تحریکوں کی سر گرمیوں کو برسوں بیت چکے تھے۔

ندوۃ العلماء کے اغراض ومقاصد

جہاں تک ندوۃ العلماء کے اغراض ومقاصد کا تعلق تھا یہ مسلمانوں کے بہترین مفاد میں ہی تھا اس لئے پوری قوم میں اس کی پذیرائی ہوئی یہاں تک کہ سر سید احمد خاں اور محسن الملک نے بھی ان کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اس تحریک کے پیش نظر ابتداء میں اس کے دو مقاصد تھے:

ا۔ علمائے اسلام کے باہمی اختلافات کو دور کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کے لئے مناسب نصاب تعلیم فراہم کرنا۔

تحریک ندوۃ العلماء جوں جوں آگے بڑھتی گئی اس نے اپنے دائرہ کار اور بنیادی مقاصد میں اضافہ کیا گیا بعد میں مندرجہ ذیل چار مقاصد تحریک کے مقاصد قرار پائے:

علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں دوررس بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب کی تیاری۔

ایسے علماء پیدا کرنا جو کتاب وسنت کے وسیع وعمیق علم کے ساتھ جدید خیالات سے بخوبی واقف ہوں اور زمانہ کے نبض شناس ہوں۔

اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔

اسلامی تعلیمات کی اشاعت بالخصوص برادران وطن کو اس کی خوبیوں سے روشناس کرانا۔[1]

جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور علمائے دین کے درمیان خلیج کو دور کرنے میں ندوۃ العلماء کو پہلی کامیابی اپنے پہلے اجلاس کے بعد ہوئی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے ندوۃ العلماء کا باقاعدہ خیر مقدم اس تجویز کی شکل میں ظاہر ہوا جسے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ نے اپنے سالانہ اجلاس 1894ء منعقدہ علی گڑھ میں نواب محسن الملک کی تجویز اور سید محمود کی تائید سے بالاتفاق آراء منظور کیا اور جسے سر سید احمد خاں نے ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر مسلمانوں میں تقسیم کیا ریزولیشن کی عبارت حسب ذیل تھی:

"اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ جلسہ "ندوۃ العلماء" جو بمقام کانپور منعقد ہوا تھا، اور جس میں علما اور اکابر دین جمع ہوئے تھے، تمام مسلمانوں کی توجہ کے لائق ہے، اور اس کے مقاصد یعنی اصلاح طریقہ تعلیم اور رفع نزاع باہمی نہایت عمدہ اور مفید ہیں تمام مسلمانوں کو ایسی عمدہ اور مفید، مجلس کی جس سے مسلمانوں کی دینی اور دنیوی بہبود مقصود ہے، بہ دل وجان قلم سے، قدم سے، درم سے مدد کرنی چاہئے"[1]

---

[1] جلیس ندوی، محمد اسحاق، تاریخ ندوۃ العلماء، ص56

ندوۃ العلماء کا مسلک

ندوۃ العلماء کا مسلک اور طریقہ کار اس عظیم ادارے کا نظم و نسق چلانے والوں سے زیادہ بہتر الفاظ میں کوئی بھی بیان نہیں کر سکتا چنانچہ سید سلیمانؒ ندوی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ملک میں قدیم جدید تعلیم یافتوں کی دو برابر کی جماعتیں قائم ہیں ہمارا کام ان دونوں کے درمیان اتصال پیدا کرنا ہے، فریق اول سے کہتا ہے کہ تم علوم قدیم کے حرم اقدس کی توہین کرتے ہو، جدید فرقہ الزام دیتا ہے کہ پرانے علوم کو زندہ کر کہ تم ہمارے پاؤں میں پھر وہی زنجیریں ڈالنا چاہتے ہو جن کو پچاس برس میں ہم نے بڑی مشکل سے کاٹا ہے۔ حقیقت حال پر نظر ہو تو دونوں پر اپنی غلطی آپ منکشف ہو جائے یورپ کے علوم قدیم علوم کی معصومیت میں رخنہ انداز ہیں بلکہ اس کے حسن و جمال کی افزائش کا سامان ہیں۔ دوسرے فریق سے کہنا ہے کہ اسلاف کے متروکہ علوم کو ذرا صیقل کر کہ دیکھو زنجیر پا نہیں تمہارے پائے کمال کا خلخال ہے، ورنہ سچ تو یہ ہے کہ تم یورپ کے دیس میں غریب و نادار والدین کی وہ بیٹی ہو جو صرف سسرال کی دولت پر نازاں ہے۔"[2]

ندوۃ العلماء کا مسلک واضح ترین صورت میں سید ابو الحسن علی حسنی ندوی نے اپنی کتاب کاروان زندگی میں بیان کیا ہے فرماتے ہیں دین و عقائد کے معاملے میں ندوۃ العلماء کے مسلک کی بنیاد دین خالص پر ہے۔ جو ہر قسم کی آمیزش اور آلائش سے پاک ہے اس میں کسی قسم کی تاویل اور تحریف نہیں اور یہ ملاوٹ اور فریب کی دسترس سے دور اور ہر اعتبار سے مکمل اور محفوظ ہے۔ دین کے فہم اور اس کی تشریح اور تعبیر میں اس کی بنیاد اسلام کی اولین اور صاف شفاف سرچشموں سے استفادہ اور اس کی اصل کی طرف رجوع پر ہے۔ اعمال و اخلاق کے شعبہ میں دین کے جوہر و مغز کو اختیار کرنے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنے، احکام شرعیہ پر عمل، حقیقت دین اور روح دین سے زیادہ قربت، تقویٰ اور صلاح باطن پر ہے۔ تصور تاریخ میں اس کی بنیاد اس پر ہے کہ اسلام کے ظہور اور عروج کا دور اول سب سے بہتر اور قابل احترام دور ہے اور وہ نسل جس نے آغوش نبوت اور درس گاہ رسالت میں تربیت پائی اور قرآن و ایمان کے مدرسہ سے تیار ہو کر نکلی، سب سے زیادہ مثالی اور قابل تقلید نسل ہے اور ہماری سعادت و نجات اور فلاح و کامرانی اس بات پر منحصر ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اس سے استفادہ کریں اور اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ نظریہ علم اور فلسفہ علم میں اس کی اساس اس پر ہے کہ علم بذات خود ایک اکائی ہے جو قدیم و جدید اور مشرق مغرب کے خانوں میں تقسیم نہیں کی جاسکتی۔ اگر اس کی کوئی تقسیم ممکن ہے تو وہ تقسیم غلط اور صحیح، مفید اور مضر ذرائع اور مقاصد کے اعتبار سے ہو گی۔ استفادہ اور افادہ اور ترک قبول کے شعبہ میں اس کا عمل اس حکیمانہ نبوی تعلیم پر ہے کہ "حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے وہ جہاں بھی ہو اس کو پانے کا وہ سب سے زیادہ حق دار ہے" نیز قدیم حکیمانہ اسلوب پر ہے کہ جو صاف و نظیف ہو اس کو لے لو اور جو آلودہ اور کثیف ہو اس کو چھوڑ دو۔ اسلام کے دفاع اور عصر حاضر کی لادینی

---

[1] جلیس ندوی، محمد اسحاق، تاریخ ندوۃ العلماء، ص108

[2] ندوی، محمد واضح رشید، احمد حسنی، ندوۃ العلماء ایک رہنما تعلیمی مرکز اور تحریک اصلاح و دعوت، دفتر نظامتندوۃ العلماء، 2009ء، ص44

قوتوں کے مقابلہ میں اس کی اساس ارشاد ربانی پر ہے:"وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ"[1] (اور ان سے مقابلہ کے لئے جتنی قوت تم سے ممکن ہو سکے تیار کرو) دعوت الی اللہ اسلام کے محاسن و فضائل کی تشریح اور ذہن و عقل کو اس کی حقانیت و صداقت پر مطمئن کرنے میں اس کا عمل اس حکیمانہ وصیت پر ہے کہ:"كلموالناسعليقدرعقولهم اتريدون ان يكذب الله و رسوله"(کہ لوگوں سے ان کی عقل کا خیال کرتے ہوئے گفتگو کیا کرو کیا تم چاہتے ہو خدا اور اس کے رسول کو جھٹلادیا جائے)

عقائد و اصول میں وہ جمہور اہل سنت کے مسلک کی پابندی اور سلف آراء و تحقیقات کے دائرہ میں محدود رہنا ضروری سمجھتا ہے۔ فروعی اور فقہی مسائل میں اس کا مسلک و اصول یہ ہے کہ حتی الامکان اختلافی مسائل کو چھیڑنے اور ہر ایسے طرز عمل سے احتراز کیا جائے جس سے باہمی منافرت بڑھے اور امت کا شیرازہ منتشر ہو۔ سلف صالحین سے حسن ظن رکھا جائے اور ان کے لئے عذر تلاش کیا جائے، اسلام کی مصلحت اجتماعی کو ہر مصلحت پر ترجیح دی جائے۔ مختصراً یہ کہ وہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے علمی و فکری اور کلامی و فقہی مدرسہ سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہے اس لحاظ سے ندوۃ العلماء ایک محدود تعلیمی مرکز سے زیادہ ایک جامع اور کثیر المقاصد دبستان فکر اور مکتب خیال ہے[2]

رفع نزاع باہمی

اس تحریک کا اولین مقصد رفع نزاع باہمی تھا جس کا تعلق علماء کے مذہبی و فقہی نزاعات و اختلافات سے تھا جس نے علمی تحقیق و مباحثہ سے آگے بڑھ کر مجادلے سے بڑھ کر مقاتلے، عدالتی چارہ جوئیوں، فوجداری مقدمات اور باہمی تذلیل و تفضیل بلکہ تکفیر و تفسیق کی شکل اختیار کرلی تھی اور پورا ملک ایک مذہبی دنگل بنا ہوا تھا۔ دہلی میں کوٹلہ والی مسجد صرف آمین بالجہر پر اتنا جھگڑا ہوا کہ متعدد آدمی زخمی ہوگئے پھر مقدمہ چلا اور ہزاروں روپے برباد ہوئے۔ اسی طرح میرٹھ میں مقلدین اور غیر مقلدین کی کشمکش اتنی بڑھی کہ ہائی کورٹ تک مقدمہ پہنچا۔[3] علماء کے درمیان رفع نزاع باہمی کی یہ کوشش اتنی کامیاب رہی کہ ندوہ کے پہلے اجلاس کی ایک شان یہ بھی تھی کہ اس میں ہر فرقہ کے صنادید علماء شریک تھے۔ علمائے حنفی کے علاوہ اہل حدیث میں سے مولانا ابراہیم آروی، مولانا محمد حسین بٹالوی، شیعہ مجتہدین میں مولوی غلام الحسنین کنتوری شریک جلسہ تھے، یہ مشاہدہ تھا کہ تمام علماء بلا تخصیص فرقہ صدر نشین کی تعظیم و تکریم میں یکساں سرگرم تھے۔ اس موقع پر مولانا احمد رضا احمدؒ خاں صاحب بریلوی نے جو رسالہ پیش کیا اس میں مفتی عنایت احمد، مولانا لطیفؒ اللہ علی گڑھی اور مولانا احمد حسین کی

---

[1] الانفال 8: 60

[2] ندوی، ابو الحسن علی حسنی، سید، کاروان زندگی (حصہ اول)، مکتبہ اسلام، لکھنوء، سن، ص 162

[3] جلیس ندوی، محمد اسحاق، تاریخ ندوۃ العلماء، ص 89

بڑی شاندار الفاظ میں مدح وثناء کی۔[1] قیام ندوۃ العلماء کے دو سال کے اندر نہ صرف ہندوستان بلکہ مصر و شام میں بھی خاصا مقبول ہو گیا۔ عرب علماء اور دانشور اس کے مقاصد و تخیل سے اتفاق کا اظہار کر رہے تھے مصری اخبارات میں اس کی تائید میں متعدد مضامین شائع ہوئے۔ "المویئد" اور "الرفیق "[2] نے اس کی پر زور حمایت کی۔ ایک مدت سے تقلید اور عدم تقلید کے جھگڑوں سے جو بڑے بڑے ہنگامے وقوع پذیر ہوئے تھے وہ ندوۃ العلماء کی وجہ سے رک گئے تھے اس جھگڑے سے مسلمان نہایت امن اور آسائش میں بسر کرنے لگے تھے۔ مولانا شاہ امانت اللہ صاحب اور مولانا ابو محمد ابراہیم بانی مدرسہ احمد آرہ کے درمیان ندوۃ العلماء نے صلح کرادی جس سے پورب کے تمام ہنگامے فرو ہو گئے۔ یہ ندوۃ العلماء کا کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا۔ اب تک علماء کی جماعت میں ربط واتحاد کا کوئی خاص سلسلہ نہ تھا ،غالباً اس کی وجہ سے مناظروں میں سختی اور بے مروتی سے نزاعیں پیدا ہو جاتی تھیں، اب ندوۃ العلماء کی وجہ سے یہ بات جاتی رہی اور جو علماء سال میں ایک بار جمع ہوتے تھے ان میں ایک خاص قسم کا ربط واتحاد پیدا ہو گیا تھا، اور جو نہ ملنے سے بد گمانیاں پیدا ہو جاتی تھیں وہ دور ہو گئیں جس کی بناء پر ایک دوسرے سے منافرت پیدا ہونے کا اندیشہ نہ رہا۔

بعض ناعاقبت اندیش حضرات نے ندوۃ العلماء کی جو مخالفت کی اور علماء کی تذلیل کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی ان کے جواب میں ندوۃ العلماء نے نہایت متانت اور عالی حوصلگی سے کام لیا جن ارکان کی تذلیل کی گئی وہ تحریر و تقریر میں بہت نام آور تھے مگر انہوں نے بھی ندوۃ العلماء کی منظور کردہ تجویز کے خلاف کچھ نہ کہا مخالفین کو اس بات پر اصرار تھا کہ ندوۃ العلماء مختلف العقیدہ فرقوں کا معجون مرکب ہے جس میں شیعہ، سنی، نیچری، وہابی سب شریک ہیں اور یہ ان کے باہمی اختلافات کے خاتمے میں کوشاں ہے اور یہ بات گمراہی کی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اپنے فقہی مذہب و مسلک کو ترک کئے بغیر یہ بات ممکن نہ تھی جبکہ ندوہ کے نزدیک باہمی نزاع کو دور کرنے کے لئے کوشش یہ نہیں تھی کہ تمام فرقے مذہباً متحد ہو جائیں، یہ تو نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اہل اسلام سے وہ فضیحت کن نزاع دور ہو جائیں جو غیروں کی نگاہ میں اسلام اور مسلمانوں کو بے وقعت کرتی ہیں اور خود ان کی علمی اور اخلاقی ترقی کی راہ میں حائل ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اپنے مقاصد اعلیٰ کو پورا کرنے کی غرض سے عام اہل اسلام کو دعوت دی جائے اگرچہ ان میں اختلاف ہو۔

ندوۃ العلماء کا نصاب

قوموں کی ترقی اور زوال کا دار و مدار ان کے نصاب کی ترمیم اور اصلاح پر ہوتا ہے اسی وجہ سے قدیم نصاب کو زمانہ حال کے مطابق بنانے کا خیال سب سے پہلے بانیان ندوۃ العلماء کو محسوس ہوا اور ندوہ کے فرزندوں نے ایک ایسا نصاب تیار کیا جو زمانہ کی ضرورت پوری کر سکے اور ابتدائی مرحلوں سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک کے مختلف ادبی مزاج کے مطابق ہو۔ چنانچہ ندوی فضلاء کی تیار کی ہوئی درسی کتابوں کو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی داخل کیا گیا۔ اس کے ساتھ

---

[1] شروانی، حبیب الرحمٰن، محمد، استاذ العلماء، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی، کتاب محل، داتا دربار مارکیٹ، لاہور، س۔ن، ص 29

[2] المویئد اور الرفیق مصری اخبارات کے نام ہیں

ہی نظام تعلیم میں تبدیلی چاہنے والے مدارس نے بھی اسے اپنالیا۔ یہ درسی کتابیں ایمان و عقیدہ اور ادب دونوں کی رعایت پر مشتمل تھیں۔ ایک نصاب کمیٹی بنائی گئی جو دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں اصلاح و ترمیم کی ذمہ دار تھی۔[1] فضلائے ندوہ نے عربی کی ابتدائی کتابیں جو اب تک فارسی میں لکھی گئیں ان کو عربی میں منتقل کیا جس میں موجودہ طلباء کے ذہنوں اور بدلتی ہوئی زندگی کے مسائل کی پوری رعایت رکھی گئی تھی جب کہ متقدمین کی کتب نحو و صرف کے ان مسائل سے بھری پڑی تھیں جن کی ضرورت بہت کم پڑتی تھی۔[2] ندوۃ العلماء کے سامنے جو بدلتے ہوئے حالات اور علم و ادب کے انقلابات اور علمی تغیرات رہے ہیں ان کی بناء پر وہ کسی نصاب و نظام تعلیم کو دائمی نہیں مانتا اس لئے اس کا نظام تعلیم برابر تبدیلی اور ترمیم کی منزل سے گزرتا رہا ہے۔ ندوۃ العلماء کے تعلیمی ذمہ داروں کی ہمیشہ کوشش و خواہش رہی ہے کہ عالم عربی اور اسلامی کے تصنیفی معیار کے ساتھ چلا جائے تاکہ دارالعلوم کے فضلاء علم و فکر کے قافلہ سے بچھڑنے نہ پائیں اور طلباء وسیع علمی ماخذ سے استفادہ کرتے ہوئے علم و ادب میں اپنے حصے کا اضافہ کرتے جائیں اور ان میں کسی قسم کا احساس کمتری پیدا نہ ہو جو عموماً مدارس کے طلباء میں پایا جاتا ہے۔ ندوۃ العلماء کے اساتذہ نے نصاب تعلیم سے منطق اور فلسفہ کے طومار کو خارج کر کے اس کی جگہ قرآن مجید کے ترجے اور تفسیر پر زور دیا۔ اسی طرح صرف و نحو میں جولانی دکھانے کی بجائے جدید عربی پڑھانے پر توجہ دی۔ اس ادارے میں عربی کو ایک زندہ زبان کے طور پر پڑھایا جاتا ہے ندوۃ العلماء سے فارغ ہونے والے طلبہ کو تاریخ و جغرافیہ بھی پڑھائے جاتے ہیں اور انہیں عالم اسلام میں رونما ہونے والے واقعات سے واقف رکھا جاتا ہے۔[3]

مجلس صحافت و نشریات

ندوۃ العلماء کے ناظم اور متعدد علماء اس ادارے کے مؤسس اور روح رواں ہیں۔ مجلس صحافت کے قیام کا مقصد ندوۃ العلماء کے فکر و اصول کے مطابق دعوتی و اشاعتی کام انجام دینا ہے۔ اس کے تحت کئی رسالے شائع ہوئے ہیں جن میں "البعث الاسلامی" عربی رسالہ ہے جو 1955ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کا شمار صف اول کے دینی پرچوں میں کیا جاتا ہے۔ پاک و ہند کے علاوہ عراق، حجاز، کویت اور لبنان میں اس کا ایک وقیع حلقہ پیدا ہو گیا ہے۔ "الرائد" پہلا عربی پندرہ روزہ اخبار ہے یہ طلباء اور نوجوان اہل قلم کو صحافت میں حصہ لینے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ یہ عرب ممالک میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اردو میں شائع ہونے والے پندرہ روزہ "تعمیر حیات" کے ذریعے مسلمانوں میں عمومی طور پر دینی و علمی و اصلاحی کاموں کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد کی توسیع و اشاعت کا کام بھی ہوتا ہے انگریزی داں حضرات کو اسلامیات سے واقف کرنے اور اشاعت اسلام میں ندوۃ العلماء

---

[1] شمس تبریز خاں، تاریخ ندوۃ العلماء، لکھنو پبلشنگ ہاؤس آفسٹ 1984ء، ص 304

[2] ندوی، ابوالحسن علی حسنی، سید، ندوۃ العلماء ایک دبستان فکر ایک رہنما تعلیمی تحریک، دفتر نظامت، ندوۃ العلماء، س۔ن، ص 13

[3]۔ محمد اسلم، پروفیسر، تحریک پاکستان، ص 165

کے طریقہ کار سے واقف کرنے کے لئے ایک انگریزی ماہنامہ "فریگرینس" شائع کیا جاتا ہے ندوۃالعلماء سے تعلق رکھنے والوں کے مطالبہ پر موجود حالات کے پیش نظر 2002ء سے ہندی میں ایک ماہنامہ "سچاراہی" بھی جاری کیا گیا۔[1]

دار المصنفین علی گڑھ اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

علامہ شبلی کو اسلامیات کے ایک تحقیقی ادارہ کے ذریعے مصنفین کی تربیت کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے 1914ء میں اعظم گڑھ میں "دارالمصنفین" کے نام سے ایک علمی ادارہ کی بنیاد رکھی۔ علامہ شبلی کی وفات کے بعد اس کی نظامت اور علمی نگرانی سید سلیمان ندوی کے سپرد ہوئی اس علمی ادارہ کی سربراہی ایک مدت تک ندوی فضلاء کے ہاتھ رہی۔ 1916ء میں اس ادارہ کا بلند پایہ علمی و تحقیقی ماہنامہ "معارف" شائع ہونے لگا۔ اس ادارہ نے اسلامی ثقافت کے احیاء اوراس کی توسیع واشاعت اور مستشرقین و عقلیین کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب بھی دیا۔ زبان وادب اور تحقیق و تاریخ نگاری کے عصری تقاضوں کو بھی اس ادارے نے کماحقہ پورا کیا[2]۔ سید ابوالحسن علی ندوی نے 1959ء میں ندوۃالعلماء میں ایک علمی ادارے کی بنیاد رکھی جس کا مقصد سیاست ومعاشرت کلام اور فقہ وشریعت کے مسائل حاضرہ کے مباحث کی اشاعت عالمی زبانوں میں تھا۔ اس ادارہ کا نام مجلس تحقیقات ونشریات اسلام تھا۔ دارالمصنفین کی قابل قدر خدمات اردو تک محدود تھیں لیکن اس ادارہ نے اردو کے علاوہ دیگر ہندوستانی زبانوں اور عربی میں بھی اسلامی مباحث کی اشاعت کی اور انگریزی کی طرف خصوصی توجہ دی۔ اس ادارے نے انگریزی میں قیمتی کتابیں شائع کیں اور انگریزی زبان میں اسلامیات کے ذخیرہ میں قیمتی اضافہ کیا ان کتابوں نے بین الاقوامی سطح پر داد تحسین وصول کی۔[3]

دینی واسلامی مکاتب ومدارس کا قیام

ندوۃالعلماء کے فضلاء نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دینی واسلامی مدارس کا ایک جال پھیلا دیا جو ندوہ کے نصاب تعلیم اور نظام کے مطابق کام کرتے ہیں اس طرح ندوہ کا پیغام وکام پورے ملک میں عام ہو گیا ہے ندوہ میں بیرونی طلباء ملائیشیاء، انڈونیشیاء تھائی لینڈ اور جنوبی افریقہ وغیرہ کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔[4]

---

[1] تعارف ندوۃالعلماء لکھنوء، شعبہ تعمیر وترقی، ندوۃالعلماء، سن، ص 21، م ن

[2] شمس تبریز خاں، تاریخ ندوۃالعلماء، ص472

[3] ندوی، محمد واضح رشید، احمد حسنی، ندوۃالعلماء ایک رہنما مرکز اور تحریکاصلاح ودعوت، ص27۔30

[4] تعارف ندوۃالعلماء لکھنوء، شعبہ تعمیر وترقی، ندوۃالعلماء، ص23

کتب خانہ شبلی نعمانی

ندوۃالعلماء کا یہ شاندار کتب خانہ پانچ منزلہ عمارت میں ہے بیرونی ممالک کے ریسرچ سکالرز بھی اس کتب خانہ سے مستفید ہوتے ہیں ندوۃالعلماء کا یہ عظیم کتب خانہ ہندوپاک میں ایک امتیازی خصوصیت رکھتاہے اس کے تین شعبے ہیں شعبہ مطبوعات، شعبہ مخطوطات، اور شعبہ انگریزی کتب خانہ میں اسوقت ایک لاکھ پچاس ہزار کتابیں موجود ہیں

عربی فارسی اور اردو کے تقریباًپانچ ہزار مخطوطات ہیں۔کتب خانہ کو کمپیوٹرائزڈ کر دیا گیاہے اور بہت جلد انٹرنیٹ پر لانے کا پروگرام ہے [1]

شعبہ دعوت وارشاد

اس شعبہ کا مقصد مسلمانوں میں تصحیح عقائد درستگی اعمال اور غیر اسلامی رسوم ورواج سے نجات دلانااور غیر مسلموں میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنا ہے اور اسلام پر ہونے والے حملوں اور غلط پروپیگنڈوں کا توڑ کرنا ہے۔موجودہ حالات میں جب ہر طرف سے اسلام پر حملے ہورہے ہیں یہ شعبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

میڈیا ریسرچ سنٹر

یہ سنٹر اسلام مخالف میڈیائی لٹریچر کا جواب دیتاہے اسی طرح اس میں طلبہ کو صحافت اور میڈیا کی تربیت دی جاتی ہے۔یہ سنٹر انٹرنیٹ اور اخبارات پر نظر رکھتاہے اور اس راستہ سے اسلام پر ہونے والے تشکیکی حملوں اور فکری وثقافتی یلغار کا جواب دیتاہے [2]۔

شعبہ اصلاح معاشرہ

سید ابوالحسنؒ علی ندوی کے حسب ہدایت اس ادارہ کا قیام عمل میں لایا گیا اور ندوۃالعلماء میں اس کا مرکزی دفتر قائم ہوکر سرگرم عمل ہوگیا اور ملحقہ مدارس میں اس کے ذیلی دفاتر کھول دیئے گئے اس کا مقصد مسلمانوں میں غیر اسلامی رسوم کی پابندی کا خاتمہ کرانا ہے۔[3]

ندوۃالعلماء کے کارناموں کو دیکھتے ہوئے مفکر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال کی فراست کی دوربینی اور ذہانت کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے کئی سال پہلے کہا تھا کہ "میرا ایک مدت سے عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالک اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کرسکتے، دماغی اعتبار سے ان کی بہت مدد کرسکتے ہیں کیا عجب ہے کہ اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں ندوہ، علی گڑھ سے زیادہ کار آمد ثابت ہو" [1]

---

[1] ندوی، محمد واضح رشید، احمد حسنی، ندوۃالعلماء ایک رہنما مرکز اور تحریکاصلاح ودعوت، ص33

[2] تعارف ندوۃالعلماء لکھنوء، شعبہ تعمیر وترقی، سن، ص16، من

[3] ندوی، محمد واضح رشید، احمد حسنی، ندوۃالعلماء، ایک رہنما مرکز اور تحریک اصلاح ودعوت، ص35-36

بلا شبہ ندوہ نے تعلیم و ثقافت فکری رہنمائی اور قائدانہ کردار کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے اور امت مسلمہ کو درپیش گمراہیوں اور الحادی فلسفوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اس ادارے نے مسلمانان برصغیر پاک وہند اور بنگلہ دیش کی سیاسی مذہبی معاشی اور معاشرتی زندگی میں ایک نا قابل فراموش کردار ادا کیا ۔ موجودہ حالات میں ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملک میں بھی یہ ادارہ اپنے فرائض سے غفلت نہ برتتے ہوئے ایسے کارنامے سرانجام دے رہا ہے جو بعض اسلامی ممالک بھی انجام نہیں دے سکتے۔

تحریک ندوۃ العلماء میں سید سلیمان اشرف کی خدمات

تحریک ندوہ اہل سنت کے پلیٹ فارم سے اٹھی جس میں ابتداء میں اماماحمد رضانے بھی شرکت کی۔سید سلیمان اشرف بھی ندوہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔سید سلیمان ندوی ان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سید سلیمان اشرف بہاری نے بھی چند دن ندوہ میں بسر کیے "پروفیسر سید جو کہ امام احمد رضا سے بہت عقیدت رکھتے تھے وہ ندوۃ العلماء سے بھی خاصے قریب رہے اور اس کی سرگرمیوں کو سراہتے اور بنظر استحسان دیکھتے۔سید نے ندوۃ العلماء سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور شاید اسی تعلق کی وجہ سے کئی مواقع پر ندوہ میں ہونیوالے جلسے میں نہ صرف شرکت فرناتے بلکہ پورے اہتمام کے ساتھ ان تاریخی اجتماعات سے خطاب بھی کیا۔ندوہ کے انیسویں اجلاس مں 8مارچ 1925ء کو آپ نے ندوہ کے اجلاس میں شرکت فرمائی اور اس اجلاس میں آپ کا نام بارہویں نمبر پر موجود ہے۔

---

[1]ندوی، محمد واضح رشید، احمد حسنی، ندوۃ العلماء، ایک رہنما مرکز اور تحریک اصلاح و دعوت، ص35۔36

نتائج

- سید سلیمان اشرف بہاری اپنے زمانے کی معتبر اور قدیم وجدید علوم کی جامع شخصیت تھیں۔
- آپ کی تصانیف اور تعلیمات کے مابعد کتب و شخصیات پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔
- تحریک علی گڑھ سے وابستہ جن عظیم علماء نے برصغیر پاک وہند کے اس خطے کو علمی سربلندی سے نوازا علامہ سید سلیمان اشرف بہاری ان میں سے ایک اہم شخصیت ہیں۔
- سید سلیمان اشرف بہاری نے بیسویں صدی میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں انتہائی اہم کردار ادا کیا جسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔
- سید سلیمان کی ساری زندگی تحقیقی و تصنیفی سرگرمیوں میں گزری۔
- سید سلیمان اشرف ایک بلند پایہ مصنف تھے اور انہیں بیشتر اسلامی اور تاریخی علوم پر یکساں مہارت رکھتے تھے۔ قدرت نے آپ کو جو جامعیت عطا فرمائی تھی وہ ہر عالم کے نصیب میں نہیں ہوتی۔
- آپ نے ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی ضروریات اور نفسیات کو مد نظر رکھتے ہوئے تصانیف تصنیف کیں۔
- تحریکی خدمات جن میں تحریک علی گڑھ، تحریک خلافت اور تحریک رضائے مصطفی اور تحریک پاکستان میں آپ کی خدمات نے ان کو ایک نئی زندگی عطا کی۔
- اتحاد امت مسلمہ کے لیے آپ کی کوششیں ثمر آور رہیں۔ کیونکہ نتائج اخذ کرنے میں آپ صرف حقائق کو مد نظر رکھتے اور کسی خاص فرقہ کی حمایت محض اپنی وابستگی کی بنا پر کبھی نہ کرتے۔
- پاکستانی معاشرہ، جو کہ فرقہ واریت کی وجہ سے دور حاضر میں ہر دم تنزل کی طرف جا رہا ہے، کی بہتری کے لیے بھی آپ کی تعلیمات مشعل راہ ثابت ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ کی تصانیف اور عمل وحدت کلمہ کی بنیاد پر بین المسلکی اتحاد کی گواہی دیتا ہے۔ چناچہ آپ کی تصانیف سے تعصب کی شدت کو بہت حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔
- آپ وہ شخصیت ہیں کہ جنہوں نے برصغیر پاک وہند میں سب سے پہلے دو قومی نظریے کا تصور پیش کیا۔
- باعمل صوفی ہونے کی بدولت آپ نے روحانی اصلاح کی طرف بھی بھرپور توجہ دی اور اسلامی تصوف کا اصل نقشہ آسان اور دلچسپ تصانیف کی صورت میں منظر عام پر لانے کا سبب بنے۔
- اپنی تصانیف کے ذریعے آپ نے نوجوانوں میں جذبہ عمل ابھارنے کی بھرپور کوشش کی۔

- اپنی بے پناہ خوبیوں کی بدولت عصر حاضر میں آپ کی تصانیف کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔
- علی گڑھ کے تمام امور میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور اس کی بہتری کے لئے بہت سی خدمات انجام دیں

سفارشات

اپنے دور کی نامور شخصیت اور تعلیم و تعلم میں نمایاں کارنامے انجام دینے کے باوجود سید سلیمان اشرف کی خدمات کو کماحقہ سراہا نہیں گیا جس کی بنا پر برصغیر پاک وہند کے بیشتر مسلمان ان کے دینی کارناموں سے واقف نہیں ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے کارناموں کو منظر عام پر لانے کے لیے مناسب اقدامات کیے جائیں۔

- تحریکات کے حوالے سے آپ نے جو خدمات انجام دیں وہ اس قدر اہمیت کی حامل ہیں کہ برصغیر کے تمام مدارس میں ان پر علم درآمد کرانے کی ضرورت ہے۔
- سید سلیمان بیشتر دینی علوم، تاریخ، تصوف، شاعری، فقہ، سیاست پر مایہء ناز تصانیف لکھیں لیکن ان میں سے بعض تصانیف ایسی ہیں جو تاحال زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں ملتان کالونی سوڈھیوال میں مخطوطہ کی شکل میں موجود ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تصانیف کو وسیع پیانے پر شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے تا کہ ذیادہ سے ذیادہ لوگ ان کی تصانیف سے فائدہ اٹھا کر اپنی دنیا اور آخرت سنوار سکیں۔
- سید سلیمان اشرف نے المبین کتاب عربی زبان میں لکھی ہے جو ایسی تصنیف ہے کہ متعلقہ علوم پر اپنی نوعیت کی واحد تصانیف ہیں اور اس سے قبل کسی نے بھی ان علوم پر ایسی طرز میں طبع آزمائی نہیں کی چناچہ معروضی حالات کا تقاضا ہے کہ ان تصانیف کا اردو ترجمہ کرایا جائے تا کہ اردو سمجھنے والا طبقہ بھی ان تصانیف سے فائدہ اٹھا سکے۔
- سید سلیمان اشرف جیسے علماء کی خدمات سے دنیا کو متعارف کرانا ایک وسیع میدان تحقیق ہے چنانچہ نوجوان محققین خصوصاً جدید دور کے طلبہ کی اس طرف رہنمائی کرنے کی اشد ضرورت ہے اور انہیں ایسے موضوعات پر تحقیقی مقالات لکھنے پر راغب کرنا ضروری ہے۔
- الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر مولانا کی تصانیف اور خدمات کو عام کیا جائے
- ایسی ویب سائیٹس اور سوشل میڈیا گروپس تشکیل دئے جائیں جن کے ذریعے نوجوان محققین اس موضوع پر ایک دوسرے سے خیالات کا تبادلہ کریں اور ایک دوسرے کے تحقیقی کام سے استفادہ کر سکیں
- میرے مقالہ کا عنوان سید سلیمان اشرف بہاری کی تصنیفی و تحریکی خدمات کا تنقیدی جائزہ ہے
- سید سلیمان اشرف بہاری کی شخصیت درج ذیل پہلوؤں سے تحقیق کرنے کی ضرورت ہے
- سید سلیمان اشرف بہاری کی سیاسی خدمات کا جائزہ
- سید سلیمان اشرف کی تصنیفات کا مابعد کتب پر اثرات

- سید سلیمان اشرف کے ہم عصر علماء کی خدمات کا جائزہ
- سید سلیمان اشرف بہاری اور تحریک پاکستان
- سید سلیمان اشرف بہاری کے اساتذہ اور تلامذہ کا جائزہ

فہرست آیات قرآنی

77	77	الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ	14
57	57	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ.	15
		سورۃالانعام	
92	76	قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ	16
		سورۃالکھف	17
87	39	قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ	18
		سورۃالمریم	
92	48	قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ	19
		سورۃالانبیاء	
92	52	مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ	20
		سورۃالحج	
164	34	وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ	21
164	28	وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى	22
79	41	الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ	23
		سورۃالاحزاب	
77	37	لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	24
		سورۃالفتح	
91	1	إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا	25

93	28	هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ	26
		سورۃالمجادلہ	
99	22	أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ	27
		سورۃالحشر	
59	7	وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ	28
		سورۃالممتحنہ	
11	9	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ	29
		سورۃالقلم	
94	4	وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ	30
		سورۃالعلق	
92	5	عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ	31

فہرست احادیث نبویہ ﷺ

فہرست شخصیات/رجال

نمبر شمار	شخصیت/رجل	صفحہ نمبر

فہرست اماکن

فہرست مصادر و مراجع

نمبر شمار	مصدر / مرجع

1. **القرآن الکریم**

آبادی، شمس الحق عظیم، مولانا، **حیات و خدمات از محمد عزیر**، علمی اکیڈمی، کراچی، 1984ء

2. آغا اشرف، **پاکستان کا اسلامی پس منظر**، مطبوعہ مقبول اکیڈمی، لاہور، 1995ء

3. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سجستانی، **سنن ابو داؤد**، دار الفکر، بیروت، س ن

4. ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابو عبد اللہ، **سنن ابن ماجہ**، دار الفکر، بیروت، 1415ھ

5. احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ، الشیبانی، **مسند احمد بن حنبل**، مؤسسۃ القرطبہ، القاہرہ، س۔ن

6. احمد رضا، امام، **تدبیر فلاح و نجات**، مطبوعہ کلکتہ، 1331ھ

7. احمد بدر الدین، سید، **حقیقت بھی کہانی بھی**، بہار اردو اکادمی، پٹنہ، 1988ء

8. احسن اقبال، ڈاکٹر، **شیخ الہند مولانا محمود الحسن حیات اور علمی کارنامے**، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، س ن

9. اصبحانی، ابو نعیم، **معرفۃ الصحابہ**، دار الفکر بیروت، س ن

10. اعظمی، اشفاق احمد، ڈاکٹر، **نذیر احمد شخصیت اور کارنامے**، نظامی پریس لکھنؤ، 1974ء

11. اقبال اختر قادری، مولانا، **امام احمد رضا بریلوی ایک تعارف**، رضا اکیڈمی لاہور، س ن

12. انور بیگ اعوان، **بہاری مسلمان تاریخ کے آئینہ میں**، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور،، 1973

13. انیس، محمد انیس ار حمان، **بہار کی بہار**، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی، 1992ء

14. انیس، محمد انیس الرحمان، **بہار اور دکن کے آفتاب و مہتاب اور ایک چراغ علم بھی**، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی 1995ء

15. انیس، محمد انیس الرحمان، **عزیز ملت اور کارنامے**، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی، 1995ء

16. بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، امام، **الصحیح بخاری**، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1412ھ

17. بختیار حسین صدیقی، **برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم**، کمبائن پرنٹرز، بلال گنج، لاہور، 1982ء

18. بغوی، حسین بن مسعود، **شرح سنہ**، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن

19. بدالدرین احمد، **سوانح اعلیٰ حضرت**، نوریہ بکڈپو براؤں، سدار تھ نگر، یوپی، 2001ء

20. بہاری، سلیمان اشرف سید، **المبین**، ادارہ پاکستان شناسی، لاہور، 2008ء

21. بہاری، سلیمان اشرف، **الانھار**، نور رضویہ پبلشنگ کمپنی، بلال گنج، لاہور، س۔ن

22. بہاری، سید سلیمان اشرف، **السبیل**، ادارہ پاکستان شناسی، لاہور، 1924

23. بہاری، سلیمان اشرف سید، **البلاغ**، ادارہ پاکسان شناسی، لاہور، 1911

24. بہاری، سلیمان اشرف، سید، **النور**، ادارہ پاکستان شناسی، ، لاہور، 1429ھ

25. پیرزادہ، سید، **اصغر علی شاہ علیگ**، معارف رضا، کراچی، 2011ء

26. تبریزی، ولی الدین، امام، **مشکوۃ المصابیح**، مطبوعہ، اصح المطابع، دہلی، س ن

27. ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، امام، **سنن ترمذی**، دار الفکر، بیروت، 1414ھ

28. تعارف ندوۃ العلماء لکھنوء، شعبہ تعمیر و ترقی، ندوۃ العلماء، س ن

29. تمیمی، جہانگیر محمد، ڈاکٹر، **زوال سے اقبال تک**، قیام پاکستان کا نظریاتی پس منظر، مرکز مطالعات، جنوبی ایشیاء، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2011ء

30. جعفری، رئیس احمد، **قائد اعظم اور ان کا عہد**، شاہ اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور، س ن

31. جلال الدین قادری، محمد، **خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۴۷ تا ۱۹۴۷**، پرنٹکس دربار مارکیٹ، لاہور، 1987ء

32. جلیس ندوی، محمد اسحاق، **تاریخ ندوۃ العلماء**، لکھنوء پبلشنگ ہاؤس، آفسٹ، 1983ء

33. جلال الدین قادری، محمد، **خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس** ۱۹۴۷ تا ۱۹۴۷ پرنٹکس دربار مارکیٹ، لاہور، 1987ء

34. جہاں پوری، ابو سلمان شاہ، **مکاتیب ابو الکلام آزاد**، مطبوعہ کراچی، 1963ء

35. چشتی، محمد مرید احمد، **خیابان رضا**، عظیم پبلی کیشنز۔ لاہور، 1982ء

36. چودھری، خلیق الزماں، **شاہراہ پاکستان**، مطبوعہ کراچی، 1967ء

37. حسین احمد مدنی، مولانا، **نقش حیات**، ج 2، بیت التوحید، کراچی، س۔ن

38. حسنین رضا خاں، **دنیائے اسلام کے اسباب زوال**، مطبوعہ لاہور، 1979ء

39. حقانی، عبد الرقیب، **ارض بہار اور مسلمان**، علمی اکیڈمی فائونڈیشن، کراچی، 2004ء

40. حکیم اختر خاں شاہجہاں پوری، **سیرت مجدد دین امام احمد رضا**، رضوی فاونڈیشن، معارف نعمانیہ، لاہور، 2008ء

41. خلیق انجم، پروفیسر، **سر سید اور علی گڑھ تحریک**، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ایڈیشن، 1982ء

42. حمزہ علوی، **تخلیق پاکستان**، تاریخ پبلیکیشنز، مزنگ روڈ لاہور، 2014ء

43. خواجہ پوری، عبد الحلیم، **تاریخ ملک ابراہیمی**، حلیمی پریس، کلکتہ 1952ء

44. دمشقی، عبد الغنی، **اللباب فی شرح الکتاب**، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن

45. رشید حسنی، محمد واضح، ندوی سید، **ندوۃ العلماء ایک رہنما تعلیمی مرکز اور تحریک اصلاح و دعوت**، دفتر نظامت ندوۃ العلماء، 2009ء

46. رضا مصطفیٰ، **الملفوظ**، رضا اکیڈمی، ممبئی، 2004ء

47. رضوی، محمد شہاب الدین، **تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ**، رضا اکیڈمی، بمبئی 1999ء

48. زاہد چودھری، **پاکستان کیسے بنا**، مطبوعہ لاہور، 1993ء

49. سعیدی، عمر فاروق، **امام احمد رضا عظیم المرتبت عالم جلیل القدر شاعر**، رضا کیڈمی لاہور، س۔ن

50. سعید احمد ملک، ڈاکٹر، **گاندھی مسلمان اور پاکستان**، ہیومن ویلفئر ایسوسی ایشن، لاہور، فروری 2008ء

51. سید سلیمان ندوی، **گنجہائے گراں مایہ**، معارف اعظم گڑھ، 1939ء

52. سید سلیمان ندوی، **معارف اعظم گڑھ**، 1939ء

53. شامی، محمد علاؤ الدین، ابن عابدین، رد المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1407ھ

54. شبیر احمد غوری، **مولانا سید سلیمان اشرف**، مجلہ اقبال، بزم اقبال لاہور، 1992ء

55. شروانی، حبیب الرحمن محمد، **استاذ العلماء**، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی، کتاب محل، داتا دربار مارکیٹ، لاہور، س۔ن

56. ششماہی **نقطہ نظر**، اسلام آباد، شمارہ 28، اکتوبر 2009ء تا مارچ 2010ء

57. شمس تبریز خاں، مولوی، **تاریخ ندوۃ العلماء**، دفتر نظامت ندوۃ العلماء، لکھنوء 1984ء

58. شمسی، ابو الکلام قاسمی، **تذکرہ علمائے بہار**، جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالاساتھ، مڑھی، س۔ن

59. شمس تبریز خاں، مولوی، **تاریخ ندوۃ العلماء**، دفتر نظامت ندوۃ العلماء، لکھنو1984ء

60. شیروانی، محمد مقتدیٰ خاں، **مقتدرہ قومی زبان**، کراچی1926ء

61. صدیقی، رشید احمد، **گنجہائے گراں مایہ**، شفیق پریس، لاہور، 2013ء

62. طارق محمود اعوان، **ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اور علم کلام کی تشکیل**۔ فکر جدید، لاہور، س۔ن

63. طفیل احمد منگلوری، **مسلمانوں کا روشن مستقبل**، حماد الکتبی، شیش محل روڈ لاہور، س۔ن

64. ظہیر علی صدیقی، ڈاکٹر، **مولانا محمد علی اور جنگ آزادی**، سندھ، ساگر اکادمی، لاہور، 1999ء

65. عارف ندوۃ العلماء لکھنو، شعبہ تعمیر و ترقی، س۔ن

66. عابد علی، سید، **مقالات یوم رضا**، لاہور، 1971ء

67. عبد الشکور ندوی، ابوالحسنات، **ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں**، دار المصنفین، اعظم گڑھ، 1936ء

68. عبدالحق، **مطالعہ سر سید احمد خاں**، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2001ء

69. عثمانی، شبیر احمد، **فتح الملہم**، مطبوعہ مکتبہ الحجاز، کراچی، س۔ن

70. عطاءاللہ، شیخ، اقبال نامہ، **مکاتیب اقبال**، س۔ن

71. عطا قاضی، محمد عدیل عباسی، **تحریک خلافت**، نئی دہلی، ترقی اردو بیورو، 1978ء

72. علی مرتضیٰ پرویز، سید، **تاریخ کے گمشدہ اوراق**، سید سلیمان ندوی اکیڈمی، کراچی، 2000ء

73. علوی، بدرالدین، سید، **معارف اعظم گڑھ**، 1956

74. غلام السیدین، خواجہ، **علی گڑھ کی تعلیمی تحریک**، مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ، 1931ء

75. غلام رسول سعیدی، مولانا، **حیات استاذ العلماء مولانا یار محمد بندیالوی**، دارالاسلام، لاہور، س۔ن

76. غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر ڈاکٹر، **مولانا ظفر علی خاں حیات و خدمات و آثار**، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1993ء

77. غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، **تحریک ہجرت 1920 پس منظر و پیش منظر**، بزم اقبال لاہور، 1997ء

78. فیض الانبالوی و شفق صدیقی، **علامہ شبیر احمد عثمانی**، س۔ن

79. قادری، عطاء الرحمن، **حیات مخدوم الاولیاء محبوب ربانی**، امین شریف ٹرسٹ، مظفر پور، بہار، 2001ء

80. قادری، محمد علی اعظم، خاں، **حیات و کارنامے سید سلمان اشرف بہاری**، رضوی کتاب گھر، دہلی2004ء

81. قادری، محمد علی اعظم، خاں، **تجلیات شرف**، کوہ نور آرٹ پریس، کلکتہ، 1984ء

82. قادری، محمد علی اعظم، خاں، **سید سلیمان اشرف**، رضوی کتاب گھر، دہلی1992ء

83. قدرت اللہ شہاب، **شہاب نامہ**، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1922ء

84. قریشی، اشتیاق حسین، ڈاکٹر، **علماء میدان سیاست میں**، کراچی یونیورسٹی پریس، 1994ء

85. قمر الاسلام، سید، **سید سلیمان اشرف احوال و آثار**، اشرفیہ اسلامک فاونڈیشن، حیدر آباد دکن، 2011

86. کوکب، قاضی عبد النبی، **تحریک پاکستان اور علمائے اہل سنت**، مطبوعہ خانیوال، 1976ء

87. گنگوہی، رشید احمد، **فتاویٰ رشیدیہ کامل**، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، س۔ن

88. ماہنامہ، **قومی زبان**، کراچی، نومبر2009ء

89. **ماہنامہ ادب لطیف**، لاہور، مارچ، اپریل2010ء

90. مجددی، **شیخ، مکتوبات امام ربانی**، مدینہ پبلشنگ، کراچی، س۔ن

91. محمد مسعود احمد، **فاضل بریلوی اور ترک موالات**، مطبوعہ، لاہور، 1972ء

92. محمد عبد القدیر، **ندوہ مسلم اتحاد پر خط مہاتما گاندھی کا نام**، مطبوعہ علی گڑھ، 1985ء

93. محمد اسلم، پروفیسر، **تحریک پاکستان**، میاں نوید احمد حنفی پبلشرز، لاہور، س۔ن

94. محمد اسلم، پروفیسر، تحریک پاکستان، ریاض برادرز اردو بازار، لاہور، س۔ن

95. محمد جمیل الرحمن، **پاسبان مذہب و ملت**، مطبوعہ، بریلی، 1921ء

96. محمد شفیع آگوانی، پروفیسر، **ہندوستان اسلام اور مغربی ایشاء**، ایچ۔ ایس پرنٹنگ پریس، دہلی، 1999ء

97. محمد جلال الدین، قادری، **مولانا ابو الکلام کی تاریخی شکست**، مکتبہ رضویہ، 1921ء

100. محمد علی چراغ، **اکابرین تحریک پاکستان**، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1991ء

101. محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، **امام احمد رضا اور عالم اسلام**، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، 2000ء

102. محمد احمد ترازی، **دو قومی نظریہ اور سید سلیمان اشرف**، دار النعمان پبلشرز، کراچی، پاکستان، 2017ء

103. محمد صابر القادری، مولانا، **اعلحضرت بریلوی**، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور، 2000ء

104. مختار الدین احمد، ڈاکٹر، **حیات ملک العلماء**، ادارہ معارف نعمانیہ، شاد باغ، لاہور، س۔ن

105. مسلم، ابن الحجاج قشیری، ابو الحسین، **صحیح مسلم**، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، 1417ھ

106. مسعود احمد، پروفیسر، **تحریک آزادی ہند اور السواد اعظم**، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 1987ء

107. مسعود احمد، پروفیسر، **حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی**، اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ، سیالکوٹ، 1981ء

108. مشتاق احمد خاں، **علی گڑھ اور تحریک آزادی**، ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، 1929ء

109. مصباحی، یسین اختر، **امام احمد رضا رد بدعات و منکرات**، فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور، 2000ء

110. مظہر حسین، **علی گڑھ تحریک سماجی اور سیاسی مطالعہ**، انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی، 2003ء

111. معین الحق، سید، **تاریخ تحریک علی گڑھ**، ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس لاہور 1981ء

112. مقبول جہانگیر، **اعلحضرت بریلوی**، ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور، 2005ء

113. میاں عبد الرشید، **پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر**، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1925ء

114. نجیم، ابراہیم، زین العابدین، **البحر الرائق شرح کنز الدقائق**، دار الفکر، بیروت، س ن

115. ندوی، ابو الحسن علی حسنی،، اسلامیت اور **مغربیت کی کشمکش، کاکوری، آفسٹ پریس، لکھنؤ، 2010ء**

116. ندوی، ابو الحسن علی حسنی،، **کاروان زندگی** (حصہ اول)، مکتبہ اسلام، لکھنوء، س۔ن

117. ندوی، ابو الحسن علی حسنی،، **ندوۃ العلماء ایک دبستان فکر ایک رہنما تعلیمی تحریک**، دفتر نظامت، ندوۃ العلماء، س۔ن

118. نسائی، احمد بن شعیب، ابو عبد الرحمٰن، **سنن نسائی**، مکتب المکتوبات الاسلامیہ، حلب، 1986ء

119. نعمانی، محمد عبد المبین، قادری رضوی، **المصنفات الرضویہ**، رضا اکیڈمی، لاہور 2004ء

120. نوشہروی، ابو یحییٰ خان، امام، **ہندوستان میں اہل حدیث کی خدمات**، مکتبہ نذیریہ، چیچہ وطنی، 1391ھ

121. نواب مشتاق احمد خاں، **علی گڑھ اور تحریک پاکستان**، طبع لاہور، 1995ء

122. یوسف زئی، مدرار اللہ، نقشبندی، مفتی، **سیاست اور عقائد**، ادارہ اشاعت مدرار العلوم، گلبرگ مردان، سرحد، س ن